www.KitaboSunnat.com

تاج محل سے
زیرو پوائنٹ

چودھری محمد ابراہیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاج محل سے زیرو پوائنٹ

چودھری محمد ابراہیم

www.kitabosunnat.com

بیت الحکمت لاہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

915.4 محمد ابراہیم، چودھری

م ح م-ت تاج محل سے زیرو پوائنٹ

لاہور: بیت الحکمت

۲۰۰۶ء

ص ۴۰۰

ا۔ سفرنامہ، رپورتاژ

ISBN 969-8773-41

915.4
م ح م - ت

جملہ حقوق محفوظ

۲۰۱۸ء

کتاب: تاج محل سے زیرو پوائنٹ

مصنف: چودھری محمد ابراہیم

اہتمام: بیت الحکمت، لاہور

مطبع: قدوسیہ اسلامک پریس، لاہور

قیمت: ۲۰ روپے

المکتبۃ الرحمانیۃ
۹۹ ب ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
نمبر 25342

ڈسٹری بیوٹرز
کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات

فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون: 7320318
ای میل: hikmat100@hotmail.com

کراچی میں ملنے کا پتہ
فضلی بک سپر مارکیٹ، اُردو بازار، کراچی ۰۲۱:۲۲۱۲۹۹۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انتساب

محترم والدین اوران فرزندان اسلام کے نام
جنھوں نے ان گنت اورمن گھڑت دیوتاؤں
کی سرزمین میں توحید کی شمع جلائے رکھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترتیب

۱۔ حرف اوّل — پروفیسر عبدالجبار شاکر ۱۱

۲۔ پیش لفظ — چودھری محمد ابراہیم ۲۵

۳۔ تقریظ — سید عرفان احمد ۲۹

۴۔ سارک ۳۱

عالمی معاہدۂ تجارت، عالمگیریت، منظور نظر قوم، تھانیدار، تھری سسٹرز، زرعی سبسیڈی، حقوق ملکیت دانشوری، علم اور ٹکنالوجی، معاشی جنگ، نیو ورلڈ آرڈر، یورپین یونین اور گروپ ایٹ، ترکی، آسیان، اوپیک، عرب لیگ، ایکو اور او آئی سی، ڈی ایٹ، سارک، دائرہ کار، جگا، کشمیر، سافٹا، سارک اور اگلی نسل، شکریہ۔

۵۔ نظام الدین اولیاءؒ ۴۹

حضرت نظام الدین اولیاءؒ، امیر خسروؒ، ٹریفک، مزار غالب، مزار شریف، دعا، پہچان، عوامی ہوٹل، مجبور آوازیں، قائداعظم۔

۶۔ لاڈلی اقلیت ۵۸

بڑی اقلیت، ہندوستان کا آئین اور برہمن، قیامت، ہندو مسلم فسادات، فسادات کی وجوہات، سکھ اور عیسائی، سرکاری عہدے، تعلیم، سلیبس، بندے ماترم، چائلڈ لیبر، مسلم آبادی، مولانا ابوالکلام آزاد، شیو سینا اور راشٹریہ سیوک سنگھ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۷۔ بالی اور رام لعل ۷۰

انعام، ماتھا ٹیکنا، سیڈ انڈسٹری، نجی شعبہ، رام لعل، پھیرے، ڈرائیور، سڑک، تقویٰ، فٹ پاتھ، اپنی چیزوں کی حفاظت، زندگی کی گاڑی، افسر اور ڈرائیور، برہمن۔

۸۔ لال قلعہ دہلی ۸۳

ٹکٹ، کفر، ہندی ناری، موڈ، احتجاج، دیوان عام۔

۹۔ شاہی مسجد دہلی ۸۸

شان و شکوہ، شاہی بے توجہی، حوالہ۔

۱۰۔ تاج محل کا اشتیاق ۹۲

ملکوتی حسن، چھٹی، جنم بھومی، جنت سے نکالا ہوا۔

۱۱۔ دہلی کے بازار میں ۱۰۰

بھنڈی کا سالن، ساڑھی، آداب عرض، چنگیر، چاند گاڑی، ملتان جیولری مرکز، سفر اور نماز، لائلپوری سردار جی، ٹمنائٹ بازار، دارو، نصیحت۔

۱۲۔ بازار سے واپسی ۱۱۵

بنئے کا دل، دیوتا اور چوہا، ساقی، وی آئی پی مردے، ٹیلیفون اور موسم، عدالت، تسبیح فاطمہؓ۔

۱۳۔ ہوٹل سے ریلوے سٹیشن ۱۲۵

رکشا، فٹ پاتھ، کنسلٹنٹس، فرق۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۴۔ تاج ایکسپریس ۱۴۸

کمپارٹمنٹ۔ایکسپریس ٹرین، ہمالیاتی غلطی، چمک، کتاب کائنات، متھرا، بہروپ، مٹی کا کپ، مٹی کی خوشبو، اسلام آباد کی شجر کاری، سفیدہ۔

۱۵۔ متھرا ۱۵۳

اوتار، کرشن چندر، بابری مسجد، زرعی تقابل، نامزدگی، ویزہ، مسٹر چن ویر، مہمان خصوصی، بجلی غائب، افتتاح، ہمسایہ، ینگ پاکستان، فاصلہ، ڈاکٹر پی کے اگروال۔

۱۶۔ متھرا سے آگرہ ۱۷۰

سارک کے شرکا، سکھوں کو مبارک باد، ہائبرڈ سیڈ، معصوم بیج، خودکش اور غدار بیج، جی ایم اوز، یاجوج ماجوج، حیوانی ارتقا، تصدیق شدہ بیج۔

۱۷۔ حقوق کی جنگ ۱۸۲

ٹرپس، جی ایم اوز، علمی ڈاکہ زنی، زمینداروں کے حقوق، سرکاری شعبہ کے ماہرین، بے زبان مخلوق، جرم ضعیفی، طبقاتی استحصال، دانشورانہ ڈاکہ زنی، حقوق اطفال، حقوق نسواں، کیا عورت انسان ہے۔

۱۸۔ آگرہ ۱۹۹

راوی، مظلوم، اقبال اور راوی، ٹرانسپورٹ سروس، وی آئی پی سیٹ،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میلہ، تاج محل کے مینار۔

۱۹۔ تاج محل ۲۱۱

جواب، حیا، گنبد، جمنا اور نالہ لئی، سیاح، پرورگار کی شان، دل کی بات، ناکامی۔

۲۰۔ قلعہ آگرہ ۲۲۵

شٹل سروس، اردو شاعری کا تاج محل، مغل اعظم، مجدد الف ثانی، ولی عہد، درباری مناظرے، اللہ اکبر، دین الٰہی، جہانگیری محل، موتی مسجد، انتقال اقتدار، مقبرۂ نور جہاں۔

۲۱۔ آگرہ ریلوے سٹیشن ۲۳۸

کیکر، مساوات، پلیٹ فارم، مداری اور بندر، بندروں کا جشن، گائے، بھینس، نسلی جرمپلازم، ہنومان اور کالی۔

۲۲۔ ہنومان ۲۵۳

سیتا دیوی اور سوئمبر، اغوا، کامیاب معرکہ، پاک دامنی، ہرمت والمیکی، چادر اور چاردیواری، سیتا کی واپسی، جنگی ہیرو اور دیوتا، رام راج، جس کی لاٹھی اس کی بھینس، تنبیہ، ارتقا، ڈھول۔

۲۳۔ پلیٹ فارم کا مندر ۲۶۶

برلا مندر، خدا کے موتی، گلوبل انسان، جمال، دیوتاؤں کی تعداد، ہندومت کے عقائد، تفرقہ بازی، عبادت، شریک، ایک سجدہ، ویدیں، بھگوت گیتا، بڑا خدا، ہندو تثلیث، خوف خدا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۴۔ مندر اور دیوتا ۲۸۲

براہما، شیوا، شیوا کی پوجا، کالی اور شیوا، کالے بکرے، مانجو کماری، وشنو، وشنو کے اوتار، مشہور دیوتا۔

۲۵۔ مہابھارت ۲۹۴

کورو اور پانڈو، کرشن چندر کی وفات، گیارھویں شریف، رادھا، دروپدی، شادی کی اقسام، عورت کا مقام، ستی، بیوہ، آواگون، ذات پات، ذات پات کی ابتدا، مشہور ذاتیں، منوشاستر، اعلٰی مخلوق، شودر۔

۲۶۔ مرکزی گوردوارہ ۳۰۹

گوردوارہ، ٹوپی، عشق کی شاہراہ، قلم اور کرپان، امن کی بھیک، سکھ، گرنتھ صاحب، مذہبی جبر، جین مت، جین مت کے اصول، دنیا دکھوں کا گھر، بدھ مت اور بابا فرید، متبرک راکھ، بدھ مت کے اصول، اشوک، نبیؐ رحمت۔

۲۷۔ گورونانک جی ۳۲۷

شیخ کبیر، مردانہ صاحب، پھول، گورو، گرنتھ صاحب، دوستی دشمنی، آپریشن بلیوسٹار، دوستی کا مظاہرہ، بدحواسی، بونے۔

۲۸۔ آگرہ سے متھرا ۳۴۲

قیاس، تعارف، فرق، سیاچین، ہوا کا رخ، خاردار کارنامہ، غلطی، زرعی پیداوار اور بھوک۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۹۔ متھرا سے دہلی ۳۵۶

کشمیر کے بدلے پورا پاکستان، سب سے بڑی جمہوریت، اگروادی، خوف، ہندوستانی فلمیں، گلیمر، مہنگائی۔

۳۰۔ ہوٹل سمراٹھ واپسی ۳۶۹

رینٹ اے رکشا، گدھے، کفایت شعاری، تحفہ، ہندوستان کی پہچان، ہندی غزل، ناک۔

۳۱۔ دہلی سے لاہور ۳۸۲

جنبش ڈانس، چیک آوٹ، تحقیقات کپاس، الوداع، ضمیر خان۔

۳۲۔ زیرو پوائنٹ اسلام آباد ۳۹۴

صفر مقام، فاختہ، کوے ہی کوے، کامیاب دورہ، کارنامہ، چیمپئن۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حرفِ اوّل

سفرانسانی زندگی کی بنیادی حقیقتوں اور ضرورتوں میں ہمیشہ سے بہت نمایاں رہا ہے۔ انسان اول حضرت آدم علیہ اسلام نے مسجود ملائک ہونے کے باوجود اوج ثریا سے تحت الثریٰ کی جانب سفر کیا۔ اس کائنات میں اگر ان کا پہلا قدم سری لنکا یا بحیرۂ ہند کے جزائر میں کسی جگہ پڑا تو پھر ان کی زندگی میں لامتناہی سفر شروع ہوا۔ آثار قدیمہ اور تاریخ کے اوراق میں ان کے قدم عربستان کے مختلف علاقوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ عرفات میں جبل رحمت کے دامن میں ان کے قیام اور دعاؤں کا مستند ذکر ملتا ہے۔ بس آدمؑ کا پہلا قدم زمین پر ٹکنے کی دیر تھی کہ ان کی ذریت اقصائے عالم کے ہفت خواں طے کرتی دکھائی دیتی ہے۔ آسمانی کتب اور صحائف کا مطالعہ کریں یا ارضی مذاہب کے نوشتوں پر نگاہ ڈالیں تو سفر انسان کی تقدیر کا ایک لازمی حصہ ہے جو اکثر اوقات وسیلہء ظفر بننے کے ساتھ ساتھ اس بوقلموں اور رنگارنگ کائنات کے بیشتر حقائق وانکشافات کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہ سب نوشتے اور تحریریں انبیاء علیھم السلام اور دیگر افراد نسل انسانی کے اسفار اور سیاحتوں کے ذکر سے بھرے دکھائی دیتے ہیں۔ ان سیاحتوں میں فرد کے علاوہ اقوام کی اجتماعی ہجرت کا رنگ بھی نظر آتا ہے۔ ان میں سے بعض اسفار مقدسہ کا ایمان افروز بیان دماغ کو منور کرتا ہے تو روح کو بھی تازگی بخشتا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ اسلام کے اسفار کو دیکھئے کہ کس طرح ایک بندۂ مومن بابل اور نینوا کی سرزمین سے نکل کر عراق وشام، مصر وفلسطین اور نجد وحجاز کی وادیوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور دشت وجبل میں نغمات توحید بلند کرتا دکھائی دیتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں بڑے عظیم المرتبت پیغمبر ہوئے ہیں جن کے اسفار اور ہجرت کے واقعات سے ہمارا دینی ادب معمور دکھائی دیتا ہے۔

خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں قبل نبوت تجارتی اسفار اور بعثت کے بعد تبلیغی، دعوتی اور عسکری اسفار سیرت کا محبوب موضوع ہیں۔ اسفار نبوی میں دو مواقع بالخصوص اہمیت کے حامل ہیں ایک تو معراج آسمانی کا سفر ہے جو اس بات کی خبر دیتا ہے کہ گردوں عالم بشریت کی زد میں ہے۔ حیات نبوی کا دوسرا اہم سفر ہجرت مدینہ ہے، جس نے اسلامی عقیدۂ دعوت وتوحید کو ایک سلطنت وشوکت میں تبدیل کر دیا۔ آپ کی مدنی زندگی کے دس سالوں میں غزوات یا حج وعمرہ کی غرض سے جو سفر کیے گئے ہیں ان کی تفصیلات سیکڑوں مغازی اور سیرت کی کتب میں ملتی ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث مقدسہ میں اسفار ورحلات کی دعوت وتلقین ملتی ہے۔ سیر انفسی اور سیر آفاقی دونوں معرفت کردگار اور خالق اکبر کی پہچان کا ذریعہ ہیں۔ فسیروا في الارض فانظروا كيف كان عاقبة المكذبين (3:137) زمین میں چلو پھرو اور دیکھو ہمیں جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔

سیر وسفر کے بارے میں کتاب وسنت کی اس تعلیم وفہمائش کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ مسلمانوں کی زندگی میں اسفار ایک خاص اہمیت اختیار کر گئے۔ مغازی کے عنوان سے جو کتابیں پہلی صدی ہجری کے نصف آخر سے لکھی جانا شروع ہوئیں تو پھر یہ سلسلہ صدیوں تک جاری رہا۔ خلافت راشدہ کے آخری ایام میں مسلمانوں کی جہادی سرگرمیاں بحری بیڑوں کے ذریعے بھی شروع ہو گئیں۔ بحروبر کے یہ اسفار اسلامی تہذیب اور اس کے شعائر پینسٹھ لاکھ مربع میل سرزمین اور تین براعظموں پر محیط دکھائی دیتے ہیں۔ تیئیس ہجری میں خلافت فاروقی میں مکران کے علاقے میں صحابہ مستقل طور پر مقیم دکھائی دیتے ہیں۔ 94ھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ہمیں سندھ سے ملتان تک پہلی اسلامی ریاست کے نقوش واضح دکھائی دیتے ہیں۔ ڈیڑھ لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے صرف دس ہزار کی تدفین مدینہ طیبہ کے بقیع الغرقد میں ہوئی، باقی ماندہ تین مختلف براعظموں کے متعدد ملکوں اور علاقوں میں مدفون ہوئے اور ان کی آخری آرام گاہیں اب بھی زائرین کی محبت وعقیدت کا مرجعِ خاص ہیں۔ عرب و ہند کے تعلقات پر آج مستقل کتابیں موجود ہیں۔ اسی طرح رحلات علمی اور تدوین حدیث کی غرض سے تابعین اور محدثین اور مابعد کے علما وفقہا نے جو سفر اختیار کیے ان کے تذکروں اور تفصیلات سے ہمارا لٹریچر معمور ہے۔ اس زمانے میں علمی سفر کے علاوہ تجارتی اور سفارتی اسفار بھی عام تھے۔ یوں بری اور بحری اسفار اسلامی زندگی اور دعوت وتبلیغ کی ایک روشن علامت بن گئے۔

سفر کو وسیلۂ ظفر بھی قرار دیا گیا ہے۔ اگر یہ سیاحت انسان کے مزاج اور دلچسپی کا حصہ نہ ہوتی تو ملک، شہر اور بستیاں کیسے وجود میں آتیں، اور اس کائنات کے تخلیقی اور جمالیاتی حسن میں جو تزئین وآرائش اور عبرت وموعظت کے پہلو ہیں، ان کے بارے میں ہمارے پاس وہ وسیع تر معلومات، کائناتی انکشافات اور ارضی مشاہدات کہاں سے فراہم ہوتے جو آج دنیا کی مختلف زبانوں کے ہزاروں سفرناموں کے ذریعے ہمارے علمی ذخائر کا معتبر حصہ ہیں۔ مسلمانوں کی زندگی میں سفر وسیاحت کا ایک اور زبردست قرینہ گزشتہ چودہ صدیوں سے موجود رہا ہے۔ حرمین شریفین کی حاضری اور حج وعمرہ کی سعادت کے حصول نے ہر مسلمان کے دل ودماغ میں ایک امنگ اور آرزو پیدا کر رکھی ہے۔ ان حجاج ومعتمرین میں بہت سے ایسے ہیں کہ جنہوں نے فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد اپنے تاثرات اور اس ارض مقدس کے مشاہدات کو قلم بند کیا ہے۔ نظم ونثر ہر دو پیرایوں میں ہزاروں سفرنامے دنیا کی مختلف زندہ زبانوں میں اس موضوع پر لکھے گئے اور لکھے جا رہے ہیں اور یہ سلسلہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سعادت تا قیامت جاری وساری رہے گا اور پھر عالم طبیعات سے مابعد الطبیعات کا سفر شروع ہو جائے گا۔

عالمی سطح پر سفرناموں کی روایت میں بہت سے نامور سیاحوں کے نام ملتے ہیں جن میں ہیروڈوٹس، مارکوپولو، ہیون سانگ، ہومر، فاہیان، واسکوڈے گاما، کولمبس، مینوچی، اور برنیر جیسے سیکڑوں غیر مسلم سیاحوں کے تذکرے مطبوعہ شکل میں ملتے ہیں۔ مگر علمی تحقیق یہ منکشف کرتی ہے کہ خالصتہً سیاحت کے میدان میں مسلمانوں کو باقی اقوام پر ایک سبقت حاصل رہی ہے۔ مسلمانوں کے ہاں سیر و سفر کی اہمیت کئی حوالوں سے مسلّم ہے۔ ان کے ہاں ایک سے زیادہ سیاحت کے محرکات اور ترغیبات موجود ہیں۔ سفارتی مقاصد ہوں یا تجارتی اغراض، حصول علم کی تگ و دو ہو یا پھر تبلیغی اور دعوتی سرگرمیاں، حج و عمرہ کی ادائیگی ہو یا مقامات مقدسہ کی زیارت کی آرزو، علمی اور تکنیکی سیمی نارز میں شرکت ہو یا سیاسی معاہدات میں شمولیت، آفات سماوی کا شکار انسانوں کی مدد کا جذبہ ہو یا پھر بیرون ملک ملازمت کے لیے جدوجہد، یہ سب سیاحت کے محرکات مسلمان اقوام میں دوسروں کی نسبت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں بس ایک قوم مستثنیٰ دکھائی دیتی ہے اور وہ برصغیر کی ہندو قوم ہے جس کے کلچر نے ان کے پاؤں میں ایک ایسی زنجیر ڈال رکھی ہے کہ وہ اپنے ہی علاقوں کے اسیر ہو کر رہ گئے ہیں۔ ان کی ویدوں میں سمندری سفر سے احتیاط کی تعلیم دی گئی ہے۔ اسی کے باعث زمانہ ماضی میں ہندو سیاحوں کا تذکرہ نمایاں طور پر نہیں ملتا۔ زمانہ حال میں اب یہ صورت تبدیل ہو چکی ہے اور مختلف اغراض کے تحت ہندو جاتی کے ہاں بھی سیر و سفر کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے گزشتہ چودہ صدیوں میں ان کے اسفار مختلف شکلوں اور صورتوں میں معرض تحریر میں آ رہے ہیں۔ مغازی نگاروں کے علاوہ امام شافعی کا علمی سفرنامہ ان کے شاگرد ربیع بن سلیمان نے لکھا ہے۔ بلاذری اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یاقوت حموی کی بلدان اور ادریسی کا نقشہ عالم بھی اسفار کے فنی موضوع سے تعلق رکھتا ہے۔ ماضی میں جن نامور مسلمان سیاحوں کے اسفار مطبوعہ شکل میں ملتے ہیں، ان میں مسعودی، سلیمان تاجر، البیرونی، ابن حوقل بغدادی، ابن جبیر اندلسی، اصطخری، علامہ مقدسی، حکیم ناصر خسرو، شیخ سعدی، امیر خسرو اور ابن بطوطہ وغیرہ کے نام بہت نمایاں ہیں۔ شیخ سعدی کی ”گلستان اور بوستان“، ہر چند پند و موعظت پر مشتمل اخلاقی اور حکیمانہ تعلیمات کا شگفتہ فارسی زبان میں ایک نادر گنجینہ ہیں مگر ان کے متن کی بیسیوں حکایات شیخ سعدی کے سیر و سفر کے تجربات و مشاہدات کا عمدہ نمونہ ہیں۔

برصغیر میں سفرناموں کی روایت ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد کے بعد شروع ہوتی ہے۔ مغل سلطنت میں چونکہ فارسی زبان کا چلن عام تھا، دفتری زبان کے تمام تقاضے بھی اسی سے پورے کیے جاتے تھے، اس لیے علمی سطح پر تمام اصناف نثر کا ابتدائی سرمایہ فارسی زبان میں دکھائی دیتا ہے۔ تحقیق سے دیکھا جائے تو اولیں سفرنامے بھی یہاں فارسی زبان میں تحریر ہوئے ہیں۔ اٹھارویں صدی عیسوی کے آخری ربع میں برصغیر کے بہت سے سیاح یورپ اور انگلستان کا سفر اختیار کرتے ہیں اور اپنے مشاہدات روزنامچوں، بیاضوں، سیاحت ناموں یا سفرناموں کی صورت میں قلم بند کرتے ہیں۔ انیسویں صدی کے وسط میں اردو زبان میں بھی سفرنامے لکھے جانا شروع ہوئے اور اس سلسلے میں یوسف خان کمبل پوش کا سفرنامہ ”عجائبات فرنگ“ پہلی مرتبہ 1847ء میں دہلی سے اور دوسری مرتبہ 1873ء میں نول کشور کے مطبع سے شائع ہوا۔ اردو ادب کے محققین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ اردو زبان میں لکھا جانے والا پہلا مطبوعہ سفرنامہ ہے۔ اس سفرنامے کو 1983ء میں اس کی اشاعت دوم کے ٹھیک ایک سو سال بعد ڈاکٹر تحسین فراقی نے ایک جامع اور مبسوط مقدمے کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اردو سفرنامے کے ارتقا پر نظر ڈالی جائے تو گزشتہ سولہ عشروں میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روزنامچوں، سیاحت ناموں، سفرناموں اور رپورتاژوں کی صورت میں دو ہزار سے زائد کاوشیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ نثر کے علاوہ ان میں کچھ سفرنامے منظوم بھی لکھے گئے ہیں، ایسی کاوشوں کی تعداد بھی ایک درجن سے کم نہیں ہے۔ ان سفرناموں کی ایک بہت بڑی تعداد حرمین شریفین کے سفرناموں پر مشتمل ہے۔

قدیم زمانے میں سفر کے وسائل بہت کم اور مسائل بہت زیادہ تھے۔ سیاحت کے لیے گھوڑے، اونٹ اور کشتیوں سے مدد لی جاتی تھی۔ دخانی کشتیوں اور بحری جہازوں نے اس سفر میں مزید سہولت پیدا کی مگر دور جدید میں ذرائع مواصلات کی ترقی نے سیر وسفر کو انتہائی آسان بنا دیا ہے۔ پختہ سڑکوں کے جال بن گئے، ریلوے کی پٹریاں بچھادی گئیں اور ہوائی سفر نے تو ایک تخت سلیمانی کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ اس تیز رفتار ذریعہ سفر کے باعث ایک مسافر اب چوبیس گھنٹوں میں اتنا فاصلہ طے کر سکتا ہے جو پہلے سالوں میں کہیں جا کر طے ہوتا تھا۔ سفری وسائل کی ان سہولتوں نے سفرناموں کی اشاعت کو بھی تیز تر کر دیا ہے۔ اصناف نثر میں سفرنامے اب مقبول ترین صنف کا درجہ اختیار کر چکے ہیں۔ ادبی مارکیٹ میں سفرناموں کی کثرت دکھائی دیتی ہے مگر فنی پختگی کے اعتبار سے اچھے سفرناموں کی تعداد اب بھی بہت کم دکھائی دیتی ہے۔

ایک اچھا سفرنامہ تحریر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سیاح کی قوت مشاہدہ تیز ہو، وہ تلاش وجستجو میں مستعد ہو، جس مقام، ملک اور شہر کا وہ سفر کر رہا ہو وہاں کی عمارات، اداروں، شخصیات اور صنعت کے علاوہ ان کی معاشرت، معیشت، سیاست، تعلیم، تہذیب، تمدن، ادب اور فنون پر بھی تجزیاتی نگاہ ڈالے۔ وہاں کے آثار قدیمہ اور عجائب ونوادر کو بالخصوص بیان کرے۔ اس علاقے کی اقدار وروایات اور وہاں کے تاریخی سرمائے پر توجہ کرے۔ پھر ان ساری معلومات کو ایک خاص ترتیب اور سلیقے کے ساتھ بڑی صاف گوئی اور صداقت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شعاری کے ساتھ پیش کرے۔ اسلوب تحریر ایسا اختیار کرے کہ تمام مناظر اور کیفیات کی جزئیات تک کو سمیٹ لے اور موزوں، دلچسپ، سلیس اور شگفتہ انداز سے قاری کو اپنے سفر میں شریک کرے۔ ان خصوصیات کے تناظر میں جائزہ لیا جائے تو اردو میں کامیاب سفرناموں کی تعداد پانچ فیصد سے زیادہ دکھائی نہیں دیتی۔

اردو ادب میں بعض حضرات نے سفرنامہ نگاری میں اختصاص حاصل کیا ہے۔ دورحاضر کے ایسے ابن بطوطہ کہلائے جانے کے حق داروں میں حکیم محمد سعید، علی سفیان آفاقی، مستنصر حسین تارڑ، قمر علی عباسی، ابوالحسن علی ندوی، عطاء الحق قاسمی، محمد تقی عثمانی، رفیق ڈوگر، ابن انشا، خواجہ حسن نظامی، ڈاکٹر عبادت بریلوی، بریگیڈیر گلزار احمد، وجاہت علی اور امیر حمزہ کے نام آتے ہیں جنہوں نے پانچ سے لے کر پچاس تک سفرنامے لکھے ہیں۔ اردو زبان میں سب سے زیادہ سفرنامے لکھنے کا ریکارڈ حکیم محمد سعید سے وابستہ ہے جن کے قلم سے باون کے قریب تحریریں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ پاکستان کے جن کتب خانوں میں سفرناموں کا لائق ذکر ذخیرہ موجود ہے، اتفاق سے وہ سب نجی کتب خانے ہیں۔ ان میں محبّ گرامی ضیاء اللہ کھوکھر کا (گوجرانوالہ میں) کتب خانہ سرفہرست ہے جس میں ایک ہزار کے قریب سفرنامے موجود ہیں۔ سردار پور جھنڈیر میلسی میں حبیب مکرم میاں مسعود احمد جھنڈیر کے کتب خانے میں بھی سیکڑوں کی تعداد میں سفرنامے ملتے ہیں۔ راقم الحروف کے ذاتی کتب خانے اور ریسرچ سنٹر بیت الحکمت میں اردو، فارسی، عربی، انگریزی اور پنجابی زبان میں سیکڑوں سفرنامے موجود ہیں۔ نیز سفرناموں کی تاریخ، فن، تنقید اور ارتقا کے موضوع پر بعض اہم کتب بھی ہیں جن میں ''اردو ادب میں سفرنامہ'' از ڈاکٹر انور سدید، ''سفرنامے کی مختصر تاریخ'' از ڈاکٹر مرزا حامد بیگ ''سفرناموں کا تنقیدی جائزہ'' از ڈاکٹر خالد محمود اور ''نوادرات'' فہرست سفرنامہ جات مرتبہ ضیاء اللہ کھوکھر بنیادی اہمیت کی کتابیں ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اردو سفرناموں میں ایک بہت بڑی تعداد حرمین شریفین کی زیارت سے متعلق ہے۔ مغربی ممالک کی سیاحت کے بارے میں سب سے زیادہ لکھا گیا ہے۔ بعض حضرات نے خود پاکستان کو متعارف کرانے کے سلسلے میں بہت دلچسپ سفرنامے لکھے ہیں، ان میں مستنصر حسین تارڑ سرفہرست ہیں۔

تقریباً چھ عشرے قبل برصغیر کی تقسیم عمل میں آئی تو مختلف مواقع پر سرکاری اور غیر سرکاری افراد نے ہندوستان کے دورے کیے اور ان میں سے بعض نے ڈائری، رپورتاژ یا سفرنامے کی صورت میں اپنی یادداشتیں قلم بند کیں۔ یہ سلسلہ برصغیر کے دونوں منقسم ہونے والے ممالک میں جاری رہا۔ ایک عجیب اتفاق ہے کہ ہندوستان سے پاکستان میں آنے والے حضرات نے بہت کم اپنی یادداشتوں کو لکھا ہے مگر پاکستانی اہل قلم اور سیاحوں نے ہندوستان یاترا کے مشاہدات کو کئی صورتوں میں لکھا ہے۔ بعض حضرات نے صحافی ہونے کے ناطے صرف کالم لکھے۔ بعض نے اپنی یادداشتوں کو ڈائری کی صورت دی۔ کچھ احباب نے کانفرنسوں یا کنونشنوں میں شرکت کے باعث روداد یا رپورتاژ کی شکل میں اپنے مسودے مکمل کیے۔ مگر ایک بڑی تعداد نے خالصتہً سفرنامے تحریر کیے ہیں۔

برصغیر دنیا کے نقشے پر قدیم ترین تہذیبوں میں سے ایک ہے۔ اس خطے میں جس قدر مذاہب پیدا ہوئے ان کی تفصیل بہت دلچسپ ہے۔ یہاں پر زبانوں اور بولیوں کا بھی جنگل دکھائی دیتا ہے۔ آج سے ایک ہزار سال پہلے ابوریحان البیرونی نے جب برصغیر کا سفر کیا اور وہ ایک مدت تک ملتان میں ٹھہرا تو اس نے اس خطے کی تہذیب اور کلچر کے مطالعہ کے لیے براہ راست سنسکرت زبان اور ویدک لٹریچر کا مطالعہ کیا۔ اس کی زبان پر دسترس اور ہندی مذاہب کی معلومات کے امتحان کے بعد پنڈتوں نے اسے ''ودیا ساگر'' یا قاموسی علم (Encyclopeadic knowledge) کی حامل شخصیت قرار دیا۔ اس سخت جانی کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرحلے سے گذرنے کے بعد اس نے اپنے مطالعات اور مشاہدات پر مبنی عربی زبان میں ایک کتاب ''ماللھند یا کتاب الھند'' لکھی جس کا ایک بہتر اردو ترجمہ سید اصغر علی نے کیا ہے۔ ہیون سانگ نے بھی برصغیر کی سیاحت پر لکھا اور اس کا اردو ترجمہ ''ہیون سانگ کا سفر ہندوستان'' کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ انگریزوں اور یورپی مصنفین نے بھی بہت سے سفرنامے اور یادداشتیں اس سرزمین کے حوالے سے لکھی ہیں مگر ان کے تذکار کے لیے ایک الگ دفتر درکار ہے۔

مغل شہنشاہ ظہیر الدین بابر کی ''تزک بابری'' اور نور الدین جہانگیر کی ''تزک جہانگیری'' بھی اپنے موضوع اور مضمون کے لحاظ سے سفرناموں کے قبیل کی چیزیں ہیں۔ نکولاو مانوچی نے جو سفرنامہ لکھا اسے پروفیسر سجاد باقر رضوی نے ''داستان مغلیہ'' کے نام سے اردو کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ ابن بطوطہ کا سفرنامہ ''عجائب الاسفار'' کے تو اردو زبان میں پانچ مختلف تراجم ہوئے۔ سرسید احمد خان کی ''آثار الصنادید'' بھی ایک نوعیت کی مطالعاتی اور مشاہداتی کتاب ہے۔ بسا اوقات تاریخ کا بیان سفرنامہ اور سفرنامہ تاریخ کے مزاج میں ڈھل جاتا ہے۔ یہ الگ مطالعہ و تحقیق کا باب ہے کہ معاصر تاریخوں میں سفری یادداشتوں کے حوالے کتنی بڑی تعداد اور کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ ماضی قریب میں خواجہ حسن نظامی نے ''سفرنامہ ہندوستان'' راشد الخیری نے ''سیاحت ہند'' محتشم الدولہ غوث محمد خان نے ''سیر محتشم'' حافظ عبدالرحمن نے ''سیاحت ہند'' اور ابھی حال میں ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے ''سفرناموں میں دہلی'' کے عنوان سے اپنے مطالعہ و تحقیق کو پیش کیا ہے۔ اگر برصغیر کے شہروں کے حوالے سے مطالعات و مشاہدات کی صورت میں لکھی گئی کتابوں کا ذکر کیا جائے تو صرف دہلی پر چھوٹی بڑی سیکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں۔

پیش نظر سفرنامے ''تاج محل سے زیرو پوائنٹ'' جسے فاضل مصنف چودھری محمد ابراہیم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صاحب رپورتاژ بھی سمجھتے ہیں اس پر تفصیلی اظہار خیال سے قبل ذرا ان سفرناموں کی فہرست پر نظر ڈال لیجئے جو اس سے قبل اس سرزمین کے تذکرہ و تعارف کے بارے میں لکھے گئے ہیں۔ ان سفرناموں، سیاحت ناموں، روزناچوں، ڈائریوں یا رپورتاژوں کے صرف مصنفین اور عنوانات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں خالدہ ادیب خانم نے ''اندرون ہند''، ثریا خورشید نے ''بانہال کے اس پار''، اعتبار ساجد نے ''بھارت میں چند روز''، حنیف چودھری نے ''بھارت یاترا''، رفیق ڈوگر نے ''اے آب رود گنگا''، پروین عاطف نے ''ٹپر واسنی''، رضا علی عابدی نے ''جرنیلی سڑک''، ثریا حفیظ الرحمٰن نے ''جس دیس میں گنگا بہتی ہے''، تابندہ بتول نے ''شالیمار سے تاج محل تک''، محمد تقی عثمانی نے ''جہان دیدہ'' (اس میں ہندوستان کے بارے میں ضمناً مشاہدات ہیں)، سید منظور الحسن برکاتی نے ''چند دن مظہر محمود خان شیرانی کے ساتھ''، منیر فاطمی نے ''دیواروں کے پار اور خواب سفر''، عطاء الحق قاسمی نے ''دلی دور است'' قمر علی عباسی نے ''دلی دور ہے''، نذر صدیقی نے ''دو سفرنامے''، حکیم محمد سعید نے ''دہلی میں تین روز''، ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے ''دید و باز دید''، حسن رضوی نے ''دیکھا ہندوستان''، محمد اجمل نیازی نے ''مندر میں محراب''، میجر طلا خان سدوزئی نے ''میرا سفرنامہ''، کوثر نیازی نے ''نقش رہگزر''، ممتاز مفتی نے ''ہند یاترا''، محمود شام نے ''کتنا قریب کتنا دور''، ڈاکٹر ظہور احمد اعوان نے ''گنگا جمنا کے دیس میں''، ریاض الرحمٰن ساغر نے ''لاہور تا بمبئی براستہ دہلی''، عرفان علی شاد نے ''قدم بہ قدم''، مجاہد الحسینی نے ''شاہ ولی اللہ کے دیس میں''، اے حمید نے ''رنگون سے فرار''، ش فرح نے ''زرخیز پتھر''، انتظار حسین نے ''زمین اور فلک اور''، سید انیس شاہ جیلانی نے ''سفرنامہ مقبوضہ ہندوستان''، محمد یوسف قریشی نے ''سفرنامہ ہند''، پروفیسر محمد اسلم نے ''سفرنامہ ہند''، اور بیسیوں دوسرے مصنفین نے اس سرزمین کے حوالے سے مختلف پیرایوں میں اپنے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

محسوسات، تاثرات اور مشاہدات کو قلم بند کیا ہے۔ اس تذکرے میں تقسیم ہند سے قبل ہمارے علما، ادیبوں اور مؤرخوں نے برصغیر کے حوالے سے جو سیر و سفر اور مشاہدات کو بیان کیا ہے اس کی تفصیل سے بوجوہ یہاں احتراز کیا گیا ہے۔

''تاج محل سے زیرو پوائنٹ'' بظاہر ایک ایسے شخص کے قلم کا شاہکار ہے جس کی علم وادب کی دنیا میں کوئی دھوم یا شہرت نہیں ہے۔ چودھری محمد ابراہیم صاحب جو جامعہ زرعیہ، فیصل آباد کے فارغ التحصیل زرعی سائنسدان ہیں، جنہیں میں زمانہ طالب علمی سے جانتا ہوں اور جن سے میری پہلی ملاقات چالیس سال قبل زرعی یونیورسٹی کے ایک کل پاکستان انٹر کالجیٹ مباحثے میں ہوئی، جس میں اسی سے زائد مقررین کی ٹیمیں شریک تھیں اور راقم کو اس میں انعام کا حق دار ٹھہرایا گیا۔ تعلیمی فراغت کے بعد وہ زیادہ تر اسلام آباد اور لاہور میں کارِ سرکار میں مصروف رہے۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در مدرسۂ عشق ‏ ‏ ‏ ‏ او بہ صحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

چودھری صاحب موصوف جو وفاقی دارالحکومت کے زرعی شعبہ میں زیادہ فصل اور بیجوں کی تصدیق و تحقیق میں مصروف عمل رہے۔ انہیں اپنے فرائض کی ادائیگی کے ضمن میں بعض اوقات دوسرے ممالک کے زرعی ماہرین کی کانفرنسوں اور سیمی نارز میں شرکت کے مواقع ملے۔ ایسا ہی ایک موقع انہیں 1998ء میں سارک ممالک کے ایک زرعی سیمی نار میں شرکت کا میسر آیا اور وہ اس سلسلے میں ایک ہفتے کی ہندیاترا کے لیے دہلی پہنچے۔ اس ایک ہفتے میں انہوں نے بھارت کی تاریخ و ثقافت، تہذیب و تمدن، مذاہب و ادیان، معاشرت و معیشت، زراعت و تجارت، سیاست و حکمت اور آثار و شواہد کے کتنے ہفت خوان طے کیے، اس کا اندازہ اس مقدمے کی فنی تحدید کی نسبت اس سفرنامے کے تفصیلی مطالعے سے ہی ممکن ہے۔ بظاہر مصنف نے دہلی اور آگرہ کے دو شہروں کے درمیان جمنا کنارے سیر کی ہے لیکن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس مختصر سیاحت کے دوران قدم قدم پر انہوں نے تاریخی جھروکوں سے ایسے مناظر اور مباحث کو پیش کیا ہے کہ کوئی شخص ہندوستان جائے بغیر محض اس سفرنامے کا مطالعہ کر لے تو اسے تمام ممکنہ موضوعات پر سیر حاصل معلومات میسر آئیں گی۔ بالخصوص ہندوستان کے مذاہب کے تعارف اور ہندو معاشرت اور ذہنیت کا جس مہارت اور چابکدستی سے انہوں نے تجزیہ کیا ہے، وہ نہ صرف لائق داد ہے بلکہ ہندوستان شناسی کے حوالے سے ایک مستند حوالے کا درجہ رکھتا ہے۔

اس سفرنامے کے متعدد ابواب میں انہوں نے اپنے گہرے مشاہدے کے باوصف ہندوپاک کے مختلف پہلوؤں پر تقابلی مطالعہ اور تجزیہ پیش کیا ہے اور ہمیں ان کے اس جائزے سے کامل اتفاق ہے کہ ہندوستان میں ابھی تک ہندوستان ہی آباد ہے جب کہ پاکستان میں چین، جاپان، یورپ اور امریکہ آباد دکھائی دیتے ہیں۔ اہل پاکستان کی جس ذہنی غلامی اور ثقافتی عوارض کا انہوں نے حوالہ دیا ہے، وہ گہرے غور و فکر اور سنجیدگی کا متقاضی ہے۔ انہوں نے کمال حکمت سے ہندوستان اور پاکستان کے ماضی و حال کے اختلافات کی تفصیل اور ان مسائل کی بھی نشاندہی کی ہے جو ہمیں مختلف سطوح پر درپیش ہیں۔ انہوں نے ہندوستان کی اس جاتی کے مسائل کا بھی ذکر کیا ہے جو غربت کی لکیر عبور نہیں کر سکے مگر ہندوستانی معاشرت میں سادگی کے کلچر نے ان کے بہت سے عیوب کو چھپا رکھا ہے۔ اہل پاکستان کی پرتکلف اور تصنع آمیز معاشرت و معیشت نے ہمارے لیے جو مسائل کے پہاڑ کھڑے کر دئیے ہیں، انہیں سر کرنے کے لیے اپنے سر کی جھوٹی نخوت اور باطل پندار کا خاتمہ کرنا ہوگا۔ ان دونوں ممالک کی قیادتوں کے طرز عمل میں جو فرق دکھائی دیتا ہے، وہ اہل بصیرت کی بصارت کو عجیب مناظر دکھا رہا ہے۔

فاضل مصنف نے بھارتی جمہوریت اور سیکولرزم کے لبادے کو اتار کر ان کی حقیقی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تصویر بھی ہمارے سامنے پیش کی ہے جس کے نقوش مقبوضہ کشمیر اور ہندو مسلم فسادات کے تناظر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ہندوستان گزشتہ ستاون برس سے ہر پہلو سے پاکستان پر حملہ آور ہے۔اس حملے کا ایک رخ عسکری ہے جس کا مظاہرہ ہم 1971ء کی جنگ میں دیکھ چکے ہیں۔دوسرا رخ معاشی حملے کی صورت میں ہے جو دریاؤں کے پانی کی تقسیم،ان پر مختلف مقامات پر ڈیموں کی تعمیر اور تجارتی پالیسی کے حوالے سے دیکھا جا سکتا ہے مگر اس حملے کا سب سے خوف ناک رخ ثقافتی ہے جو ہمارے نظریاتی تشخص کو مسلسل مجروح کر رہا ہے۔ ہندو مذہب میں بتوں کی عریانیت نے ان کے کلچر کو بھی ننگا اور بے حیا بنا رکھا ہے۔رقص و سرود کی عریانیت سے تنگ آ کر بعض ہندو اداکارائیں تو اس میدان سے بھاگ نکلی ہیں مگر فرزندان توحید ہنوز اس حملے کی زد میں ہیں۔

اس سفرنامے کا سب سے دلچسپ باب مرزا اسداللہ خان غالب کی جنم بھومی آگرہ کی وہ تاریخی عمارات ہیں،جنہیں مغل شہنشاہوں نے جمال وجلال کا ایسا آہنگ عطا کیا ہے کہ وہ خود تو پیوندز میں ہو گئے مگر ان کے نام اور کام امر ہو گئے۔ان تاریخی عمارات کا گل سرسبد تاج محل ہے جو بیان کرنے کی نسبت دیکھنے کی چیز ہے۔راقم کو اگست 2004ء کے اواخر میں ایک کتاب میلے میں شرکت کی غرض سے دہلی،آگرہ اور علی گڑھ جانے کا موقع ملا۔ من جملہ اور مشاہدات کے مجھے تاج محل کے طلسماتی حسن نے ابھی تک مسحور کر رکھا ہے۔ فاضل مصنف نے تاج محل کے مشاہدے کو جس عمدگی اور وضاحت سے بیان کیا ہے،وہ بذات خود ایک ادبی شہ پارہ ہے۔ان عمارات کو دیکھتے ہوئے مصنف نے مختلف مغل بادشاہوں سے جو مکالمہ اختیار کیا ہے اور اس حوالے سے جن نازک مباحث پر گفتگو کی ہے وہ ہمارے سفرناموں کی علمی،ادبی اور فنی روایات میں ایک نیا اور تازہ تجربہ ہے۔اس سفرنامہ میں سیکڑوں ایسی معلومات ہیں جن کا احاطہ مقدمہ نگاری کا تقاضہ نہیں،قارئین باب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

در باب، صفحہ در صفحہ اور سطر در سطر خود اس کا مطالعہ کر کے مصنف کو داد دے سکیں گے۔

اس سفرنامے میں زبان و بیان کے لحاظ سے ایک خاص دلکشی محسوس ہوتی ہے۔ مصنف نے اپنے مشاہدات کو جس صداقت، صاف گوئی اور بے باکی سے پیش کیا ہے، اس کے باعث یہ تحریر ایک آئینہ حقیقت بن کر سامنے آتی ہے۔ عبارت میں کسی لغوی اور لسانی تجربے کی بجائے سادگی اور سلاست کے ساتھ روانی اور شگفتگی دکھائی دیتی ہے۔ خالص علمی اور ادبی سطح پر بھی یہ سفرنامہ اردو ادب اور سفرناموں کی تاریخ میں ایک حوالے کا درجہ رکھتا ہے۔ ایک کامیاب سفرنامہ کے لوازم اور تقاضے کیا ہو سکتے ہیں، ''تاج محل سے زیرو پوائنٹ تک'' کا مطالعہ کرتے ہوئے، وہ قاری پر الم نشرح ہو جاتے ہیں۔ اس سفرنامہ کے اختتام پر زیرو پوائنٹ کے حوالے سے مصنف نے جو فکر انگیز اور بصیرت افروز تجزیہ پیش کیا ہے، وہ ایک لائق مطالعہ باب ہے۔

آغشتہ ایم ہر سرِ خار بخون دل   قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

''تاج محل سے زیرو پوائنٹ'' اپنے موضوع، تکنیک اور اسلوب کے لحاظ سے ایک کامیاب سفرنامہ ہے۔ اور ہندوستان کے حوالے سے لکھے گئے سفرناموں میں کئی اعتبار سے منفرد اور ممتاز ہے۔

تا از رہ دریا سفری شد یارم   چوں ابر ز دیدہ اشک غم می بارم

۱۶، جولائی 2005ء

پروفیسر عبدالجبار شاکر
بیت الحکمت، لاہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیش لفظ

اس سفرنامے یا سفری رپورتاژ کے لکھے جانے کا سہرا پاکستان سائنٹسٹس فورم (پاس فورم) کے اسلام آباد راولپنڈی چیپٹر کے سر بندھتا ہے۔ پاکستان کے زرعی سائنسدانوں کا یہ فورم ملکی سطح پر سائنسی اور علمی سمپوزیم اور سیمی نارز کے ساتھ ساتھ ماہانہ نشستوں کا انعقاد بھی بڑی باقاعدگی سے کرتا ہے۔ ان نشستوں میں عام فصلات، پھلوں، سبزیوں، مال مویشی اور کسانوں کے دوسرے زرعی مسائل زیر بحث آتے رہتے ہیں۔ ان سے متعلق مقامی اور بین الاقوامی تحقیقاتی اداروں میں ہونے والی تحقیقات، نئی نئی زرعی دریافتوں اور ان کے استعمال سے ممکنہ فوائد ونقصانات پر اظہار خیال ہوتا رہتا ہے۔ خاص خاص موضوعات پر کبھی کبھی بھرپور تحقیقاتی مقالے بھی پیش ہو جاتے ہیں۔ فورم زرعی پالیسی پر گفتگو کے لیے بھی ایک بہت اچھا پلیٹ فارم مہیا کرتا ہے۔

ممبران میں سے کسی نہ کسی کو بین الاقوامی سطح پر ہونے والے سیمی نارز اور میٹنگز میں بھی شرکت کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔ ایک عرصہ سے پاس فورم کی یہ روایت بھی چلی آرہی ہے کہ جو ساتھی کسی ایسے سیمی نار وغیرہ میں پاکستان کی نمائندگی کے بعد واپس آتا ہے وہ اپنے موضوع سے متعلق اس ملک کے حالات فورم کی کسی ایک ماہانہ نشست میں بیان کرتا ہے۔ جس میں عام طور پر زرعی حالات کے ساتھ ساتھ اس ملک کی معیشت، معاشی اور معاشرتی حالت، عام لوگوں کا طرز زندگی اور تہذیبی ٹکراؤ جیسے مسائل بھی زیر تذکرہ آ جاتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ایسی نشستوں میں کافی دلچسپی سے شمولیت کی جاتی ہے اوراس طرح حاضرین کی عالمی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

ایسی ہی ایک نشست میں خاکسار کو بھی حکم ملا کہ اپنے ہندوستان کے دورے کے حالات دوستوں کے ساتھ share کرو۔عرض کیا کہ یہ سارک ممالک کا ایک عام سا سیمی نار تھا اور یہ تمام ممالک ترقی یافتہ ملکوں کی صف سے باہر ہیں اس لیے ان کی تحقیق کا معیار بھی اسی سطح کا ہے جس میں کوئی خاص قابل ذکر شے محسوس نہیں ہو پا رہی سوائے معمولی سے زرعی تقابل کے۔جہاں تک ہندو کلچر کا تعلق ہے وہ ہندوستان کی نسبت ہمارے ہاں زیادہ خوبصورت صحت منداور ترقی یافتہ ہے۔ہمارے ہاں بسنت،مہندی اور مایوں وغیرہ کی رسموں میں جتنی انقلابی جدت ہم لے کر آئے ہیں اوران کو جس قدر شاندار ترقی ہم نے دی ہے اس کی وجہ سے اب ہندوستان والے بھی ہماری تقلید پر مجبور ہیں۔مگر احباب کے ذہنوں میں شاید زی ٹی وی اور دوسری چینلز کی ''جھلکیاں'' تھیں نہ مانے اور حالات سنانے پر اصرار کیا۔ٹالنے کی غرض سے یہ بھی عرض کیا کہ اگر یہ بیان شروع کر دیا گیا تو ایک نشست ناکافی ہوگی اوراس کے لیے کم از کم تین چار نشستیں درکار ہوں گی۔خلاف توقع جواب ملا کہ منظور ہے۔قہر درویش برجان درویش یہ سلسلہ شروع کرنا پڑا۔

احباب نے خاصی دلچسپی کا اظہار کیا، خاص طور پر ڈاکٹر مسعود امجد رانا اور ڈاکٹر عبدالغفار کی مسلسل حوصلہ افزائی اور مثبت تجاویز سے ہمت بندھی، ہندوستان کے ہندو کلچر، تاریخی پس منظر اور قریبی ہمسائیگی کے تناظر میں بات بڑھنا شروع ہوئی تو موضوع پھیلتا چلا گیا اور پھر دو سال تک کسی اور ساتھی کی باری آنے کی نوبت نہ آسکی۔اس سلسلے میں ''پاس'' فورم کے احباب زبردست داد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اتنے لمبے عرصے تک خاکسار کو سنا۔یہ ان کی تحمل مزاجی، بردباری اور قوت سماعت کا زبردست امتحان تھا جس میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے پورے پورے نمبر حاصل کیے۔

سید عرفان احمد سابق ڈائرکٹر جنرل فیڈرل سیڈ سرٹیفیکیشن ورجسٹریشن ڈیپارٹمنٹ کا میں تہ دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے یہ مسودہ پڑھا، میٹھے میٹھے لہجے میں تنقید بھی کی، بہت فراخ دلی سے داد بھی دی اور حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ بہت سی مفید تجاویز اور نہایت قیمتی مشوروں سے بھی نوازا جن کی روشنی میں اس سفر نامے یا رپورتاژ کو بہتر بنانے کا کام بہت آسان محسوس ہوا۔ میڈم صالحہ صدیقہ خصوصی شکریے کی مستحق ہیں کہ انہوں نے ہر باب کو بہت غور سے پڑھا، قیمتی مشورے دیئے اور عبارت کی ترتیب و تصحیح میں بہت مدد کی۔ مفید مشورے، تجاویز اور مسودے کی تصحیح کے سلسلے میں عزیز دوست رفیق احمد کھوکھر، جناب نسیم احمد، چوہدری انور طارق، محترم سید اقتدار زیدی اور دیگر دوست احباب کی کوششوں کا بھی مجھے بہت احساس ہے اور میں تہ دل سے ان کا ممنون ہوں۔ کمپیوٹر ٹائپنگ اور کمپوزنگ کے لیے سید شفاعت حسین گردیزی کا انتہائی مشکور وممنون ہوں کہ انہوں نے میرے ہاتھ کی لکھی تحریر جس میں بدخطی کا ہر مقابلہ جیتنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے کو پڑھا اور خوب پڑھا اور اسے آسانی سے پڑھے جانے کی شکل عطا کی۔

یہ مسودہ ایک مدت ہوئی کمپوزنگ کے مراحل سے گزر کر طاق نسیاں پر دھرا تھا کہ مجھے جنوری 2005ء میں فریضہ حج کے سلسلے میں حرمین شریفین جانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حسن اتفاق سے وہاں اپنے ایک دیرینہ کرم فرما محترم پروفیسر عبدالجبار شاکر کے ساتھ چند روزہ رفاقت بھی نصیب ہوئی۔ شاکر صاحب یہاں مختلف مقامات پر خطابات کے علاوہ مختلف کتب خانوں سے عربی کتب کے انتخاب اور خریداری میں مصروف رہے۔ ان کا یہ ذوق اور جنوں پاکستان کی سرحدوں سے پار عرب ممالک میں بھی رشک کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کے یہ خطابات مناسک حج کی سنت کے مطابق صحیح ادائیگی کے سلسلے میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہائیت جامع، پر اثر اور مفید ثابت ہوئے۔ ایک ملاقات کے دوران اس رپورتاژ کا ذکر ہوا تو انہوں نے کمال محبت سے اس تحریر کو پڑھنے اور اپنے ادارے بیت الحکمت سے اسے شائع کرنے میں دلچسپی ظاہر کی۔ وطن واپسی پر میں نے مسودہ ان کی خدمت میں بھجوا دیا۔ انہوں نے اس مسودے کے ساتھ علم دوستی کا یہ ثبوت دیا کہ نہ صرف املا اور ٹیکنیکل ریڈنگ کا مشکل ترین ہفت خوان طے کیا بلکہ کمال مہربانی سے ایک مبسوط مقدمہ و تعارف بھی تحریر فرمایا۔ اس محبت اور شفقت کے میرے دل پر نہایت گہرے نقوش ثبت ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں اس کی جزائے خیر دے۔ ان تمام تر مراحل سے گزرنے کے بعد یہ تحریر اب قارئین کرام کے پیش خدمت ہے اور وہی اس کی داد یا بیداد کا صحیح استحقاق رکھتے ہیں۔

25 مئی 2005ء

محمد ابراہیم

ڈائریکٹر (ریٹائرڈ)

فیڈرل سیڈ سرٹیفیکیشن اینڈ رجسٹریشن ڈپارٹمنٹ

وزارت خوراک، زراعت و لائیو سٹاک اسلام آباد

mibrahimch@gmail.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تقریظ

چوھدری محمد ابراہیم صاحب سے میری واقفیت پچھلے پچیس سالوں پر محیط ہے۔ ان میں ایک درویشانہ حجاب ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ ان کو ظاہری نمود و نمائش کا عارضہ لاحق نہیں ہے۔ وہ ایک اچھے انسان، محنتی کارکن اور مخلص دوست ہیں۔ ان کے لکھاری ہونے کا علم مجھے اس وقت سے تھا جب 1977ء میں انہوں نے ہمارا محکمہ جائن کیا تھا، مگر ان کا سفرنامہ ''تاج محل سے زیرو پوائنٹ'' ان کے اس جوہر کو ظاہر کرتا ہے جو آج تک ہم سے چھپا ہوا تھا۔ ان کے اس سفرنامے میں سادگی، دلپذیری اور بے ساختہ پن ہے۔ دہلی اور آگرہ کے اپنے چند دن کے سفرنامے کو انہوں نے اس خوبصورتی اور نفاست سے سپرد قلم کیا ہے کہ پڑھنے والا اپنے آپ کو ان کے ساتھ ساتھ ہم سفر پاتا ہے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے مختلف مذاہب مثلاً بدھ مت، جین مت، ہندو ازم اور سکھ مت کا تفصیلی جائزہ بھی انہوں نے خوب پیش کیا ہے۔

جناب ابراہیم صاحب چونکہ ایک سائنسدان بھی ہیں، اسی لیے انہوں نے سفرنامہ کے شروع میں عالمی سطح پر تبدیلیوں کے پس منظر میں WTO وغیرہ کا بھی تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے اور اپنے اندیشے عمدہ پیرائے میں بیان کیے ہیں۔ مگر مجھے ان چیزوں کا سفرنامہ میں شامل کرنا کچھ بے محل سا نظر آتا ہے۔ بہرحال ان کی عام فہم تحریر نے اس سفرنامہ کو حد درجہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دلچسپ اور معلومات افزا بنا دیا ہے جو پڑھنے والا خود بھی محسوس کرتا ہے۔

میں مصنف کی اس کوشش پر ان کو مبارک باد پیش کرتا ہوں، اور دعا گو ہوں اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

سید عرفان احمد
ڈائریکٹر جنرل (ریٹائرڈ)
فیڈرل سیڈ سرٹیفیکیشن و رجسٹریشن ڈیپارٹمنٹ
وزارتِ خوراک، زراعت و لائیوسٹاک، اسلام آباد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سارک

جنوبی ایشیا کے سات ممالک پر مشتمل ایک علاقائی تنظیم سارک (South Asian Association for Regional Cooperation-SAARC) کے نام سے 1995ء میں وجود میں آئی۔ یہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مختلف سیمی نارز اور ورکشاپس وغیرہ کا اہتمام کرتی رہتی ہے۔ خاکسار کو بھی 1998ء میں دہلی میں منعقدہ ایسے ہی ایک سیمی نار میں شرکت کا موقع ملا جس کا حال احوال آئندہ کے صفحات میں پیش خدمت ہے۔ سارک کے معرض وجود میں آنے کا پس منظر، اس کے محرکات اور دائرہ کار کا ایک ہلکا سا خاکہ کچھ یوں ہے:

عالمی معاہدۂ تجارت

آج تک شاید ہی کوئی ایسا عالمی معاہدہ طے پایا ہو جس کے اثرات پوری دنیا کے تمام ممالک پر اتنے دور رس، ہمہ گیر، دھماکہ خیز اور غریب ممالک کے لیے تباہ کن اور دہشت ناک ثابت ہوئے ہوں جتنے کہ پہلی جنوری 1995ء کو معرض وجود میں آنے والے عالمی معاہدۂ تجارت کے ظاہر ہو رہے ہیں۔ یہ معاہدہ عالمی تنظیم برائے تجارت (World Trade Organization-WTO) کے نام سے منظور ہوا۔ اس کا ہیڈ کوارٹر جینوا، سوئٹزرلینڈ میں ہے۔ اس معاہدے کی تشکیل اور منظوری کا پس منظر کچھ یوں نظر آتا ہے کہ بیسویں صدی کے وسط میں جنگ عظیم دوم کے بعد جب محکوم قومیں یکے بعد دیگرے تھوک کے حساب سے غیر ملکی آقاؤں کی غلامی کی زنجیریں توڑ کر آزاد ہونا شروع ہوئیں تو پرانے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیاسی آقا اسی وقت گیٹ (GATT) کے واسطے سے اس گھات میں لگ گئے کہ ان نو آزاد اقوام سے ان کی سیاسی آزادی کا بدلہ اب کیسے چکایا جائے؟ غلامی کی یہ شکل اگر انہیں ناپسند ہے تو اس کا نیا ماڈل ایسا بنایا جائے جو انہیں پسند ہو اور لوگ امپیریلزم کی شکایت نہ کریں۔ آہستہ آہستہ ایسے حالات پیدا کیے جائیں کہ یہ اقوام اپنی سیاسی آزادی سے نہ صرف یہ کہ کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں بلکہ جمہوریت کو اپنے لیے ہر خرابی کی جڑ سمجھیں۔ مزید یہ کہ یورپی ممالک کی معاشیات دوبارہ جنگ عظیم دوم جیسے حالات سے دوچار نہ ہوں۔ ایسے ہی ''بے لوث اور منصفانہ'' قسم کے مقاصد کی تکمیل کے لیے ایک عالمی تنظیم وجود میں لائی گئی جس نے فوراً ہی (1947ء) ایک عالمی تجارتی معاہدہ کرنے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ اس تنظیم کو شروع میں گیٹ (General Agreement on Tarrifs and Trade - GATT) کا نام دیا گیا۔

عالمگیریت

چنانچہ 50 سال کی نہایت عیارانہ منصوبہ بندی، چالاکی اور مسلسل جوڑ توڑ کے بعد یہ استعماری آقا گیٹ (GATT) کو عالمی ادارہ تجارت (World Trade Organization-WTO) کی شکل میں دنیا پر مسلط کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ گویا جغرافیائی اور سیاسی غلامی کی بجائے معاشی، معاشرتی، ٹکنالوجی اور علمی سامراجیت کا دور شروع ہو گیا۔ عالمگیریت (Globalization) کے خوش نما نام پر ایسے سبز باغ دکھائے گئے کہ تقریباً 4000 صفحات پر مشتمل دستاویزات پر دنیا کے بیشتر ممالک کے نمائندوں نے بے چون وچرا دستخط کر دیے۔ اغلب خیال یہ ہے کہ ترقی پذیر اور غریب ممالک کے زیادہ تر نمائندوں کو اس بات کا ابھی تک کوئی علم نہیں کہ وہ کس چیز پر دستخط کر آئے ہیں۔ بلکہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اب تک ان ممالک کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ وہ کیا کریں اور آئندہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے۔ نیز وہ یہ ادراک کرنے سے بھی معذور ہیں کہ اس ہمہ جہت اور ہمہ گیر معاہدے کے نقصان دہ اثرات کا اندازہ کر سکیں اور اپنے آپ کو بچانے کی تدابیر کر سکیں۔

منظور نظر قوم

ڈبلیو ٹی او کے دو بنیادی اصول ہیں اور الفاظ ایسے استعمال کیے گئے ہیں جو بظاہر کچھ معنی دیتے ہیں اور درون خانہ کچھ مثلاً قومی سلوک (National Treatmrnt) اور منظور نظر ملک یا قوم (Most Favoured Nation-MFN)۔ ان دونوں اصطلاحوں کا مطلب ہے کہ جو مراعات اور حقوق کسی ملکی یا اپنی قومی صنعت یا ادارے کو حاصل ہوں گے وہی حقوق اور مراعات غیر ملکی کمپنیوں کو دینا ہوں گے۔ ہر قسم کے درآمدی ٹیکس بہت کم یا ختم کرنا ہوں گے اور کسی صنعت یا ادارے کو کسی قسم کا تحفظ نہ دیا جا سکے گا۔ جس کے نتائج اس طرح ظاہر ہو رہے ہیں کہ صنعتی ممالک کی اشیاء دھڑا دھڑ پسماندہ ممالک میں پہنچ رہی ہیں اور مقامی صنعتیں کمزور ٹیکنالوجی کی وجہ سے مقابلے کی سکت نہ پا کر بند ہو رہی ہیں جس سے بے روزگاری، معاشی پسماندگی اور جرائم میں اضافے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔

www.kitabosunnat.com

تھانیدار

ڈبلیو ٹی او WTO کوئی سادہ سا معاہدہ نہیں ہے بلکہ اس کی شاخیں تیندوے کی طرح ہر سو اتنی دور تک پھیلی ہوئی ہیں کہ کوئی ملک ان کی دسترس سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ اتنی گنجلک ہیں کہ جو ایک مرتبہ ان میں پھنس جائے وہ لاکھ ہاتھ پاؤں مارے جان نہیں چھڑا سکتا بلکہ ان کا شکنجہ اس کے گرد مزید تنگ ہوتا چلا جائے گا۔ ترقی یافتہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور صنعتی ممالک کے لیے تو یہ معاہدہ نعمت غیر مترقبہ ہے۔ یہ ان کی نت نئی مصنوعات کی کھپت اور اکانومی کی بڑھوتری کے لیے کھاد اور پانی کا کام دے گا مگر غریب اور ترقی پذیر ممالک کی اکانومی پر یہ آ کاس بیل بن کر چھا جائے گا اور پھر جو حالت ان کی ہوگی اس کا اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں۔ ہم سے ایک صاحب نے پوچھا کہ ڈبلیوٹی او کیا ہے؟ جواب دیا گیا کہ یہ کوئی جن نہیں ہے۔ کچھ اطمینان سے بولے کہ تو پھر کیا ہے؟ ہم نے آہستہ سے جواب دیا کہ اگر ہم نے کوئی تیاری نہ کی تو ڈبلیوٹی او جن سے بھی بڑا ہے بلکہ دیو ہے بالخصوص پسماندہ ممالک کے لیے یہ "وڈھ ٹک" ادارہ ہے۔

ڈبلیوٹی او دوسری عالمی تنظیموں یواین او (UNO) یا عالمی ادارہ محنت (International Labour Organization - ILO) کی طرح کا صرف تلقین شاہی معاہدہ نہیں ہے بلکہ اس کے دانت بھی ہیں جو نہایت لمبے، تیز اور زہریلے ہیں۔ یواین او صرف وعظ و نصیحت کر سکتی ہے، اپنے کیے ہوئے فیصلوں پر عمل درآمد نہیں کروا سکتی جبکہ ڈبلیوٹی او کے پاس تھانیداری کے مکمل اختیارات ہیں۔ جس کسی نے اس کے کسی بھی معاہدے کی ذرا بھی خلاف ورزی کی اور اس کے جاسوسوں کو اس کی سن گن مل گئی تو بس وہ غریب مارا گیا۔ اس پر مالی اور تجارتی پابندیاں (Sanctions) لگا دی جائیں گی اور اس کا معاشی بائیکاٹ کر دیا جائے گا۔ چونکہ عالمی تجارت اب ڈبلیوٹی او کے رحم و کرم پر منحصر ہوگی اس لیے ہر ملک کے لیے اس کا ممبر بننا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ اس کی ممبر شپ بظاہر تو سب کے لیے کھلی ہے مگر اتنی کھلی بھی نہیں کہ ہر کہ دمہ اس کا ممبر بن بیٹھے۔ جو ممالک نیو ورلڈ آرڈر کے آگے سر نہ جھکائیں گے انہیں شاید شدید بلیک میلنگ کا سامنا کرنا پڑے۔ ویسے دنیا کے زیادہ تر ممالک اس کے ممبر بن چکے ہیں صرف چند ایک باقی ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھری سسٹرز

پسماندہ ممالک کی سیاسی اور معاشی باگوں کو اپنے قابو میں رکھنے کے کارِ خیر میں ڈبلیو ٹی او اکیلا نہیں ہے بلکہ اس کی پیٹھ ٹھونکنے اور بھرپور ساتھ دینے کے لیے دو عالمی ادارے اور بھی ہیں یعنی (International Monetary Fund - IMF) اور ورلڈ بینک۔ یہ تینوں تنظیمیں مل کر تھری سسٹرز کہلاتی ہیں جو ایک دوسرے سے بڑھ کر خود غرض، عیار اور پھپھا کٹنی ہیں۔ ان کا آپس میں زبردست اتحاد اور یک جہتی ہے۔ پسماندہ ممالک کے لیے جہاں کہیں کسی ایک کے قوانین میں کوئی نرمی کی گنجائش نکلے دوسری اس کی جگہ اتنی ہی سخت دفعات لے آئے گی اور کسر پوری کر دے گی جیسا کہ زرعی سبسیڈی کے شعبہ میں ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔

زرعی سبسیڈی

زراعت کا شعبہ پہلے پہل گیٹ (GATT) کے گھاٹ اترنے سے بچ گیا تھا مگر یوراگائے راؤنڈ میں یہ بھی اس کی زد میں آ گیا۔ پسماندہ اور جنوبی ممالک کی 50 سے 80 فیصد آبادی کا انحصار زراعت پر ہے اس وجہ سے یہ ممالک سخت پریشان ہیں کیونکہ ڈبلیو ٹی او کے کرتا دھرتا شمالی گروپ کے ترقی یافتہ صنعتی ممالک، جنوبی پسماندہ ممالک والوں سے کہہ رہے ہیں کہ اپنے زمینداروں کی مدد کے لیے زرتلافی (Subsidies) آہستہ آہستہ ختم کر دو۔ اس معاملے میں ڈبلیو ٹی او کے قوانین اتنے شدید نہیں مگر جب قرضہ لینے IMF یا ورلڈ بینک کے پاس جانا پڑے تو جواب ملتا ہے کہ پہلے زمینداروں کو دی جانے والی سبسیڈی ختم کرو، ٹیوب ویلوں کو ملنے والا ڈیزل اور بجلی مہنگی کرو وغیرہ وغیرہ جیسا کہ پاکستان کے ساتھ ہو رہا ہے۔ زمینداروں کی مدد کی اجازت نہیں خواہ ان کی فصلات خشک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سالی کا شکار ہوں یا سیلابوں کی نذر ہو جائیں یا قدرتی آفات سے تباہ ہو جائیں کیونکہ ان لالچی اور ظالم بہنوں کے معاشی مفادات اس کی اجازت نہیں دیتے۔ مگر اپنے لیے ان کا معیار بالکل اس کے الٹ ہے۔ وہ کسی نہ کسی بہانے کم و بیش ایک بلین ڈالر (ساٹھ ارب روپے تقریباً) روزانہ کے حساب سے سبسیڈی اپنے زمینداروں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہاں کے زمینداروں کو برآمدی سہولتوں کے نام پر بھی بہت سی رعائتیں اور رقومات عنایت کی جاتی ہیں۔ فرق صرف نام میں ہے پسماندہ ممالک زمینداروں کو ٹیکس میں چھوٹ یا کوئی مالی امداد دیں تو وہ سبسیڈی کہلاتی ہے مگر جب مغربی ممالک کی حکومتیں بڑی بڑی رقوم اپنے زمینداروں میں بانٹیں تو اسے سپورٹ کہا جاتا ہے: ؎

تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی ۔۔۔ وہ تیرگی جو میرے نامہ سیاہ میں تھی

حقوق ملکیت دانشوری

ڈبلیو ٹی او بذات خود بھی کچھ کم ضرر رساں اور مکروہ نہ تھا مگر اس کے ذیلی معاہدوں خاص کر تجارت سے متعلق حقوق ملکیت دانشوری (Trade Related Aspects of Intellectual Property Rights-TRIPS) اور ماہرین کے حقوق ملکیت دانشوری (Plant Breeder's Rights-PBRs) نے تو کمال ہی کر دکھایا۔ یہ ایسے پرخاش، عناد پرور اور چیرہ دست معاہدے ہیں کہ ان کے پورے طور پر روبہ عمل آنے کے بعد کم ترقی یافتہ اور پسماندہ ممالک اپنے روزمرہ کے استعمال کی اشیاء، تعلیمی اداروں میں پڑھائی جانے والی کتب، کارخانوں اور فیکٹریوں میں کام آنے والی ٹیکنالوجی حتیٰ کہ زمینداروں کے کھیتوں میں بوئی جانے والی فصلات کے بیجوں تک کے لیے ترقی یافتہ صنعتی ممالک کے محتاج ہو کر رہ جائیں گے اور انہیں ہر چیز کے استعمال کے لیے رائلٹی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دینا ہوگی۔ اس طرح یہ پسماندہ ممالک اپنی مجبوری اور محتاجی کی قیمت ادا کرنے کے لیے اپنے عوام کا خون بھاری ٹیکسوں کی شکل میں نچوڑیں گے اور ان ترقی یافتہ ممالک اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کی تجوریاں بھریں گے جن کی ہر قسم کی ٹیکنالوجی پر اجارہ داری ہے۔ اس کے نتیجہ میں غریب کی غربت میں اضافہ ہوگا اور امیر کی امارت میں۔

علم اور ٹکنالوجی

اب تک عام خیال یہ تھا کہ علم تمام انسانیت کی مشترکہ میراث ہے اور اسے سب میں باٹا جانا چاہیے تاکہ پوری انسانیت ترقی کرے۔ مگر ان معاہدوں کے پورے طور پر نفاذ کے بعد تعلیم و تحقیق اور ٹکنالوجی کی یہ انسان نواز پالیسی ختم ہو جائے گی۔ علم بٹنے کی بجائے بکے گا اور بہت مہنگا بکے گا اور یوں علم کی یہ دولت انسانیت کی خدمت کی بجائے اس کی ضرورتوں اور مجبوریوں سے فائدہ اٹھا کر اس کا استحصال کرنے اور خوب منافع کمانے کا ہتھیار بن جائے گی۔ تحقیقات کی بنیاد پر نئی ٹیکنالوجی دریافت کرنے کے لیے جتنا سرمایہ اور ذرائع درکار ہیں وہ ان غریب اور ترقی پذیر ممالک کے بس کی بات نہیں۔ بلکہ غربت بڑھنے کی وجہ سے ان ممالک کا نئی تحقیقات پر خرچ کم ہوتا جا رہا ہے۔ تحقیق کے میدان میں 1980ء تک ان ممالک کا حصہ 6 فیصد تھا جو اب کم ہو کر صرف 4 فیصد رہ گیا ہے۔ ان معاہدوں کی مضرت رسانی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان کی وجہ سے ان ممالک کے لیے ہر قسم کی ٹیکنالوجی تک رسائی مشکل سے مشکل تر بنا دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ اکیسویں صدی کی ٹیکنالوجی اتنی مہنگی ہے کہ عام ممالک اسے خریدنے کی سکت بھی نہیں رکھتے۔ ناخواندگی بڑھ رہی ہے کیونکہ اب ناخواندہ وہ نہیں جس کو اپنا نام لکھنا نہیں آتا بلکہ وہ ہے جو کمپیوٹر کا سائنسی استعمال نہیں جانتا۔ کوئی عالمگیر معاشی انقلاب آ جائے تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسری بات ہے جس کے ابھی مستقبل قریب میں کوئی آثار نظر نہیں آرہے ورنہ ان پسماندہ ممالک کا رول اب صرف یہ ہوگا کہ یہ دنیا کے آٹھ یا دس بڑے صنعتی ممالک کے کارخانوں میں بننے والے مال واسباب کی فروخت کے لیے نہ صرف نفع بخش منڈیاں بنیں گے بلکہ ان کے کارخانوں اور فیکٹریوں کے لیے سستے زرعی خام مال کا ایک اچھا ذریعہ بھی ثابت ہوں گے۔ ع

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اس پر ایک دوست نے کہا کہ اتنی مایوسی بھی ٹھیک نہیں۔ مغرب اب ایسے انداز اپنا رہا ہے کہ ہمیں خواب غفلت سے بیدار ہونا ہی پڑے گا اور مسلم کی حیثیت سے جینے کے لیے سخت جدوجہد کرنا ہوگی۔ اگر اغیار ہمیں جگانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ان شاء اللہ ہم جلد ہی اس قابل ہو جائیں گے کہ یہ بازی انہیں پر واپس الٹ دیں۔ ہم نے ان سے اتفاق کیا کیونکہ جانتے ہم بھی ہیں کہ: ع

''ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی''

مگر یہ نم کہاں سے آئے!!!

معاشی جنگ

ڈبلیو ٹی او WTO کے اس معاہدے کا وجود میں آنا تھا کہ عالمی معیشت میں ایک زبردست انقلاب آگیا۔ عالمی انداز معیشت نے ایسی کروٹ لی کہ معاشی مفادات کی دوڑ میں مختلف ممالک نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے مقابل کھڑا پایا۔ اپنے اپنے مفادات کی حفاظت یا ان کے حصول کی خاطر عالمگیر سطح پر طرح طرح کی دھڑے بندیوں نے جنم لیا جن کی وجہ سے ایک معاشی جنگ کی سی صورت حال پیدا ہوگئی۔ امیر اور ترقی یافتہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صنعتی ممالک اپنی اپنی منڈیاں وسیع کرنے اور انہیں محفوظ کرنے کے لیے ہر قسم کے حربے کام میں لائے۔ اس طرح ان تجارتی دھڑے بندیوں نے عالمی سطح پر ایک طرح کے معاشی مفادات رکھنے والے مختلف ممالک کو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر اپنے بچاؤ کی خاطر انجمنیں اور گروپ بنانے پر مجبور کر دیا۔

نیو ورلڈ آرڈر

امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر (New World Order-NWO) نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور نتیجتہً دنیا کے مختلف ممالک میں مختلف قسم کا ردعمل دیکھنے میں آیا اور زیادہ تر ترقی پذیر ممالک نے خود کو اس کے سامنے بے بس پایا۔ نیو ورلڈ آرڈر کو امریکہ اور امیر ممالک کی طرف سے دوسرے ملکوں کے معاشی استحصال اور مغربی تہذیب کے جبراً غلبے کا حکم سمجھا گیا۔ چنانچہ ہر ملک نے اپنے اپنے معاشی اور مالی مفادات کے بچاؤ کی خاطر ہاتھ پاؤں مارنے شروع کیے، اپنے ہم مرتبہ اور ہم مسلک ملکوں سے میل ملاقاتیں کیں، آپس میں مشورے کیے اور ہوتے ہوتے بہت سی بین الاقوامی معاشی تنظیمیں وجود میں آ گئیں۔ پہلے سے موجود بہت سی تنظیموں اور معاہدوں پر بھی نظر ثانی کی گئی اور انہیں نئے حالات سے منطبق کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ ایسے معاہدوں اور تنظیموں کا درج ذیل ایک سرسری سا جائزہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ انجمنیں یا تو علاقائی بنیادوں پر مبنی ہیں یا معاشی مفادات کی بنا پر معرض وجود میں آئی ہیں۔ بقول سعدی شیرازی ؎

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز   کبوتر با کبوتر باز با باز

یورپی یونین اور گروپ ایٹ

معاشی مفادات پر مبنی ان انجمنوں میں سرفہرست اور سب سے طاقتور بین الاقوامی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انجمنیں یورپی یونین اور جی ایٹ (European Union - EU & Group of Eight - G-8) ہیں۔ یورپی یونین 1957-58ء میں قائم ہوئی اور اس میں مغربی یورپ کے تمام ممالک شامل ہیں۔ مشرقی یورپ کے دوسرے ممالک جو پہلے روس کے زیر اثر تھے اور حال ہی میں کیمونزم سے تائب ہوئے ہیں وہ بھی اس میں شامل ہو رہے ہیں۔ معاشی ماہرین کا خیال ہے کہ مستقبل میں یورپی یونین شاید دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے موثر تنظیم بن کر ابھرے۔ یونین کے تمام ممالک میں یک کرنسی نظام نافذ کرنے کی کوششیں بھی آخری مراحل میں ہیں۔ یورو کا اجراء ہو چکا ہے مگر اپنی اپنی کرنسی بھی چل رہی ہے۔ یورو کے آنے سے امریکی ڈالر کو کافی پریشانی کا سامنا ہے اور اس کے رعب داب میں کمی کے آثار کافی تیز اور گہرے ہیں۔

ترکی

ترکی بھی مغربی یورپ کا حصہ دار ہونے کا دعویدار ہے اور ایک لمبے عرصے سے یورپی یونین کا ممبر بننے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ترکی کی حکومت ان ممالک کی منت سماجت کے علاوہ ان کو خوش کرنے کے لیے اپنے نام نہاد آئینی سیکولرزم کی خاطر یورپی ممالک سے بھی زیادہ اسلام کش رویہ اختیار کر رہی ہے حتیٰ کہ بچیوں کا سر ڈھانپنا یا خواتین کا حجاب کرنا فوجداری جرم گنا جاتا ہے اور اس کی کم سے کم سزا جیل ہے جبکہ بیشتر یورپی ممالک میں یہ کوئی جرم نہیں گنا جاتا۔ ترکی اس سے پہلے بھی بہت سے ''معرکتہ الآرا کارنامے'' انجام دے چکا ہے۔ 1923-24ء میں مغربی استعمار کی خوشی کی خاطر مغربی تہذیب وتمدن کو اپنانے کی دھن میں چودہ سو سال سے قائم مسلمانوں کے علیحدہ تشخص اور مرکزیت کی امین خلافت کی قبا مصطفیٰ کمال پاشا کے ہاتھوں تار تار ہوئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترکی رسم الخط پر پابندی لگی اس کی جگہ رومن رسم الخط نے لی۔ اس طرح نئی نسل اپنے صدیوں پرانے ادبی اور تہذیبی ورثے سے محروم کردی گئی۔ عربی میں اذان ممنوع ہوئی، اسلامی مدرسے بند کردیئے گئے، قرآن کی اشاعت اور بچوں کو قرآن پڑھانے پر پابندی لگا دی گئی، حیا کو سرعام رسوا کیا گیا، برقع، چادر، دوپٹہ اور سکارف وغیرہ تھوک کے حساب سے جلائے گئے، مغربی لباس لازم کیا گیا اور داڑھی رکھنے کی سزا جیل قرار پائی۔ ان کافرانہ قوانین میں نرمی کرنے کی پاداش میں وزیراعظم جناب عدنان مندریس پھانسی پر چڑھا دیے گئے اور نجم الدین اربکان جیل میں بند کردیے گئے۔ اور تو اور ایک ممبر پارلیمنٹ خاتون کو اس پاداش میں ملک بدر کردیا گیا کہ اس نے سر پر سکارف کیوں باندھا۔ ترکی نہ صرف نیٹو کا ممبر ہے بلکہ امریکہ کا ایک زبردست حلیف بھی۔ مگر ان سب اسلام کش اور کفرنواز کارناموں کے باوجود مغرب جانتا ہے کہ بے شک ترکی حکومت نے اسلام کو دیس نکالا دینے کی خاطر سیکولر آئین اپنایا ہے مگر اسلام لوگوں کے دلوں میں سے نکلتا نظر نہیں آرہا۔ اس لیے ترکی ابھی تک یورپی یونین کی ممبرشپ کو ترس رہا ہے۔ ترکی کی موجودہ معاشی حالت کے پیش نظر ابھی مستقبل قریب میں بھی یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوتا نظر نہیں آرہا۔ ؎

مرے کام کچھ نہ آیا میرا ذوق نے نوازی

گروپ ایٹ پہلے اٹلی، امریکہ برطانیہ، جاپان، جرمنی، فرانس اور کینیڈہ پر مشتمل گروپ سیون تھا اور 1990ء میں معرض وجود میں آیا تھا۔ اب روس کی شمولیت سے جی ایٹ (G-8) بن گیا ہے۔ اب شاید اس میں چین کو بھی شامل کرنا پڑے اور یہ گروپ نائن (G-9) بن جائے۔ اپنے معاشی اور تجارتی مفادات کے تحفظ کے لیے سب سے بڑے صنعتی ممالک کی یہ سب سے مؤثر تنظیم ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آسیان

ایک اور قابل ذکر بین الاقوامی یونین آسیان (Association of Southeast Asian Nations - ASEAN) کی بھی ہے۔ آسیان 1967ء میں جکارتہ میں قائم ہوئی اور یہ بھی ایک بہت طاقت ور اور موثر تنظیم ہے اس میں انڈونیشیا۔ ملائیشیا۔ سنگاپور، فلپائن اور تھائی لینڈ کے ساتھ ساتھ ہندوستان بھی شامل ہو گیا ہے اور پاکستان بھی اس میں شمولیت کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔

اوپیک

دنیا میں صنعتی، معاشی، معاشرتی اور تمدنی ترقی کا انحصار اس وقت معدنی تیل پر ہے۔ چنانچہ تیل برآمد کرنے والے ممالک کی ایک بہت مشہور تنظیم اوپیک (Organization of Petroleum Exporting Countries-OPEC) بھی ہے۔ اس میں صرف وہ ممالک شامل ہیں جو بڑے پیمانے پر قدرتی تیل اور پٹرول وغیرہ نکالتے اور برآمد کرتے ہیں۔ اس میں سعودی عرب، کویت، لیبیا، ایران اور وینزویلا وغیرہ شامل ہیں۔ یہ تنظیم کافی حد تک فعال ضرور ہے مگر بڑے صنعتی ممالک کے ہاتھوں یہ بھی بے بس نظر آتی ہے کیونکہ خام تیل کی قیمتیں بڑھانے کی ہر کوشش عام طور پر ناکامی سے دوچار ہوتی ہے۔

عرب لیگ

زبان اور خطے کی بنیاد پر معرض وجود میں آنے والی عرب ممالک پر مشتمل ایک بہت بڑی تنظیم عرب لیگ بھی موجود ہے۔ عرب لیگ 1945ء میں مصر کے صدر مقام قاہرہ میں قائم ہوئی۔ اس کا مقصد عرب ممالک کے تمام مالی، معاشی اور دوسرے مفادات کا تحفظ تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلے پہلے تو عرب لیگ خاصی طاقت ور تھی مگر عرب اسرائیل تنازعے کی زد میں آ کر اتنی مؤثر نہیں رہی جتنی کہ توقع تھی۔ اس کے بعد عراق کے رویے کی وجہ سے اسے زبردست دھچکا لگا اور اس کا رہا سہا وقار بھی جاتا رہا۔ آج کل 'ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے' کی حالت سے گذر رہی ہے۔

ایکو اور او آئی سی

اسی طرح ایران، ترکی اور پاکستان کی آر سی ڈی (Regional Cooperation for Development-RCD) کی تنظیم اب آذربائیجان اور تاجکستان وغیرہ کے شامل ہونے سے ایکو (Economic Cooperation Organization-ECO) میں تبدیل ہو گئی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ مسلمان ممالک نے ایک اور تنظیم او آئی سی (Organization of Islamic Conference-OIC) بھی قائم کی ہے۔ اس تنظیم میں تقریباً تمام کے تمام اسلامی ممالک شامل ہیں۔ عالمی سطح پر یہ تنظیمیں کوئی مؤثر رول نہیں ادا کر پا رہیں۔

ڈی ایٹ

اسی طرح چند اور ترقی پذیر قسم کے ممالک نے ڈی ایٹ (Developing 8-D8) کے نام سے ایک اور گروپ بنایا ہے جس میں پاکستان، ترکی، مصر سمیت آٹھ اسلامی ممالک شامل ہیں۔ مسلمان ممالک کی یہ تنظیمیں ابھی تک کوئی مؤثر اور فعال رول نہیں ادا کر سکیں اور بین الاقوامی سطح پر ان کا کردار ابھی تک پوری طرح محسوس نہیں کیا جا رہا۔

سارک

جنوبی ایشیا کے سات ممالک پاکستان، بھارت، سری لنکا، بنگلہ دیش،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نیپال، بھوٹان اور مالدیپ نے مل کر علاقائی بنیادوں پر ایک تنظیم سارک South Asian Association for Regional Cooperation-SAARC) کے نام سے بنائی ہے۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ صنعتی اور امیر ممالک کی تنظیموں کے علاوہ باقی کوئی تنظیم اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔ اب تو یورپی یونین اور G-8 مل کر اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے دوسری تمام تنظیموں کو غیر مستحکم کرنے پر تل گئے ہیں۔ ترقی پذیر اور غیر صنعتی غریب ممالک کی بیشتر بین الاقوامی تنظیموں کی مسلسل ناکامی یا غیر مؤثر رہنے کی بنیادی وجوہات سب جگہ تقریباً ایک جیسی ہی ہیں یعنی انتظامیہ میں صاحب نظر اصحاب کی کمی، ناقص منصوبہ بندی، کم ہمتی اور مرعوبیت، دور اندیشی کا فقدان، کوتاہ نظری اور غیر مؤثر تنظیمی ڈھانچے اور فنڈز کی کمی وغیرہ وغیرہ۔

دائرہ کار

سارک کی تنظیم کا تصور تو دراصل بنگلہ دیش کے صدر جنرل ضیاء الرحمٰن کے دماغ کی پیداوار تھا۔ یہ تصور انہوں نے 1981ء میں دیا تھا۔ چار سال اس تخیل کی آبیاری میں لگ گئے اور ہوتے ہوتے اس کو جنوبی ایشیا کے سات ممالک نے شرف قبولیت بخشا اور آخر کار یہ تنظیم 1985ء میں معرض وجود میں آگئی۔ سارک کے مقاصد میں یہ شامل تھا کہ صرف ایسے مسائل اس کے دائرہ اختیار میں آئیں گے جن کا تعلق زراعت اور جنگلات، صحت اور آبادی، موسمیات، دیہی ترقی، ٹیلی کمیونیکیشن، ٹرانسپورٹ، سائنس اور ٹیکنالوجی، پوسٹل سروس، کھیلیں، آرٹس، خواتین کی بہبود اور نشہ آور اشیاء کی روک تھام، ٹورزم کا فروغ اور دہشت گردی کے خاتمہ وغیرہ سے ہوگا۔ اس تنظیم کے قوانین کی رو سے تمام ممالک اس بات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے پابند ہیں کہ سارک کے اجلاسوں میں سرحدی جھگڑوں یا دوسرے سیاسی مسئلوں کو نہیں چھیڑا جا سکے گا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ باہمی جھگڑوں کی اصل وجوہات زیر بحث نہیں آئیں گی یعنی کانٹے دار جھاڑی کو کاٹے بغیر کانٹوں کو صاف کرنے کی کوشش کی جائیگی۔ سارک کی اصل مسائل سے چشم پوشی کی اس پالیسی کی وجہ سے کشمیر جیسے بنیادی مسائل اس کے دائرہ کار سے باہر ہی رہ گئے۔

"جگا"

سارک کا سب سے کمزور پہلو اس میں ہندوستان کی چودھراہٹ اور دوسرے پڑوسی ممالک کے داخلی اور خارجی معاملات میں خواہ مخواہ کی دخل اندازی ہے۔ اس کی وجہ سے سارک میں شامل تقریباً تمام ہی ممالک ہندوستان کے رویے کے شاکی ہیں۔ ہندوستان کی خودغرضانہ ذہنیت اور علاقے کا جگا بننے کی کوششوں کی وجہ سے ہر ملک کا کوئی نہ کوئی شدید قسم کا ایسا تنازعہ ہندوستان کے ساتھ موجود ہے جس کی نوعیت خواہ جغرافیائی ہو یا سرحدی، معاشی ہو یا معاشرتی، نسلی ہو یا قبائلی اور تہذیبی ہو یا مذہبی۔ اس طرح کے تنازعات کی موجودگی میں ان ممالک کا ہندوستان کے ساتھ اچھے ہمسایوں جیسے تعلقات رکھنا ہی بہت مشکل نظر آتا ہے چہ جائیکہ ایک تنظیم میں شامل ہو کر پاؤں سے پاؤں ملا کر چلنا۔

کشمیر

پاکستان کا ہندوستان کے ساتھ سب سے اہم مسئلہ کشمیر ہے جو طے شدہ معاہدوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے انگریزوں اور ہندوؤں کی مشترکہ سازش کا نتیجہ ہے۔ کچھ پاکستان کی اپنی کوششوں اور کچھ بین الاقوامی دباؤ کے نتیجے میں ہندوستان نے یو این او میں کشمیریوں کو ان کا حق دینے کا وعدہ تو کرلیا مگر اس پر عمل نہ کیا۔ یہ مسئلہ اب تک صرف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان کی ہٹ دھرمی اور دنیا کے ممالک کی عدم توجہی کی وجہ سے حل نہیں ہو پا رہا۔ سری لنکا، نیپال اور بھوٹان بھی ہندوستان کے ہاتھوں طرح طرح کی مشکلات میں گرفتار رہتے ہیں۔ نیپال دنیا کی بلند ترین چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ کا مالک تو ضرور ہے مگر ہر طرف سے ہندوستان میں گھرا ہوا ہے اور اس کی معاشی حالت اتنی ہی کمزور ہے۔ بات بے بات ہندوستان تجارتی پابندیاں (Trade sanctions) لگانے کی دھمکیاں دیتا رہتا ہے اور کبھی کبھی عملی طور پر پابندیاں لگا بھی دیتا ہے جس سے نیپال کی اکانومی شدید متاثر ہوتی ہے۔ سری لنکا جو کبھی سیاحوں کی جنت کہلاتا تھا اور سرسبز و شاداب قدرتی نظاروں سے مالا مال خوبصورت ملک تھا اب کسی سیاح کی شکل تک دیکھنے کو ترستا ہے۔ اس کی تباہی اور بربادی کی بنیادی وجہ بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ہندوستان کی توسیع پسندانہ اور تھانیدارانہ پالیسیاں ہی ہیں۔ ہندوستان کے ساتھ بنگلہ دیش کا ہنی مون بھی ختم ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ طرح طرح کے سرحدی جھگڑے اور دوسرے گھمبیر قسم کے مسائل سر اٹھا رہے ہیں۔ ہندوستان کی کوشش ہے کہ بنگلہ دیش اس کے زیر سایہ ایک باجگزار ماتحت سا ملک بن کر رہے مگر بنگلہ دیش کا خمیر حریت پسندانہ ہے وہ اس حالت میں زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتا۔ جس نے اپنے بنائے ہوئے ملک میں الیکشن میں اپنے ساتھ دھاندلی کی زیادتی برداشت نہ کی اور علیحدگی اختیار کر لی وہ ہندوستان کی دھونس کو کہاں برداشت کرے گا۔ ایک مالدیپ شاید اس لیے سکھ میں ہے کہ اس کی کوئی سرحد ہندوستان سے نہیں ملتی۔

سافٹا

سارک کے ساتوں ممالک نے اپنی مشترکہ اقتصادی ترقی کے لیے ایک نیا قدم اٹھایا ہے اور ایک نئی تنظیم سافٹا قائم کی ہے۔ سافٹا (South Asia Free Trade

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(Agreement - SAFTA کا بڑا مقصد سارک ممالک کے درمیان باہمی تجارت کا فروغ اور اقتصادی ترقی ہے۔ یہ تنظیم ابھی ارتقائی مراحل میں ہے اور پروگرام کے تحت جنوری 2006ء سے کام شروع کرے گی۔ مگر خیال ہے کہ بنیادی تنازعات کی موجودگی میں یہ بھی کچھ زیادہ مؤثر کارکردگی نہیں دکھا سکے گی۔

سارک اور اگلی نسل

گہری نظر سے جائزہ لینے پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب ہمسایہ ممالک کے آپس کے تعلقات میں یکسوئی نہ ہو، ایک دوسرے پر اعتماد کی بجائے بے اعتمادی کا راج ہو، دلوں میں سخت کدورت بلکہ دشمنی پائی جائے اور نت نئے تنازعے سر اٹھا رہے ہوں بلکہ کوشش کر کے اٹھائے جا رہے ہوں تو سارک کا کسی بڑی کامیابی کے حصول کا باعث بننا دور از قیاس ہے۔ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ اگر اس تنظیم نے کوئی فعال کردار ادا کرنا ہے تو اس میں چین اور ایران کی شمولیت ازحد ضروری ہے تاکہ اس کا دائرہ کار وسیع ہو سکے۔ ایسے تعمیری اور توسیعی اقدامات کرنے سے امید کی جا سکتی ہے کہ یہ ایک فعال اور متوازن تنظیم کی حیثیت سے عالمی سطح پر کوئی مؤثر کردار ادا کرنے کے قابل ہو سکے۔ اگر ان ممالک کو شامل کر کے سارک کو ایک قابل ذکر قوت نہ بنایا گیا تو خدشہ ہے کہ شاید سارک کی یادگار کامیابیوں میں اگلی نسل کو منتقل کرنے کے لیے سوائے ہمارے لکھے ہوئے ان چند سفر یہ صفحات کے کچھ بھی نہ بچے۔

شکریہ

سارک کی طرف سے دہلی میں منعقدہ یہ سیمی نار بنیادی طور پر زرعی نوعیت کا تھا۔ اس سیمی نار میں غذائی اجناس کے بیجوں کی باضابطہ افزائش اور ان کی صحت کا معیار جانچنے سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

متعلق مسائل کا خصوصی تذکرہ شامل تھا اور اس ناچیز خاکسار کو اس میں پاکستان کی نمائندگی کا شرف حاصل تھا جس کے لیے ہم تہ دل سے محترم سید عرفان احمد سابق ڈائریکٹر جنرل، سیڈ سرٹیفیکیشن اور چیف ایڈیٹر سیڈ نیوز کے احسان مند ہیں۔ ڈاکٹر شکیل احمد خان بھی خصوصی شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے مقالے کی تیاری میں ہماری بہت مدد کی۔ ہم سارک انتظامیہ کے نہایت مشکور ہیں کہ انہوں نے ہمیں دہلی آنے کا موقع دیا، مشہور تاریخی اور روحانی مقامات کی سیر کے لیے گاڑی مہیا کی اور بالی سنگھ جیسا اچھا ڈرائیور بھی دیا جو نہ صرف مشاق بلکہ مشاک بھی تھا۔ مسٹر چن ویر سنگھ خصوصی طور پر شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس پورے عرصے کے دوران ہماری پوری طرح راہنمائی کی اور ہماری پذیرائی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ہم اس لیے بھی انتظامیہ کے نہایت مشکور ہیں کہ انہوں نے اس سارے سیمی نار کے دوران اور بعد کے دنوں میں بھی ہماری خوب خاطر تواضع اور مہمان نوازی کی۔ یہ بھی سارک ہی کی مہربانی ہے کہ اس کے توسط سے ہمیں آگرہ جانے اور تاج محل دیکھنے کا موقع ملا۔

تھینک یو سارک

تاریخ 25 مئی 2005ء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نظام الدین اولیاءؒ

سیمی نار کے پہلے دن کی کارروائی کے بعد ہمیں بتایا گیا کہ ہر غیر ملکی مندوب کے لیے ایک گاڑی مہیا کی جارہی ہے جو سیمی نار ہال تک آنے جانے کے ساتھ ساتھ مقامی طور پر سیر و سیاحت اور شاپنگ وغیرہ کے لیے بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔ مقامی انتظامیہ نے ایک اور بہت اچھا کام یہ کیا کہ سیر و سیاحت اور بازار وغیرہ کے معاملات خوش اسلوبی سے نمٹانے کے لیے ایک ایک مقامی افسر کو یہ ذمہ داری بھی سونپی کہ وہ ہماری مناسب راہنمائی کرے۔ چنانچہ ہماری راہنمائی اور رابطہ کی ذمہ داری مسٹر چن ویر کے حصے میں آئی۔ جو گاڑی ہمارے لیے مختص کی گئی وہ ایک مقامی ٹیکسی تھی جس کا ڈرائیور سردار بالی سنگھ ایک نوجوان سکھ لڑکا تھا۔ ابھی ہم اپنے گائڈ مسٹر چن ویر سے آج کی شام کے سلسلہ میں کچھ مشورہ کر ہی رہے تھے کہ بالی بول پڑا کہ سرجی آج نظام الدین اولیاءؒ چلتے ہیں۔ یہ سن کر چن ویر نے کہا کہ آپ کا آج کا مسئلہ تو حل ہوگیا۔ چنانچہ ہم نے دہلی کی آج کی شام حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے نام نذر کرنے کا پروگرام بنایا۔ مسٹر چن ویر نے کسی ضروری گھریلو مصروفیت کی وجہ سے معذرت کرلی۔ شام کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ ڈرائیور بالی سے مشورہ کے بعد نماز مغرب مسجد نظام الدین اولیاء میں ادا کرنے کا پروگرام طے ہوا۔ مزید وقت ضائع کیے بغیر ہم سیدھے ہوٹل سمراٹھ پہنچے، سامان وغیرہ رکھا اور مزار نظام الدین اولیاء کی طرف چل پڑے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت نظام الدین اولیاءؒ:

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا اصل نام شیخ محمد احمد بن دانیالؒ ہے۔ آپ 1235ء میں بمقام بدایوں پیدا ہوئے اور 1325ء میں 90 سال کی عمر میں دہلی میں وفات پائی۔ آپ پانچ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے مگر آپ کی والدہ بی بی زلیخا نے بڑی ہمت سے آپ کی تربیت کی۔ آپ بابا فریدالدین گنج شکر (پاکپتن) کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ تحصیل علم و معرفت کے بعد حضرت بابا فریدؒ کی ہدایت پر آپ نے دہلی میں سکونت اختیار کی اور یہیں سے اشاعت اسلام کے مبارک کام کا آغاز کیا۔ آپ کی کوششیں بہت جلد رنگ لائیں اور بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ساری زندگی آپ نے دہلی کے علاقوں میں اشاعت اسلام کا کام کیا۔ آپ کی وفات کے بعد سلطان علاؤالدین خلجی، اکبر اعظم اور شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں مختلف امراء نے آپ کے مزار اور ملحقہ مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا۔ آپ کے مرید خاص امیر خسروؒ کا مزار بھی اسی احاطہ میں شیخ کے قدموں کی طرف واقع ہے۔ امیر خسروؒ بھی 1325ء میں وفات پا گئے۔

امیر خسروؒ

امیر خسروؒ سے ہماری شناسائی صرف اتنی تھی کہ وہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مرید خاص تھے، اردو کے پہلے زود سخن شاعر تھے اور انہوں نے ایک دفعہ چار خواتین کے چار موضوعات "کھیر، چرخا، کتا اور ڈھول" کو اس طرح شعر کی زبان دی کہ ایک سدابہار رباعی وجود میں آ گئی ؎

کھیر پکائی جتن سے   چرخا دیا جلا
کتا آیا کھا گیا   تو بیٹھی ڈھول بجا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم یہ سمجھتے تھے کہ جناب امیرؒ نے ان چاروں باذوق خواتین کی فرمائش ایک گلاس پانی کے لیے فوراً پوری کر کے اپنی اردو شاعری کا لوہا منوایا تھا۔ مگر جب مسٹر جسٹس ایم۔ آر۔ کیانی نے ان کی اس معصوم سی رباعی کو فیلڈ مرشل ایوب خاں کی فوجی اور شخصی ڈکٹیٹر شپ کے خلاف ایک زبردست تقریری ہتھیار کے طور پر استعمال کیا تو ہم پر یہ عقدہ کھلا کہ حضرت امیر خسروؒ صرف ایک درویش ہی نہ تھے بلکہ وہ معرفت اور عشق الٰہی کے ساتھ ساتھ سیاسی معاملات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ جناب کیانی کا خیال تھا کہ یہ رباعی امت مسلمہ میں خلافت اور جمہوریت کے قتل کا نوحہ ہے۔ ہم اسے بھی کیانی صاحب کا رلا ملا سچ یا کچھ کچھ سچ مچ ہی (Not the whole truth) سمجھتے ہیں مگر ان سے ہمارا اختلاف بنیادی ہے کہ وہ کتا کوئی جنگلی قسم کا کتا نہیں تھا جیسا کہ یہاں ظاہر کیا گیا ہے بلکہ نہایت سمجھدار اور شاطر قسم کا لڑاکا کتا تھا جو کھیر کھا کر بھاگ نہیں گیا بلکہ اس نے ڈھول پر بھی قبضہ کیا اور اسے بجا کر ساری دنیا کو بتایا کہ اس نے ان چاروں بھولی بھالی عورتوں کی کھیر کھا کر کوئی گناہ نہیں بلکہ ان پر احسان عظیم کیا تھا کیونکہ اگر وہ جرأت کر کے ان کی کھیر پر قبضہ نہ کرتا تو ہوسکتا تھا کہ اس کی تقسیم پر ان چاروں میں لڑائی ہو جاتی۔ چنانچہ امن اور ترقی کی خاطر یہ اقدام کرنا پڑا۔ بہرحال اس ''سیاسی'' قسم کی رباعی کہنے کے باوجود حضرت امیر خسروؒ کی صوفیانہ عقیدت ہمارے دل میں کم نہ ہوئی۔

ٹریفک

نظام الدین اولیاء کے مزار کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ٹریفک بہت پر ہجوم تھا اور خاص طور پر سائیکل رکشوں کی بھرمار کی وجہ سے بڑی سست روی سے چل رہا تھا۔ مگر بالی بھی بہت مشاق ڈرائیور ثابت ہوا اور آرام سے گاڑی ڈرائیو کرنے کی بجائے لگ رہا تھا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جیسے بالکل لاہوریوں کی طرح بازوؤں کی طاقت سے گاڑی دھکیل رہا ہو۔ نئی دہلی کے برعکس پرانی دہلی کے اس علاقے میں دوسرے ڈرائیوروں کی طرح بالی بھی ٹریفک کے قوانین کی زیادہ پرواہ نہیں کر رہا تھا۔ پھر بھی ہمارے نظام الدین اولیاء پہنچتے پہنچتے نماز مغرب ادا کی جا چکی تھی۔ نظام الدین اولیاء کا یہ مسکن بھی پرانی دہلی کے محلہ بلی ماراں جیسے گنجان علاقہ کی طرح تنگ ہے۔ گلیاں بہت چھوٹی چھوٹی اور کوڑے کرکٹ سے اٹی ہوئی۔ ایک طرف ذرا کھلی جگہ تلاش کر کے گاڑی روکی۔ اس سے آگے ہمیں پیدل ہی جانا تھا۔ بالی نے گاڑی کی حفاظت کے پیش نظر ہمارے ساتھ جانے سے معذرت کر لی اور راستے کی نشاندہی کر دی۔

مزار غالب

ہم بالی کے بتائے ہوئے راستے پر ہو لیے۔ اردو کے سب سے بڑے شاعر جناب مرزا غالب (1797-1869ء) کا مزار بھی اسی راستے پر واقع ہے جس کے پہلو میں غالب اکیڈمی کا ادارہ بھی ایک نوتعمیر شدہ عمارت میں موجود ہے۔ مرزا غالب کے مزار کے پاس سے گزرتے ہوئے ہمیں ان کی اردو کے لیے خدمات کے بجائے انگریز مجسٹریٹ کے ساتھ ان کا ایک دلچسپ مکالمہ یاد آ گیا، جو ایک دوست نے ہمیں سنایا تھا۔ ہنگامہ دہلی کے دوران جناب غالب بھی گرفتار ہوئے، گرفتاری کے کچھ عرصہ بعد انہیں عدالت میں پیش کیا گیا۔ عدالت نے استفسار کیا کہ کیا آپ بھی مسلمان ہیں؟ تو مرزا صاحب نے جواب دیا جی الحمدللہ آدھا آدھا۔ عدالت نے حیران ہو کر پوچھا کہ آدھے مسلمان سے آپ کا کیا مطلب ہے؟ تو جناب غالب نے فرمایا کہ جناب شراب پیتا ہوں، سور نہیں کھاتا۔ یوں ہم مرزا غالب کی حاضر جوابی کو یاد کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مزار کی طرف آگے جاتے ہوئے دائیں جانب کچھ ہوٹل نظر آئے جن کے سامنے بائیں طرف کافی رش تھا مگر ہم اس طرف کوئی توجہ دیے بغیر جلدی جلدی آگے بڑھ گئے کیونکہ مغرب کی نماز کا وقت جا رہا تھا اور ہماری کوشش تھی کہ جلد از جلد مسجد میں پہنچ کر نماز ادا کی جائے۔ گلی تنگ ہوتی جارہی تھی۔ ایک جگہ مزار کا ایک خادم بیٹھا ہوا تھا اس نے ہم سے جوتے اتارنے کا کہا۔ جوتے وہاں جمع کرائے اور ٹوکن لے کر کافی فاصلہ ننگے پاؤں طے کر کے مزار کے احاطہ میں پہنچ گئے اور مزار سے ملحقہ مسجد میں نماز مغرب اور عشاء ایک ساتھ ادا کیں۔

مزار شریف

نماز کے بعد ہم نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مزار پر حاضری دی۔ مزار کی آرائش خوب تھی۔ زائرین کی بھی کمی نہ تھی۔ معتقدین بھی ایسے کہ قیام سے لے کر رکوع وسجود بلکہ باجماعت سجدہ ریزی میں مصروف۔ مزار شریف پر ایسی ایسی فرمائشیں کی جارہی تھیں کہ اگر وہ ان کی زندگی میں ان سے کی گئی ہوتیں تو ہمیں یقین ہے کہ وہ اسی وقت معذرت کر لیتے مگر اب تو انکار کرنا ان کے بس سے باہر تھا۔ ہمیں بہر حال ایسے لوگوں کے یقین واثق، عاجزی اور انکساری، جذب وجنون کا حال دیکھ کر خود پر ندامت محسوس ہوئی کہ ہم ایسے اچھے خواص سے بالکل محروم تھے۔ یہ سوچ بھی دل میں آئی کہ یہ بے چارے تو شاید ان حقائق سے بے خبر ہیں کہ کس طرح ہندی فلسفہ دیومالائی اور دیوتائی کلچر سے مرعوب بعض پیشواؤں نے اللہ تعالیٰ کے آرام کا خیال کرتے ہوئے تمام اختیارات حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی، حضرت سخی سرور، شاہ رکن عالم، بابا فرید گنج شکر، حضرت علی ہجویری، حضرت بچل سرمست اور حضرت بری امام رحمہ اللہ جیسے صوفیا کرام اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اولیاء اللہ میں بانٹ دیے۔ چنانچہ ہندوؤں کے بے شمار دیوتاؤں کے مقابلے میں ہر علاقے میں لوگوں کی فریاد رسی کے لیے کوئی نہ کوئی غوث، پیر یا ولی موجود ہے اور نت نئے پیر اور آستانے دریافت ہو کر خلق خدا کی توجہ کا مرکز بن رہے ہیں۔

دعا

ہم چونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ، کے کلی اختیارات کے قائل ہیں کہ وہ خالق کائنات ہی نہیں قادر مطلق اور مقتدر اعلیٰ بھی ہے اور ہے بھی شاہ رگ سے قریب تر اس لیے حضرت جی کے آرام میں خلل ڈالنے کے بجائے ان کے اور مرید خاص کے درجات کی بلندی کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور سلام و دعا سے فارغ ہو کر چھوٹے سے دروازے سے باہر نکل آئے۔ باہر مزار کے صحن میں کچھ خادم قسم کے لوگ حلقہ بنائے بیٹھے تھے اور جانے والوں سے نذرانہ دینے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ وہ ہم سے نام اور پتہ معلوم کرنے کے لیے اصرار کرنے لگے۔ ہم نے اپنا نام اور پتا بتانے میں تامل کیا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ لاہور سے آئے ہیں؟ ہم نے کہا کہ نہیں، مگر انہیں اصرار تھا کہ ہم پاکستان سے آئے ہیں اور نذرانہ بھی ضرور دینا چاہیے۔ ہم نے مجبوراً کچھ خدمت کی تو انہوں نے دوبارہ نام اور پتا پوچھا۔ ہم نے جب وجہ پوچھی تو جواب دیا گیا کہ ہر گاہ بڑی گیارہویں شریف کو یہاں نیاز پکتی ہے، بہت بڑا اجتماع ہوتا ہے، قوالی کی بہت نورانی محفل جمتی ہے اور اس اجتماع میں زائرین کا نام و پتہ بول کر دعا کی جاتی ہے اور ہر ایک کے پتہ پر اطلاع بھی دی جاتی ہے کہ آپ کی خواہش کے مطابق دعا کرادی گئی ہے۔ ہم نے صرف نام اور پاکستان بتانے پر اکتفا کیا اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے کہ مقبول دعا کسی اطلاع کی محتاج نہیں رہتی۔

پہچان

واپسی پر اسی تنگ گلی میں ایک موڑ پر کتابوں کی ایک چھوٹی سی دوکان دیکھ کر ہم رک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گئے۔ دوکاندار نے چند کتابیں ہمارے سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ یہ نئے ایڈیشن ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی اطلاع دی کہ یہ آپ کے ہاں سے سستی ہیں۔ ہم نے پوچھا کہ آپ کے ہاں سے آپ کی کیا مراد ہے؟ تو وہ بولے کہ آپ کا پاکستان اور کیا؟ ہم نے مزید پوچھا کہ اس کا اندازہ آپ کو کیوں کر ہوا؟ کہنے لگے کہ جناب دراصل بات یہ ہے کہ پاکستانیوں کے انداز و اطوار زبان ولہجہ اور شکل وشباہت وغیرہ ہندوستانیوں سے کسی حد تک مختلف ہیں۔ ہم دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے کہ چلو ہماری اپنی بھی کوئی پہچان تو ہے۔ مگر ہمیں پوری طرح یہ اندازہ نہ ہوسکا کہ اس پہچان کی نوعیت (Sense) اچھی تھی یا بری۔ کتابیں بہرحال کافی سستی تھیں، قیمت پاکستان سے آدھے سے بھی کم۔ اسی تنگ گلی میں چلتے چلتے جوتا مرکز تک پہنچے، ٹوکن واپس دے کر جوتے لیے اور باہر ذرا کھلے بازار میں آ گئے۔

عوامی ہوٹل

ہوٹلوں کے قریب آ کر ہم نے بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک طرف پانچ چھ سستے کھانوں والے عوامی ہوٹل تھے، صفائی بالکل واجبی سی۔ ہر ہوٹل کے سامنے لوگوں کی ایک لمبی قطار تھی۔ عورتیں بچے اور مرد نحیف ونزار، کمزور چھوٹے بڑے، بھوکے، ننگے اور زیادہ تر کالے کلوٹے سے سب کے سب ایک ہی قطار میں کھڑے تھے۔ آنکھیں اندر دھنسی ہوئی، گال پچکے ہوئے اور کپڑے بھی پھٹے پرانے۔ ہر قطار کے سرے پر ہوٹل کا ایک بیرا کھڑا ہوا تھا اور زائرین کو اپنی طرف متوجہ کر کے انہیں ان بھوکوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دے رہا تھا۔ وہ ہر زائر سے یہ کہتا کہ دو روٹیوں کے ساتھ دال سبزی کے صرف پانچ روپے یعنی اگر آپ پچاس روپے ادا کریں تو ہمارا ہوٹل دس بھوکوں کو کھانا کھلائے گا۔ دل تو چاہتا تھا کہ ہم حاتم طائی کا مقابلہ کریں اور کسی ایک کو بھی بھوکا نہ رہنے دیں۔ لیکن تنگی داماں اور خالی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جیب کا خیال کر کے زیادہ تر منتظرین کو مایوس ہی کیا۔ انسانی خود غرضی یہاں بھی نمایاں تھی۔ ابھی ہوٹل والے سے ہماری بات چیت ہو ہی رہی تھی کہ کچھ آدمی لائن توڑ کر ہوٹل میں جا گھسے اور نسبتاً کمزور لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔ بھوک واقعی ایک لعنت ہے اور خود غرضی تو کیا یہ کفر تک پہنچانے کا سبب بن سکتی ہے۔ اللہ تمام مخلوق کو بھوک کے عذاب سے بچائے۔ بھوک افلاس، بے کاری اور فٹ پاتھوں کی آبادی وغیرہ کے متعلق سوچتے ہوئے ہم آگے بڑھ گئے۔

مجبور آوازیں

یہ علاقہ جہاں سے ہم گذر رہے تھے مسلمانوں کی صدیوں پرانی بہت بڑی آبادی تھی۔ ہوٹلوں کے سامنے جو لمبی قطاریں موجود تھیں ان کے متعلق تو یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ شاید مزارت کے پاس جہاں لنگر بٹتا ہے اور چڑھاوے چڑھتے ہیں وہاں نااہل، ناکارہ بھکاریوں اور نشے بازوں کی قطاریں لگ ہی جاتی ہیں۔ یہاں بھی شاید یہ قطاریں سخی زائرین کے انتظار میں ہی لگ جاتی ہونگی۔ مگر مزار کے آس پاس کے علاقہ کی حالت بھی نہایت ابتر دکھائی دے رہی تھی۔ ان لوگوں کی دگرگوں حالت اس حقیقت کی غمازی کر رہی تھی کہ ڈاکٹر کے۔ ایل۔ گابھا نے ہندوستان میں مسلماں اقلیت کو "مجبور آوازیں" (Passive Voices) سے کیوں تشبیہ دی ہے۔ ڈاکٹر کنہیا لال گابھا (کے۔ ایل۔ گابھا) ہندو وکیل تھے۔ حساس طبیعت پائی تھی۔ اقلیتوں سے ناانصافیوں سے دل کڑھتا تھا۔ مسلمانوں سے ہمدردی تھی، اسلام کا مطالعہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مسلمان ہو گئے، اپنا اسلامی نام خالد لطیف گابھا رکھ لیا اور بدستور کے۔ ایل۔ گابھا کہلاتے رہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق شاہکار تصنیف Passive Voices انہی کی ہے یعنی "مجبور آوازیں"۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قائداعظمؒ

مزار سے واپسی پر ذہن میں مسلسل مجبور آوازوں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی۔ یہ احساسات چھپانے کی بڑی کوشش کی لیکن اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی اور تو اور بالی کو بھی اس بات کا احساس ہو گیا۔ اس سے نہ رہا گیا اور بول پڑا کہ ہندو لوگ دہلی کے اس علاقے کو کبھی کبھی چھوٹا پاکستان بھی کہتے ہیں مگر مسلمانوں کا یہ علاقہ ہے بہت غریب۔ ویسے بھی ہندوستان میں سکھوں اور مسلمانوں کی حالت بہت خراب ہے۔ ہم نے بالی کو بتایا کہ اگرچہ غربت پاکستان میں بھی ہے لیکن ایسی نہیں جیسی دہلی کے اس علاقے میں نظر آ رہی ہے۔ ہوٹل پہنچنے تک ہماری طبیعت پر اداسی چھائی رہی۔ ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ پاکستان بن گیا تھا ورنہ پتہ نہیں کس حال میں ہوتے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ قائداعظمؒ کی خداداد بصیرت کی بھی داد دی۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے اور ان کے درجات بلند کرے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لاڈلی اقلیت

دل میں بار بار یہ خیال آرہا تھا کہ مسلمان اقلیت جسے ہندوستان کے پریس میں آج کل طنزاً لاڈلی اقلیت کے نام سے پکارا جارہا ہے کے حقیقی حالات کیا ہیں؟ کیا مسلمانوں کا حال سارے ہندوستان میں ایسا ہی پتلا ہے جیسا کہ نظام الدین اولیاء کے گردونواح میں یا صرف اسی علاقہ میں ہے۔ ہلکا سا جائزہ لیا تو حقائق بہت گہرے نہایت پیچیدہ اور روح فرسا نظر آئے۔ چند ایک پہلوؤں کی طرف مختصر اشارات درج ذیل ہیں:

بڑی اقلیت

ہندوستان کی کل آبادی ایک بلین (ایک ارب) سے زائد ہے۔ اس میں ہندو کل آبادی کا تقریباً 81 فیصد ہیں۔ مردم شماری کے اندازوں کے مطابق ہندوستان میں سکھ تقریباً 20 ملین، عیسائی 20 ملین، بدھ مت کے ماننے والے 7.5 ملین، جین مت کے پجاری 4 ملین اور مسلمان 120 ملین سے زائد ہیں۔ اس طرح مسلمان ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت (12 فیصد) ہیں۔ تقریباً آدھی مسلم آبادی صرف تین ریاستوں اتر پردیش، مغربی بنگال اور بہار میں رہتی ہے۔ باقی کے مسلمان سارے بھارت میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کی تقریباً آدھی آبادی اردو زبان بولتی ہے اور باقی آدھی مختلف زبانیں بولنے والوں کی ہے جن میں بڑی زبانیں گجراتی اور تامل وغیرہ ہیں۔

ہندوستان کا آئین اور برہمن

ہندوستان کا آئین سیکولر جمہوری ہے جو تمام اقلیتوں کے مذہبی، ثقافتی، تہذیبی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معاشرتی حقوق کی ضمانت دیتا ہے۔لیکن یہ سیکولر آئین حقیقت میں ہندوؤں کی زیادہ تر آبادی کی خواہشات اور جذبات کے بھی مطابق نہیں۔ یہ پورا سیکولر ہے اور نہ جمہوری۔ اس کی بڑی وجہ قیادت پر برہمن کا قبضہ ہے جو بے چارہ مذہب اور سیاست کے درمیان پھنسا بیٹھا ہے۔مقدس مذہبی کتب برہمناس اور بھگوت گیتا کے مطابق برہمن کا فرض ہے کہ وہ شودروں کے ساتھ انصاف نہ کرے ورنہ پاپی شمار ہوگا۔ برہمن کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ شودر سے نفرت کرے، اس کے سائے سے بچے، مندر میں داخل نہ ہونے دے اور نہ باورچی خانے کے پاس آنے دے ورنہ پرماتما سخت ناراض ہوں گے۔ مگر دوسری طرف جمہوریت کا تقاضا ہے کہ شودر کو بھی انسانی اور جمہوری حقوق ملیں ورنہ حکومت نہیں بنتی۔اب برہمن بے چارہ سخت مخمصے میں ہے کہ مذہب کی مانے یا جمہوریت کی۔

قیامت

مذہب کی مانے تو جمہوریت ختم کیونکہ برہمن ہی تو ہندومت کی بنیاد ہے اور اگر جمہوریت کی مانے تو برہمنیت ختم۔حکومت چھوڑ دے تو شودر اوپر آجائیں گے جو برہمن کی موت ہے۔انصاف کریں تو مذہب جاتا ہے اور اگر انصاف نہ کریں تو ملک ہی ٹوٹتا نظر آتا ہے۔ان کتابوں میں یہ بھی مذکور بتایا جاتا ہے کہ اگر برہمن اور شودر برابر آگئے تو قیامت آجائے گی۔اب قیامت کو آنے سے روکنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے کہ شودر پر ظلم ہوتا رہے، اسے نہ انسانی حقوق ملیں اور نہ جمہوری۔ ملک پھر بھی سیکولر کہلائے اور جمہوری بھی۔لیکن قرائن بتاتے ہیں کہ برہمن کے لیے یہ قیامت اب آنے ہی والی ہے۔ ہندوستان میں 160 ملین (16 فیصد) دلیت (نچلی ذات کے ہندو) ہیں جبکہ برہمن صرف 3.5 فیصد ہیں۔جمہوری دور میں اتنی بڑی اکثریت کو زیادہ دیر دبا کر رکھنا ممکن نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

برہمنیت جمہوریت کا روپ دھارے یا دھرم رکھنے کی کوشش کرے مستقبل میں اس کی خیر نظر نہیں آتی۔

ہندو مسلم فسادات

آئین سیکولر ہونے کے باوجود تشدد پسند ہندو سیکولر آئین کو ختم کر کے ہندوستان میں ہندو راج اور رام راج لانا چاہتے ہیں۔ متشدد ہندوؤں کی ایسی ہی سازشوں کا شاخسانہ ہے کہ آئے دن ہندو مسلم فسادات ہوتے رہتے ہیں۔ اب تک شائع ہونے والی معلومات کے مطابق 1950ء اور 1994ء کے دوران ہندوستان میں 18094 بار ہندو مسلم فسادات ہوئے۔ جن میں ہونے والی قتل و غارتگری کے ساتھ ساتھ مسلم پراپرٹی کا بے پناہ نقصان ہوا۔ 1947ء میں اعلان آزادی کے بعد نقل مکانی کے دوران کم از کم 450,000 مسلمان شہید کیے گئے۔ اسی طرح 1950ء اور 1994ء کے دوران 15182 مسلمان ان فسادات کی بھینٹ چڑھائے گئے۔ سال 2002ء میں گجرات سے شروع ہونے والے فسادات تو سب سے گھناؤنے تھے ان میں کم از کم دو ہزار مسلمان شہید کیے گئے۔

فسادات کی وجوہات

ہندو مسلم فسادات کی وجوہات پاکستان بننے سے پہلے کچھ اور نوعیت کی تھیں اور آزادی کے بعد کے حالات میں ان کی نوعیت بہت بدل گئی۔ پاکستان بننے سے پہلے گائے کا ذبح کرنا اور اس کی قربانی، مسجدوں کے سامنے جلوس نکالنا اور اونچی آواز سے موسیقی بجانا وغیرہ وغیرہ فسادات کی بڑی بڑی وجوہات ہوا کرتی تھیں۔ لیکن آزادی کے بعد ان مقامات اور علاقوں میں زیادہ تعداد میں اور اور شدید قسم کے فسادات ہوئے جہاں پر مسلمانوں میں تعلیمی اور سیاسی شعور بہتر تھا اور ان کی کوششوں کی وجہ سے ان کے مالی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معاشی حالات تیزی سے بہتر ہو رہے تھے۔ خود پنڈت جواہر لعل نہرو وزیر اعظم ہندوستان نے ایک دفعہ ان حقائق کا اقرار کرتے ہوئے اپنے الفاظ میں کہا کہ ''اب فسادات کے پیچھے ایک نیا جذبہ کارفرما ہو گیا ہے جو کہ آزادی سے پہلے موجود نہیں تھا۔ وہ ہے مالی منفعت۔ یہ عنصر نیا شامل ہوا ہے۔ جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ کسی خاص علاقہ میں مسلمانوں کو خوفزدہ کر کے نقل مکانی پر مجبور کیا جائے تاکہ ان کی جائیدادوں پر قبضہ کیا جا سکے''۔ اسی طرح 3 ستمبر 1954ء کو آنجہانی نہرو نے یہ بھی اقرار کیا کہ ''عام طور پر مسلمان فسادات شروع کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے کیونکہ وہ آبادی میں کم ہیں اور ہندوؤں سے خوفزدہ ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی حالت بھی خراب ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ ان کی طرف سے فسادات کی کوشش ان کی مشکلات میں اضافہ کرے گی''۔

فسادات کرانے میں ہندوستان کے ریاستی ادارے خاص طور پر میڈیا اور پولیس برابر کے شریک ہیں۔ فوج کا طریق کار بے شک بالکل علیحدہ ہے مگر اڑتے پرندے کچھ ایسی سرگوشیاں بھی کرتے پائے گئے ہیں کہ اس معاملہ میں ہندوستانی فوج کا دامن بھی پوری طرح صاف نہیں۔ ہندوستان کی عام آبادی امن پسند ہے اور لوگ خواہ مخواہ فساد نہیں چاہتے۔ مگر ہر جگہ کچھ فسادی لوگ موجود ہیں جو سیاسی طور پر بہت منظم ہیں۔ یہ فسادی لوگ مسلمانوں کے نسبتاً خوشحال علاقوں میں جا جا کر عام ہندوؤں کو معاشی استحصال اور مذہب کے نام پر اکساتے ہیں اور نئے نئے نعرے ایجاد کرتے ہیں۔ آج کل ان نعروں میں سب سے زیادہ لگایا جانے والا بہت مشہور نعرہ یہ ہے کہ ''ان (مسلمانوں) پر چربی بہت زیادہ چڑھ گئی ہے''۔ اور پھر یہ زائد چربی اتارنے کے لیے ان کے پاس مسلم کش فسادات کے سوا شاید کوئی اور آسان اور تیر بہ ہدف نسخہ نہیں ہے۔ یہ واقعہ سب جانتے ہیں کہ ایودھیا میں 1992ء میں بابری مسجد کی شہادت کے موقع پر مقامی حکومت نے فوج کو حملہ آور فسادیوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے خلاف مدد کے لیے بلایا مگر فوج نے انکار کر دیا جبکہ ایودھیا میں 200,000 ہندو مسلح غنڈے موجود تھے اور ان کے عزائم کسی سے ڈھکے چھپے نہ تھے۔

سکھ اور عیسائی

آزادی کے بعد شروع شروع میں مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوستان میں سکھوں اور عیسائیوں سے بہت اچھا سلوک کیا جاتا تھا۔ اس کا اصل مقصد بین الاقوامی سطح پر دنیا کو یہ باور کرانا تھا کہ ہندوستان میں اقلیتوں سے کوئی امتیازی سلوک نہیں برتا جاتا مسلمان تو خواہ مخواہ ہی شور کرتے ہیں۔ اس طرز عمل سے ان دونوں اقلیتوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں انہیں ترجیحی بنیادوں پر ملازمتیں دی گئیں۔ اس طرح تعلیم کے میدان میں عیسائی سب سے آگے نکل گئے۔ ہندوستان میں عام تعلیمی تناسب 65 فیصد ہے۔ سیکنڈری سطح تک عیسائی 17.4 فیصد تعلیم یافتہ ہیں جبکہ ہندو 7.4 فیصد اور مسلمان صرف 4.2 فیصد۔ لیکن متعصب ہندو گروہ ان اقلیتوں سے بھی اچھا سلوک زیادہ دیر نہ نبھا سکے اور انہوں نے ان کے خلاف بھی بہانے بنا کر فسادات شروع کر دیے۔ وزیر اعظم اندرا گاندھی کے قتل کے موقع پر کم از کم 5,000 سکھ بے گناہ قتل کیے گئے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق اب سکھ بے چارے بھی زیر عتاب ہیں اور ان پر بھی عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔ ان کے لیے آرمی اور سول سروسز میں داخلے کے دروازے بتدریج بند کیے جا رہے ہیں۔ اسی طرح آج کل مسلمانوں کی مسجدوں کے ساتھ ساتھ عیسائیوں کے گرجا گھر بھی جلائے جا رہے ہیں۔ گویا ہندوستان میں کوئی اقلیت بھی محفوظ نہیں۔

زمین کی ملکیت کے اعداد و شمار کے مطابق ہندوستان میں بے زمین ہندو 28 فیصد، مسلمان 35 فیصد اور عیسائی 30 فیصد ہیں۔ 1981ء میں ہندوستان کے سب سے بڑے صنعتی مرکز ممبئی کے ایک شماریاتی سروے سے پتہ چلا کہ ممبئی کے 2832 صنعتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کارخانوں میں سے صرف 4 مسلمانوں کی ملکیت تھے اور یہ چار بھی درمیانے درجے کے چھوٹے یونٹ تھے۔

سرکاری عہدے

سرکاری عہدوں اور ملازمتوں کے سلسلہ میں بھی مسلمانوں کا حال نہایت پتلا ہے۔ 1986ء کے ایک اندازے کے مطابق مرکزی حکومت میں 12 فیصد مسلمان اقلیت کے صرف 4.4 فیصد ملازم تھے۔ ان میں سے بھی کلاس ٹو (Class II) کے تقریباً 3 فیصد اور کلاس ون (Class I) کے صرف 1.4 فیصد ملازمین مسلمان تھے۔ اس بارے میں 1953ء میں وزیراعظم نہرو نے خود کہا کہ "یہ جان کر مجھے سخت کوفت ہوئی ہے کہ سروسز میں اقلیتوں کا حصہ سراسر نقصان میں جا رہا ہے خاص کر مسلمان اقلیت کا۔ دہلی کے وسیع مرکزی سیکریٹریٹ میں شاید ہی کوئی مسلمان ملازم ہو"۔ اسی اثنا میں ایک اور دلچسپ حقیقت بھی آشکار ہوئی کہ ہندوستان کی ہندو آبادی میں سے بھی برہمن باقی تینوں ذاتوں کی نسبت سب سے اعلیٰ اور مقتدر قوم ہیں۔ آبادی کے لحاظ سے برہمن صرف 3.5 فیصد ہیں مگر عدلیہ کی 78 فیصد کلیدی اسامیوں پر قابض ہیں اور اسی طرح پارلیمنٹ کی 50 فیصد سیٹیں بھی ان کے پاس ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری اعلیٰ انتظامیہ وغیرہ میں بھی ایسا ہی حال ہے۔ گویا ہندوستان میں ایک قسم کی خفیہ نسل پرستی (Indian hidden appartheid) پر نہایت منظم طریقے سے عمل درآمد ہو رہا ہے۔ اور اس کے باوجود لاڈلی اقلیت کی پھبتی مسلمانوں پر کسی جا رہی ہے۔

تعلیم:

تعلیم کے میدان میں بھی مسلمان ہندوؤں اور دوسری قوموں سے بہت پیچھے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انگریزوں اور ہندوؤں کی ملی بھگت اور مسلمانوں کی ان سے شدید نفرت کی وجہ سے مسلمانوں میں تعلیم کا تناسب پہلے ہی کم تھا۔ سرسید احمد خاں کی تحریک کی وجہ سے کچھ پیش رفت ہوئی تو تھی مگر آزادی کے بعد ہندوستان میں تعلیم کی رفتار بہت ہی کم ہوگئی۔ 1986ء ہی کے ایک سروے سے یہ انکشاف ہوا کہ سیکنڈری سکول کی سطح تک عیسائی 17.4 فیصد، ہندو 7.4 فیصد اور مسلمان صرف 4.2 فیصد ہیں۔ شہری علاقوں میں یہ تناسب قدرے بہتر ہے تاہم فیصدی تناسب وہی ہے۔

سلیبس

تعلیم کے سلسلہ میں مسلمانوں کے پیچھے رہ جانے کے متعدد اسباب ہیں۔ ان میں سے ایک نہایت اہم سبب ہندوستان کا تعلیمی نظام ہے۔ ملکی آئین بے شک سیکولر ہے مگر تعلیمی نظام اور پڑھائے جانے والے تمام کے تمام سلیبس ہندومت کے گرد گھومتے ہیں۔ عام مسلمان اس اندیشے کی وجہ سے اپنے بچوں کو انڈین تعلیمی اداروں اور گورنمنٹ سکولوں میں داخل نہیں کراتے کہ کہیں ان کے عقائد خراب نہ ہو جائیں۔ تعلیمی اداروں کے کورسز میں، دیوتاؤں سے متعلق دیومالائی قصے، مذہبی تعصب اور اسلامی عبادات اور اسلامی شعائر کے متعلق مضحکہ خیز مواد کا پایا جانا ایک عام بات ہے۔ مثلاً پرائمری سکول کی حساب کی کتاب کا ایک سوال یوں ہے کہ اگر 15 ہندو کرسیوک (Karsevak) رضا کار بابری مسجد کو 300 دنوں میں گرا سکتے ہیں تو کتنے کرسیوک اس کو 10 دنوں میں گرانے کے لیے درکار ہوں گے؟ پانچویں جماعت ہی کی ایک اور کتاب میں لکھا ہے کہ انڈین عقیدے کے مطابق دریائے گنگا وشنو دیوتا کے قدموں میں سے نکلا اور دیوتا شیوا کے گھنے بالوں میں سے ہوتا ہوا ہمالیہ پہنچا۔ اور براہما دیوتا نے اس کو زمین پر اتارا کہ اسے پوتر کرے یعنی پاک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرے۔ یہاں لفظ انڈین لکھا ہوا ہے ہندو نہیں۔ ہندو گنگا کو بہت متبرک اور پوتر دریا مانتے ہیں جبکہ مسلمانوں کے نزدیک گنگا بھی سندھ اور راوی کی طرح کا ایک عام سا دریا ہے۔

بھارت گورنمنٹ کی طرف سے آر ایس ایس (راشٹریہ سیوک سنگھ) کو نصاب میں تبدیلیوں کا ٹاسک دیا گیا اور اس کے نتیجے میں جو تبدیلیاں تجویز کی گئیں ان کے مطابق، ''ہندوستان میں غیر ہندوؤں کو لازماً ہندو کلچر اور زبان اپنانا پڑے گی۔ مسلمان عیسائی اور پارسی وغیرہ غیر ملکی ہیں اور دنیا کا پہلا آدمی ہندوستان کی سرزمین میں پیدا ہوا تھا''۔ تاریخی نصاب کو بھی بدلنے کی کوشش کی جارہی ہے مثلاً ''تاج محل دراصل ایک پرانی ہندو عمارت تیج محل تھی، شاہ جہاں نے اس کو تاراج کر دیا اور وہاں تاج محل بنا دیا ہندو سب سے اعلیٰ مذہب ہے اور ہندوستان کے تمام مسائل ان لوگوں کے پیدا کردہ ہیں جو ہندو نہیں''۔ تاریخ تبدیل کرنے کی کوششیں جاری ہیں، مثلاً ''آرین ہندوستاں کے قدیمی باشندے تھے۔ ہندومت کی تہذیبی بنیاد آرین تہذیب ہے۔ ہندو راجاؤں کے سنہرے دور میں بہت خوشحالی تھی مسلمانوں کی آمد سے یہاں بربریت کا دور شروع ہوا۔ مغل بڑے ظالم اور جابر تھے۔ مسلمان ملک کے دشمن اور ملک کی تقسیم کے ذمہ دار ہیں''۔

بندے ماترم

تعلیمی اداروں میں مسلمان بچوں کو بھی ہندی ترانہ ''بندے ماترم'' پڑھنے اور ہاتھ باندھ کر اس کی تعظیم کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ بندے ماترم ہندی ترانہ ہے جو اسلامی عقائد اور شعائر کے سخت خلاف ہے۔ یہ ترانہ دیوتاؤں اور بتوں کی عظمت اور ان کی پرستش کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کا پڑھنا اور اس کی تعظیم مسلمانوں کے بنیادی عقیدے یعنی توحید کی نفی ہے جو کوئی مسلمان برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ تعلیمی اداروں کے ہاسٹلوں میں مسلمان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طالب علموں کو اچھوت سمجھا جاتا ہے اور انہیں کچن کی طرف جانے یا کھانے پینے کی چیزوں کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں۔

چائلڈ لیبر

تعلیم میں پیچھے رہ جانے کی دوسری بڑی بڑی وجوہات مسلمان آبادی کی عام جہالت، جدید تعلیم کی اہمیت سے انکار اور بے توجہی، مذہبی انتہا پسند جماعتوں اور فرقوں کی ہٹ دھرمی اور ان کا بڑھتا ہوا اثر، حکومت کی جانبدارانہ، دوغلی اور غیر منصفانہ پالیسیاں، درسی کتابوں میں ہندومت (Hindu Mythology) کی اشاعت، تعلیمی خراجات، معاشرے اور خاندانوں میں نمائندہ اور قابل نمونہ شخصیات کی عدم موجودگی (Loss of Role Models) اور مسلمانوں کی مجموعی اقتصادی بدحالی ہیں۔ ہندوستان میں ایک اندازے کے مطابق چھ اور چودہ سال کی عمر کے 50 سے 115 ملین بچے سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کی بجائے کھیتوں، کارخانوں، تجارتی منڈیوں، بازاروں اور دوسری کاروباری جگہوں میں مزدوری کرتے نظر آتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر نچلی ذات کے ہندو اور مسلمان بچے ہیں۔

چائلڈ لیبر تمام ترقی پذیر ممالک خصوصاً ہندوستان میں ایک بہت بڑا بزنس بن گیا ہے۔ چائلڈ لیبر کی مانگ مزدوری کم دینے اور کام زیادہ لینے کی وجہ سے عام مزدوروں سے بہت زیادہ ہے۔ عام پروفیشنل مزدوروں اور محنت کشوں کی بہ نسبت چائلڈ لیبر کو قابو میں رکھنا بہت زیادہ آسان ہے۔ غریب مسلمانوں میں تعلیم کے تناسب کی کمی کا ایک بڑا سبب شہری علاقوں اور مختلف صنعتوں میں چائلڈ لیبر کی یہ بڑھتی ہوئی مانگ بھی ہے۔ غریب والدین مہنگی تعلیم کا خرچہ برداشت کرنے کی بجائے بچوں کو مزدوری کرنے بھیج دیتے ہیں کہ چلو بچہ لوگ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کچھ تو مال لائیگا۔

مسلم آبادی

مسلمانوں پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ ان کی آبادی ہندوؤں کی نسبت زیادہ تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اس رجحان کے خلاف الیکٹرانک میڈیا کی اشتہاری مہموں کے ساتھ ساتھ کارٹونوں سے بھی مدد لی جاتی ہے۔ فیملی پلاننگ کے محکمہ نے اس مقصد کے لیے بہت سے ایسے اشتہاری کارٹون شائع کیے ہیں جن سے نسلی منافرت کی بو آتی ہے مثلاً ایک اشتہار میں ایک ہندو میاں بیوی کو دکھایا گیا ہے جن کے ساتھ دو صحت مند اور خوبصورت بچے ہیں اور اس کے نیچے لکھا ہے کہ ''ہم دو اور ہمارے دو''۔ اس کے مدمقابل ایک اور کارٹون ہے جو مسلمانوں کے متعلق بنایا گیا ہے اس میں ایک مسلمان کی چار 4 بیگمات اور ایک لمبی لائن بدصورت اور لاغر بچوں کی دکھلائی گئی ہے اور اس کے نیچے لکھا ہے'' ہم پانچ اور ہمارے پچیس''۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ

سیاسی لحاظ سے بھی مسلمان ہندوؤں سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ ہندوستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی جو جداگانہ انتخابات کی بنیاد پر وجود میں آئی تھی اس کی کل 235 نشستوں میں سے 31 مسلمانوں کے حصے میں آئی تھیں۔ لیکن ہندوستانی پارلیمنٹ میں جب مستقل بنیادوں پر جداگانہ انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا تو چند ایک مسلمان ممبروں کے علاوہ باقی سب کے سب خاموش رہے۔ ان خاموش رہنے والے ممبران میں مولانا ابوالکلام آزادؒ بھی تھے۔ اس طرح جداگانہ انتخابات کی قرارداد ناکام ہوگئی جس کے بعد آہستہ آہستہ پارلیمنٹ، لوک سبھا اور دوسری اسمبلیوں میں مسلمان ممبروں کا تناسب کم ہونا شروع ہوگیا اور 1991ء میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

12 فیصد سے کم ہوتے ہوتے یہ صرف پانچ (5.03) فیصد رہ گیا۔ کچھ علاقوں میں مسلمانوں کی سیاسی حیثیت اب مستحکم ہوتی نظر آ رہی ہے۔ ایک بڑی اقلیت ہونے کی بنا پر بہت سے علاقوں میں یہ اب ایک فیصلہ کن سیاسی قوت ہیں شاید اسی لیے مخالفین مسلمانوں کو لاڈلی اقلیت (Prodigal minority) بھی کہتے ہیں۔

شیوسینا اور راشٹریہ سیوک سنگھ

مسلم علاقوں میں ہندو مسلم اختلافات کو ہوا دینے، فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے اور لوٹ مار کا بازار گرم کرنے کا سہرا شیوسینا (Shiv Sena) اور راشٹریہ سیوک سنگھ (RSS) جیسی مسلم دشمن اور انتہائی متعصب ہندو تنظیموں کے سر بندھتا ہے۔ شیوسینا کے سب سے بڑے تنگ نظر لیڈر بال ٹھاکرے مسلم دشمنی خاص کر پاکستان دشمنی میں بہت آگے ہیں۔ بابری مسجد کی شہادت میں شیوسینا اور اس کی ہمنوا پارٹیوں نے حکومتی پارٹی کی اشیر باد سے سب سے اہم حصہ لیا۔ اب بھی بابری مسجد کی جگہ رام مندر تعمیر کرنے کے لیے یہی متعصب پارٹیاں عام ہندوؤں کو منظم کر رہی ہیں۔ ان کی اپیل یہ ہے کہ ہر ہندو کا یہ فرض ہے کہ وہ کم از کم ایک اینٹ ایودھیا پہنچائے یا اس کا خرچہ برداشت کرے۔ بال ٹھاکرے اور اس کی پارٹی کا یہ بھی نعرہ ہے کہ ہندوستان ہندوؤں کا ہے اور مسلمان یہاں صرف ہماری شرائط پر ہی رہ سکتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ حکومت سیکولرزم کی پالیسی ترک کرے اور ہندومت کی بنیاد پر ایک ہی شہری قانون نافذ کرے۔ جو اس کو نہ مانے اس کو ہندوستان میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔ بال ٹھاکرے نے کہا کہ بابری مسجد کے انہدام کا دن (6 دسمبر 1992) ان کی زندگی کا انتہائی خوشی (Happiest) کا دن ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی حالت زار کا نقشہ جس طرح مولانا الطاف حسین حالی نے اپنے چند اشعار میں کھینچا ہے وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جناب خالد لطیف گابھا کی مجبور آوازوں کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے:

نہ حکومت کے رازدار ہیں ہم
نہ درباریوں میں سرفراز ہیں ہم
نہ علم میں شایان اعزاز ہیں ہم
نہ صنعت و حرفت میں ممتاز ہیں ہم
نہ رکھتے ہیں کچھ منزلت نوکری میں
نہ حصہ ہمارا ہے سوداگری میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بالی اور رام لعل

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مزار شریف سے واپسی پر طبیعت کافی مکدر تھی۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ مزار شریف پر کم علم اور کمزور عقاید کے مالک سادہ لوح مسلمان سلام دعا کے بجائے مزار شریف کی طرف منہ کر کے قیام و رکوع اور سجود ہی کیے چلے جا رہے تھے۔ اور کچھ اس وجہ سے کہ خادمین مزار اور متولی حضرات ہر زائر سے بڑی گیارھویں شریف کے نام پر خصوصی دعا کی غرض سے نذر و نیاز کے لیے درخواست نہیں کر رہے تھے بلکہ باقاعدہ مطالبہ اور پرزور تقاضا کر رہے تھے۔ ہم نے اپنے آپ اور پاکستانی عوام کو اولیاء اللہ کے گستاخوں کی فہرست میں جانے سے بچانے کے لیے تھوڑا بہت چندہ تو دے دیا مگر تفصیلی نام پتہ نوٹ کرانے میں تامل کیا کہ مبادا ان کی خاص دعا ہمارے ہی کھاتے میں پڑ جائے جو وہ عام طور پر مانگا کرتے ہیں کہ اے اللہ اولیاء اللہ کی جھوٹی سچی کرامات کو نہ ماننے والے گستاخان اولیاء کو ہدایت دے یا ان سے ہماری جان چھڑا اور اس دھرتی کو ان سے پاک کر دے۔

انعام

اس کی دوسری وجہ مزار شریف کے نزدیک بازار میں عام ہوٹلوں کے باہر بھوکے مسلمانوں کی لمبی لمبی قطاریں اور ارد گرد کی آبادی میں تعفن، کوڑا کرکٹ اور آلودگی کی بہتات، لوگوں کی غربت، ان کی پسماندگی اور زبوں حالی تھی۔ عام لوگوں کی صحت، مکانات اور گلیوں کی حالت سخت خراب نظر آ رہی تھی۔ مگر پھر بھی ہوٹل سمراٹھ پہنچنے پر ہم نے اپنے چست و چالاک اور نہایت باتونی نوجوان سکھ ڈرائیور سردار بالی سنگھ کو اس کی ٹھیٹھ پنجابی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں دلچسپ گفتگو اور آج کی اچھی کارکردگی کی بنیاد پر 50 روپے بطور انعام دیے۔ انعام لیتے ہوئے اس نے بڑے غور سے پہلے ہماری طرف پھر انعام کی طرف دیکھا پھر ہمارے مکرر اشارے پر تشکر کے جذبات کو الفاظ کا جامہ پہنائے بغیر ہی وہ اپنا ہاتھ جیب کی طرف لے گیا اور رب راکھا کہہ کر گاڑی کی طرف چل دیا۔

ماتھا ٹیکنا

ہوٹل کے مین گیٹ سے ہوتے ہوئے ہم استقبالیہ سے اپنے کمرے کی چابی لے کر لفٹ کی طرف بڑھے تو یوں محسوس ہوا کہ کوئی دبے پاؤں پیچھے آ رہا ہے۔ جونہی گھوم کر دیکھا تو ڈرائیور بالی کو پیچھے آتے ہوئے پایا۔ ہم نے کچھ کچھ حیران ہوتے ہوئے پوچھا کہ بالی کیا بات ہے؟ وہ جھجکتے ہوئے کہنے لگا کہ سر جی پریشانی والی تو کوئی بات نہیں۔ میں تو صرف یہ پوچھنے آیا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو میں صبح سویرے چھ بجے حاضر ہو جاؤں۔ میں صبح جلدی اٹھ جاتا ہوں، بیوی بچے ہیں نہیں اس لیے بالکل فارغ ہوتا ہوں۔ ہم نے مزید حیران ہو کر پوچھا کہ بالی سیمی نار کا وقت تو ساڑھے نو بجے ہے۔ اتنی صبح ہم کہاں جائیں گے۔ آپ زیادہ سے زیادہ نو، پونے نو بجے آ جانا۔ بالی کہنے لگا کہ سر جی اس وقت تو میں آ ہی جاؤں گا مگر میرا خیال تھا کہ اگر میں صبح چھ بجے آپ کے پاس آ جاؤں تو ہم اس وقت دہلی کی شاہی مسجد چلیں۔ آپ وہاں مسجد میں ماتھا ٹیک لینا (یعنی نماز پڑھ لینا) اور مسجد کی سیر بھی کر لینا۔ اس کے بعد ہم ہوٹل واپس آ جائیں گے۔ ہم نے بالی کو بتایا کہ ان جگہوں کے دیکھنے کا پروگرام مسٹر چن ویر کے ساتھ بن چکا ہے۔ اس لیے ہم طے شدہ پروگرام کے مطابق ہی چلیں گے۔

اس پر وہ بادل نخواستہ واپس چلا گیا۔

www.kitabosunnat.com

سیڈ انڈسٹری

بالی کے جانے کے بعد ہم سوچتے رہے کہ یہ بالی صاحب اچانک اتنے مہربان کیوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو گئے ہیں۔ اس پر ہمیں ڈاکٹر امتزاج حسین، ایڈیشنل سیکرٹری، حکومت پاکستان کا سنایا ہوا ایک واقعہ یاد آ گیا جو خود ان کے ساتھ ان دنوں پیش آیا تھا جب وہ انڈین سیڈ انڈسٹری کا مطالعاتی دورہ کرنے کے لیے ہندوستان گئے تھے۔ یہ دورہ انہوں نے انڈین سیڈ انڈسٹری کی دعوت پر چند سال پہلے ڈاکٹر محبوب علی مینیجنگ ڈائریکٹر، پنجاب سیڈ کارپوریشن جیسے ماہرین پر مشتمل ایک وفد کے سربراہ کی حیثیت میں کیا تھا۔ اس وفد کا یہ ہفتہ دس دن کا نہایت مصروف اور زوردار دورہ تھا۔ اس دورہ میں انہوں نے ہندوستان کی سیڈ انڈسٹری کا تفصیلی مطالعہ کرنا تھا کہ وہ زمینداروں کو اعلیٰ کوالٹی کا بیج مہیا کرنے میں کہاں تک کامیابی حاصل کر سکی ہے اور اس میں سرکاری اور نجی شعبوں کا رول کیا تھا۔ اس دورے میں انہوں نے زمینداروں کے بیج کے کھیتوں سے لے کر لیبارٹری اور سٹوریج تک پیش آنے والے تمام مراحل بشمول بیجوں کا تجزیہ، پراسسنگ پلانٹ پر صفائی، درجہ بندی اور بیماریوں کے خلاف زہر پاشی، بیج کی پیکنگ، سٹوریج، قیمتوں کا تعین اور مارکیٹنگ وغیرہ کا تفصیلی جائزہ لیا۔

نجی شعبہ

پاکستان واپسی پر ہم نے ان سے دورے کی تفصیلات جاننے کی کوشش کی۔ انہوں نے کافی تفصیل سے بتایا کہ ہندوستانی سیڈ انڈسٹری کافی کامیاب جا رہی ہے اور اس کامیابی میں نجی شعبہ کی کوششوں کا عمل دخل کافی نمایاں نظر آتا ہے۔ نجی شعبہ میں تقریباً چالیس کمپنیاں ایسی ہیں جو بیجوں کی افزائش کے ساتھ ساتھ نئی اقسام بنانے کے لیے اپنے تحقیقاتی پروگرام بھی چلا رہی ہیں۔ یہ کمپنیاں زیادہ تر بہتر پیداوار کے حامل ہائبرڈ بیج ہی بناتی ہیں۔ یہ ہائبرڈ بیج زمینداروں میں کافی مقبولیت حاصل کر رہے ہیں۔ ہندوستان میں نجی شعبہ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کارکردگی کو دیکھتے ہوئے اس وفد کی رپورٹ میں جو سفارشات حکومت کو پیش کی گئیں ان میں یہ نقطہ نمایاں طور پر شامل تھا کہ پاکستان میں بھی نجی شعبہ کی مناسب حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے۔ ان کی سفارشات پر عمل درآمد کا فیصلہ تو اسی زمانے میں ہو گیا تھا، حکومت نے نجی شعبہ کو بھرپور حصہ لینے کی اجازت بھی دے دی تھی۔ مگر اس کے مثبت اثرات اب ظاہر ہونا شروع ہوئے ہیں جبکہ ملک میں سات سو سے زائد مقامی کمپنیاں رجسٹرڈ ہو کر بیجوں کی پیداوار اور ترسیل کا کام شروع کر چکی ہیں۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس نجی شعبہ کو زرعی تحقیقات اور نئی اقسام بنانے کی طرف بھی مائل کیا جا سکے۔ اس کے لیے رپورٹ میں یہ تجویز کیا گیا تھا کہ بنیادی تحقیقات (Basic research) کا کام تو سرکاری شعبہ اپنے ذمہ لے لے اور یہ کام سرکاری زرعی تحقیقاتی اداروں میں بدستور کیا جاتا رہے مگر بعد کی پیداواری اور عملی تحقیقات (Applied research) کا دائرہ نجی شعبہ تک وسیع کر دیا جائے تاکہ وہ بھی اس شعبہ میں سرمایہ کاری کرے اور نئی اقسام بنائے۔ مزید براں نجی شعبہ بنیادی تحقیقات کے لیے سرمایہ مہیا کرنے میں بھی حصہ دار بنے۔ ڈاکٹر صاحب نے ہندوستان کی سیڈ انڈسٹری کے تفصیلی جائزے کے دوران اپنے ساتھ پیش آنے والا ایک دلچسپ واقعہ بھی سنایا جو کچھ یوں تھا:

رام لعل

دورہ ختم کر کے یہ وفد جب پاکستان واپس آ رہا تھا تو آخری دن ان کے ڈرائیور رام لعل نے ایک عجیب و غریب فرمائش کر کے ان کو حیران کر دیا۔ رام لعل ڈاکٹر صاحب سے کہنے لگا کہ سر جی آپ نے مجھ غریب پر جہاں اور بہت سی مہربانیاں کی ہیں وہاں ایک آخری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مہربانی اور بھی کر دیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ہم نے اس سے پوچھا کہ بھئی تم کیسی مہربانی چاہتے ہو؟ ہمارا خیال تھا کہ شاید وہ مالی مدد یا اور کسی چیز کی فرمائش کرے گا مگر ہماری توقع کے بالکل خلاف وہ کہنے لگا کہ آپ جاتے ہوئے مجھے بھی اپنے ساتھ پاکستان لے چلیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ رام لعل کی یہ عجیب و غریب فرمائش سن کر ہم حیران و پریشان رہ گئے اور اس سے پوچھا کہ وہ پاکستان جا کر کیا کرے گا؟ بولا کہ صاحب جی وہاں جا کر بھی میں آپ کی ڈرائیوری ہی کروں گا اس کے علاوہ مجھے اور آتا ہی کیا ہے؟

ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ہم بہت مشکل میں پڑ گئے کہ اب اس ان پڑھ آدمی کو کیسے سمجھائیں کہ قانون اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم اسے اپنے ساتھ لے جائیں۔ ہم نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی اور بتایا کہ پاسپورٹ اور حکومت کی اجازت کے بغیر نہ کوئی شخص ہندوستان سے پاکستان جا سکتا ہے اور نہ ہی پاکستان سے ہندوستان آ سکتا ہے اور ساتھ ہی ہم نے اپنے اپنے فوٹو والے پاسپورٹ بھی اسے دکھائے جنہیں دیکھ کر اسے کچھ کچھ سمجھ آ گئی کہ اس کا اس وقت ہمارے ساتھ جانا ممکن نہیں۔ ہم نے اسے مزید بتایا کہ اگر وہ ایسا کرنا چاہتا ہے تو پہلے ہندوستان میں اپنا پاسپورٹ بنوائے اور پھر وہ کچھ عرصہ کے لیے پاکستان آ سکتا ہے۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ وہ پاسپورٹ ضرور بنوائے گا تاکہ پاکستان کا چکر لگا سکے۔

پھیرے

ڈاکٹر صاحب بتا رہے تھے کہ ہم نے بھی اس سے پوچھا کہ رام لعل تم پاکستان کیوں جانا چاہتے ہو؟ اس نے اپنی مارواڑی قسم کی زبان میں بتانا شروع کیا جو ہمارے لیے کچھ کچھ اجنبی تو ضرور تھی مگر سمجھ پوری آ رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ سر جی میں نے پچھلے چند دن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ کے ساتھ گزارے ہیں۔ بس یوں سمجھ لیں کہ یہ چند دن میری ڈرائیوری کے سب سے رنگین اور سنہرے دن تھے۔ اس میں آپ نے مجھے وہی کھانا کھلایا جو آپ نے خود کھایا۔ دور دراز مقامات پر آتے جاتے جب آپ نے منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے چائے یا بوتل پی یا کوئی پھل وغیرہ چکھا تو مجھے بھی ساتھ ہی کھلایا پلایا۔ جناب نے میرے ساتھ جتنا اچھا سلوک ان چند دنوں میں کیا اس کا تو مجھے کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا۔ بھگوان کی قسم ادھر ہندوستان میں ہم ڈرائیور لوگ کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہمارا صاحب ہمیں اپنے برابر بٹھا کر چائے پلائے یا کھانا کھلائے۔ جناب جتنے مزے دار کھانے میں نے آپ کے ساتھ ان دنوں میں کھائے ہیں وہ زندگی میں اب تک صرف ایک بار کھانے نصیب ہوئے تھے۔ ہم نے کریدا کہ بتاؤ وہ کون سا موقع تھا۔ کچھ شرما کر کہنے لگا کہ صاحب جی یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہمارے پھیرے لگے تھے۔ ڈاکٹر محبوب نے پوچھا کہ رام لعل یہ پھیرے کیا ہوتے ہیں؟ رام لعل نے تھوڑا اور شرماتے ہوئے کہا صاحب جی پھیرے لگنے کا مطلب ہے جب میری شادی ہوئی تھی۔ ہم لوگ اگنی دیوتا کو خوش کرنے کے لیے آگ کے گرد سات چکر لگاتے ہیں۔ ان پھیروں کے دوران ہمارے دامن ایک دوسرے سے بندھے ہوتے ہیں اور برہمن اشلوک پڑھتے رہتے ہیں۔ یہ برہمن بھی خوب ہوتے ہیں کسی غریب کی شادی ہو تو منٹوں میں بھگتا دیتے ہیں اور اگر گھرانہ امیر ہو تو ان کے اشلوک اور منتر ختم ہونے میں ہی نہیں آتے۔ ڈاکٹر صاحب نے ہنستے ہوئے پوچھا کہ شاید قطبی تارہ بھی دیکھا جاتا ہے۔ رام لعل جھینپ کر کہنے لگا کہ ہاں جی اگلی رات ہمیں اکھٹے قطبی تارہ بھی دیکھنا ہوتا ہے جو کہ وفاداری اور پائیداری کی نشانی سمجھا جاتا ہے مگر صاحب جی ہماری باری کے دن تو بادل چھائے رہے اور قطبی تارہ نظر نہ آیا۔ بھگوان کی کرپا ہے کہ ہماری شادی ٹھیک جا رہی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈرائیور

رام لعل کو تو جیسے پہلی دفعہ کسی سے بات کرنے اور اپنے دلی خیالات کے اظہار کا موقع ہاتھ آیا تھا۔ کہنے لگا جی سنا تھا کہ ''اتم کھیتی، مدھم بیوپار، نکھد چاکری'' مگر صاحب جی سچی بات یہ ہے کہ ساری چاکری نکھد نہیں ہوتی۔ افسر سارے ٹھاٹھ کرتے ہیں، حکم چلاتے ہیں، عیش کرتے ہیں اور مال بناتے ہیں۔ نکھد چاکری تو ہم بے چارے چھوٹے لوگوں کی ہے مگر ان چھوٹوں میں بھی جتنی نکھد نوکری ایک ڈرائیور کی ہوتی ہے اتنی ذلیل کوئی اور نہیں۔ مگر کیا کریں صاحب پیٹ کا دوزخ بھرنے اور بچوں کو پالنے کے لیے یہ بھی کرنا پڑتی ہے۔ وہ کہے جا رہا تھا۔ کہ کہنے کو تو ڈرائیور کے کنٹرول میں لاکھوں کی گاڑی ہوتی ہے مگر نہ دن اس کا اپنا ہوتا ہے اور نہ رات۔ نہ چھٹی اس کے بس میں ہوتی ہے نہ دفتر کے بعد کی شام۔ ڈرائیور کے بچے دفتر ٹائم کے بعد انتظار میں ہیں اور ڈرائیور صاحب رات کے گیارہ بجے تشریف لا رہے ہیں کہ کسی سرکاری مہمان اور اس کے بیوی بچوں کو شاپنگ اور سیر وغیرہ کے لیے لے جانا پڑا تھا۔ سر جی ایسے تو عام ہوتا ہے کہ صاحب کسی دفتر میں گئے ہیں یا بیگم شاپنگ کے لیے بازار گئی ہے اور ڈرائیور بے چارہ انتظار میں ہے۔ صاحب لوگ اے سی والے دفتروں میں میٹنگ کے نام پر گپ شپ کرتے ہیں اور چائے وغیرہ سے لطف اندوز ہو کر یا مارکیٹ سے گھوم پھر کر گھنٹوں بعد واپس آتے ہیں۔ اگر اسی وقت ڈرائیور گاڑی کی سیٹ پر نظر نہیں آیا تو ٹھہرا گردن زدنی، اور تو اور افسروں کی بیگمات اور بچے صاحب سے بھی زیادہ رعب ڈالتے اور حکم چلاتے ہیں۔ ڈرائیور نہ ہوا ذاتی نوکر ہوا۔ ڈرائیور بے چارہ انتظار کرتے کرتے تھک جاتا ہے مگر صاحب جی یہ سب کچھ تقدیر کا لکھا سمجھ کر برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔ کسی ڈرائیور کی نہ تو اپنی کوئی زندگی ہے اور نہ ہی اپنا کوئی پروگرام، ہر وقت سڑکوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے چوراہوں پر ٹریفک کی پھانسی ہے کہ گلے میں لٹکتی رہتی ہے اور شاید یہی ہے اس کی قسمت کی لیکھت۔

سڑک

ہمارے پاس کچھ وقت تھا اس لیے ہم اس کی دلچسپ رام کہانی سنے جا رہے تھے اور رام لعل بے تکان بولے جا رہا تھا کہ میں دہلی میں اکیلا رہتا ہوں۔ میرا گھر یہاں سے تقریباً تین چار سو میل دور ہے۔ سال میں بمشکل دو یا تین بار گھر کا چکر لگتا ہے اور اس کے لیے بھی بڑی مشکل سے چھٹی ملتی ہے اور آنے جانے میں کرایہ بھی بہت لگ جاتا ہے۔ صاحب جی بہت دنوں بے کار رہا اور جب بھگوان کی کرپا سے مجھے اس کمپنی کی نوکری ملی تو میں سمجھا کہ مجھے بادشاہت مل گئی ہے۔ کیونکہ بے کاری بہت بڑا عذاب ہے۔ بھگوان اس عذاب سے بچائے۔ گھر کا خرچہ، بیوی، بچوں کی کپڑوں وغیرہ کی ضروریات، گاؤں اور برادری میں رشتہ داروں اور شریکوں کے طعنے وغیرہ وغیرہ کون کون سے عذاب گنوائے جائیں۔ جب سے نوکری ملی ہے میں گاڑی کی بہت دیکھ بھال کرتا ہوں اور کبھی اس کا خون نہیں پیتا یعنی اس کے پٹرول اور مرمت وغیرہ میں ہیرا پھیری نہیں کرتا صاحب جی بے ایمانی کرنے کو من نہیں مانتا۔ صبح ہوتی ہے پھر شام ہوتی ہے بس جی میں ہوتا ہوں اور میری یہ گاڑی ہوتی ہے اور سامنے بے پناہ لمبی سڑک جو کہیں سے اچھی ہوتی ہے اور کہیں خراب۔ لگتا ایسے ہے کہ میری زندگی ختم ہو جائے گی مگر یہ سڑک کبھی ختم نہ ہوگی۔

تقویٰ

صاحب یہ سڑک بھی کیا چیز ہے؟ ہم ڈرائیوروں کے لیے تو یہ موت کا پھندہ ہے ہر وقت ٹکٹکی لگی رہتی ہے۔ ہر چوراہے اور ہر موڑ پر ایک نئی صورت حال سے سابقہ پیش آتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف سے گاڑیاں ہی گاڑیاں آ جا رہی ہوتی ہیں کسی طرف سے بھی غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور ہر لمحہ اپنے آپ کو بچا کر چلنا پڑتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ غلطی نہیں کریں گے اور ٹریفک کے اصولوں کی خلاف ورزی نہیں کریں گے تو بچے رہیں گے ایسی بات نہیں کیونکہ کسی دوسرے کی غلطی بھی آپ کے کھاتے میں پڑ سکتی ہے کوئی دوسرا نشے میں بھی ہو سکتا ہے اور کسی کو اونگھ بھی آ سکتی ہے جس کی زد میں آپ بھی آ سکتے ہیں۔ میں قانون نہیں توڑتا اور بھگوان کی بڑی کرپا ہے کہ میری گاڑی کا کبھی حادثہ نہیں ہوا، چھوٹی موٹی خراشوں کی اور بات ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ہم سوچنے لگے کہ اس سیدھے سادھے ڈرائیور نے زندگی کی بھول بھلیوں اور رنگینیوں سے اپنا دامن بچانے کے لیے تقویٰ کی کتنی اچھی تصویر کھینچی ہے۔

فٹ پاتھ

ڈاکٹر صاحب نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ رام لعل ادھیڑ عمر کا آدمی تھا اور ہمیں وہ اس لیے پسند تھا کہ وہ سگرٹ نہیں پیتا تھا کہ گاڑی کے دھوئیں کے ساتھ ساتھ خود بھی سگرٹ کے بدبودار مرغولے چھوڑے۔ وہ نسوار بھی نہیں کھاتا تھا کہ جگہ جگہ تھوتھو کرتا پھرے۔ اس کے علاوہ وہ بولتا بھی کم تھا۔ مگر شاید آج وہ اتنے دنوں اپنی نہ بولنے کی کسر پوری کر رہا تھا۔ جب اس نے بتایا کہ وہ دہلی میں اکیلا رہتا ہے تو ہم نے پوچھا کہ وہ کہاں رہتا ہے؟ تو اس نے اپنے کندھوں کو ہلکا سا جھٹکا دے کر جواب دیا کہ جناب میں بھی وہیں رہتا ہوں جہاں میرے جیسے دوسرے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں لوگ رہتے ہیں۔ میری کل متاع دو جوڑے کپڑے اور ایک عدد جوتا ہے۔ میں کپڑوں کا ایک جوڑا پہن لیتا ہوں اور دوسرا تہہ کر کے گاڑی میں ہی چھپا دیتا ہوں۔ جب دفتر کی ڈیوٹی سے فارغ ہو جاتا ہوں تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گاڑی دفتر یا صاحب کے گھر بند کر کے کسی تندور وغیرہ سے سستا سا کھانا کھا لیتا ہوں اور کسی بڑے اور کھلے فٹ پاتھ والی قریبی سڑک پر پہنچ جاتا ہوں۔

اپنی چیزوں کی حفاظت خود کریں

میرے ہم پیشہ اور میری ہی طرح کے دو چار اور دوست روزانہ ہی وہاں جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر ہم کسی کھلی جگہ پر بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہیں، تاش کھیل کر وقت گذارتے ہیں اور کبھی کبھی فلم دیکھنے سینما بھی چلے جاتے ہیں۔ صاحب جی میرے کچھ دوست غلط جگہوں پر بھی جاتے ہیں اور دارو بھی پیتے ہیں مگر میں نہ تو کسی خراب جگہ جاتا ہوں اور نہ ہی دارو پیتا ہوں، دارو پی کر خود عیش کروں تو گھر والوں کے لیے پیسے کیسے بھیجوں۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ رام لعل نے دارو والا فقرہ کچھ اس انداز سے کہا کہ جیسے اسے شراب پینے کی حسرت تو ہے مگر غربت اور پیسوں کی کمی کی وجہ سے اسے پورا نہیں کر پا رہا۔ رام لعل نے مزید بتایا کہ اس طرح رات گئے وہ اپنے دوستوں کے ساتھ فٹ پاتھ پر آ جاتا ہے۔ اپنے صافے (رومال) سے تھوڑی سی جگہ صاف کرتا ہے، جوتا اتار کر صافے میں باندھ لیتا ہے اور اسے تکیہ بنا کر سر کے نیچے رکھ کر سو جاتا ہے۔ اگر کبھی سوتے میں سر کے نیچے سے رومال سرک جائے تو صبح یہ رومال غائب ہوتا ہے اس لیے "اپنی چیزوں کی حفاظت خود کریں" کے اصول پر عمل کرنا پڑتا ہے۔ رام لعل کہہ رہا تھا کہ صاحب جی گرمیوں میں تو گذارا بہت آسانی سے ہو جاتا ہے مگر سردیوں میں کافی تکلیف ہوتی ہے کیونکہ سردی سے بچنے کے لیے کسی موٹے کپڑے کا انتظام کرنا پڑتا ہے جس کو سنبھالنا ایک مشکل کام ہو جاتا ہے۔

زندگی کی گاڑی

ہم نے رام لعل سے پوچھا کہ کیا قیام ہمیشہ ایک ہی جگہ پر ہوتا ہے؟ تو کہنے لگا کہ آدمی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا خواہ اپنا ذاتی گھر ہو یا فٹ پاتھ، اپنی جگہ کی حفاظت لازمی امر ہے۔ اگر کبھی کبھار باہر کا دورہ لمبا ہو جائے تو یہ جگہ بدل بھی جاتی ہے اور نئی جگہ کے حصول کے لیے کچھ مشکل بھی پیش آسکتی ہے۔ اگر تو ہمارا ساتھیوں کا گروپ چلتا رہے تو قدرے آسانی رہتی ہے ورنہ جہاں سینگ سمائے پڑا رہتا ہوں۔ میرا عام معمول یہ ہوتا ہے کہ صبح سویرے اٹھ کر کسی سرکاری نلکے سے منہ ہاتھ دھوتا ہوں۔ کسی چائے والے کھوکھے سے ایک کپ گرم گرم چائے پیتا ہوں جس کے ساتھ ایک سادہ بند بھی کھالیتا ہوں بس یہ ہوتا ہے میرا صبح کا ناشتہ۔ گھر تو کوئی ہے نہیں جس کی وجہ سے صبح صبح کوئی کام بھی نہیں ہوتا اس لیے مقررہ وقت سے بہت پہلے دفتر پہنچ جاتا ہوں۔ گاڑی نکالتا ہوں اور اس کے تیل پانی کی چیکنگ اور صفائی میں جٹ جاتا ہوں۔ یہ میرا روزانہ کا معمول ہے۔ اس طرح ہم سب ڈرائیوروں کی زندگی کی گاڑی بھی آہستہ آہستہ آگے کی طرف رینگ رہی ہے پتہ نہیں کب اور کہاں اس کا پٹرول ختم ہو جائے، انجن سیز ہو جائے یا اس کی منزل آجائے۔ لیکن صاحب جی ایک بات طے ہے کہ اگر مرنے کے بعد دوبارہ اس دنیا میں آنا ضروری ہوا جیسے کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو کم از کم ہندوستان کبھی نہیں آؤں گا۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ہم رام لعل کی اس بات پر بہت ہنسے، بات بڑی سادہ تھی مگر تھی بڑی عبرتناک اور پورے معاشرے کے لیے ایک لمحہ فکریہ۔

افسر اور ڈرائیور

رام لال نے اپنی بپتا سناتے سناتے ہم سے اچانک سوال کر دیا کہ کیا آپ لوگ پاکستان میں اپنے ڈرائیوروں کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں؟ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ بھئی کیسا سلوک؟ جب ہم دورے پر جائیں تو ڈرائیور ہماری ٹیم کا ممبر ہوتا ہے ہم ایک ساتھ کام کرتے ہیں کھانا پینا بھی ساتھ ساتھ ہوتا ہے چائے وغیرہ جہاں ہم چاہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہاں نہیں بلکہ جہاں وہ کھپے پی جاتی ہے۔ تاہم جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے کہ ڈرائیور کا اپنا کوئی پروگرام نہیں ہوتا تو یہ کافی حد تک سچ ہے۔ دن ہو یا رات، سویرہو یا شام، چھٹی کا دن ہو یا کام کا دیر سویر اور اچانک دوروں کا مسئلہ تو ڈرائیور خواہ کہیں کا ہو یہ سب کچھ تو اس کی قسمت میں ہے۔ رام لعل کہنے لگا کہ وہ سب تو ٹھیک ہے مگر میں تو یہ بات جاننا چاہتا ہوں کہ کیا آپ کا ڈرائیور آپ کے ساتھ کرسی پر برابر بیٹھ کر چائے پی سکتا ہے اور کھانا کھا سکتا ہے؟ ہم نے بتایا کہ ہمارے ہاں مساوات ہے اور سفر کے دوران عام طور پر ایسے ہی ہوتا ہے افسران اور عملہ ایک ہی میز پر بیٹھ کر کھانا بھی کھا لیتے ہیں اور چائے بھی پی لیتے ہیں۔ رام لعل کچھ حیران ہوا اور پھر اس نے ایک نہایت دلچسپ بات کہی کہ بھگوان کی کرپا ہے صاحب جی کہ اس گاڑی کو انگریزوں نے ایجاد کیا ورنہ اگر گاڑی بنانے والے انجنیئر ہمارے یہاں کے برہمن ہوتے تو ضرور ڈرائیور کی سیٹ بہت نیچے بناتے تاکہ ڈرائیور کبھی صاحب کے برابر نہ بیٹھ سکتا یا پھر وہ گاڑی کھڑے ہو کر چلاتا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ہمیں رام لعل کی اس انوکھی سوچ پر بڑی ہنسی آئی۔

برہمن

تاہم رام لعل نے اپنا قصہ جاری رکھا اور کہا کہ اگر ہمارا صاحب صرف ایک مرتبہ خوش ہو کر ہمیں اپنے جیسے انسانوں کی طرح بلا لے تو ہمیں اتنی خوشی ہوتی ہے کہ ہم غریب لوگ ساری تکلیفیں بھول جاتے ہیں۔ سب سے زیادہ مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب کبھی ہمیں ڈیوٹی کسی برہمن صاحب کے ساتھ کرنا پڑے۔ رام لعل نے ہم سے پوچھا کہ کیا آپ نے کبھی برہمن دیکھا ہے؟ ہم نے اسے بتایا کہ ہم نے برہمن کو بہت دیکھا ہے اور ہمیں پاکستان بھی برہمن ہی کی وجہ سے بنانا پڑا ورنہ ہندوؤں کی باقی ذاتوں کو ہم سے کوئی زیادہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شکایات نہ تھیں۔ وہ ہماری اس بات پر ہنستے ہوئے کہنے لگا کہ آپ نے بہت اچھا کیا، مگر ہم ان سے جیتے جی نجات نہیں پا سکتے۔ اچھے کالج اور سکول ان کے بچوں کے لیے، اچھی اچھی تمام نوکریاں ان کے لیے، ہسپتال اور دوائیاں ان کے لیے، ان کے محلے علیحدہ، اور تو اور ان کے مندر بھی علیحدہ اور دیوتا بھی علیحدہ۔ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ لینے سے بھی شامت آجاتی ہے۔ یہ ہمیں انسان ہی نہیں سمجھتے۔ ہمارے سائے سے بھی انہیں نفرت ہے۔ بس آپ مجھے اپنے ساتھ لے چلیں۔

ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ہمیں رام لعل پر بڑا ترس آیا۔ وہ بے چارہ غریب، محنت کش، ایماندار اور قانون کا احترام کرنے والا ڈرائیور تھا۔ اور اگر ہمارا کچھ بس چلتا تو اسے ضرور اپنے ساتھ پاکستان لے آتے مگر یہ ممکن نہ تھا۔ ہم اس پر ترس کھانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ پھر بھی اس کی حوصلہ افزائی کے لیے ہم نے اس کی مزید تھوڑی سی خدمت کر دی اور بوجھل دل سے اس کو رخصت کیا۔ وہ آنکھوں میں آنسو لیے اپنی گاڑی کی طرف چل دیا۔ ڈاکٹر صاحب کا سنایا ہوا یہ قصہ بستر پر لیٹے لیٹے ہمارے ذہن میں تازہ ہو گیا اور اس سے ہمیں بالی کی حیرانی اور صبح صبح آنے کی پیشکش کے پس منظر کا کچھ کچھ اندازہ ہوا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لال قلعہ دہلی

ٹکٹ

تیسرے روز شام کے وقت لال قلعہ دیکھنے کا پروگرام بنا اور ہم مسٹر چن ویر کے ساتھ بالی کی گاڑی میں لال قلعہ پہنچ گئے۔ لال قلعہ بھی دہلی ہی میں دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے۔ قلعے کی پرشکوہ عمارت بالکل ٹھیک ٹھاک اور تروتازہ حالت میں نظر آئی جبکہ جامعہ مسجد دہلی کی حالت اچھی نہ تھی۔ اغلباً فرق اس وجہ سے تھا کہ قلعہ ایک ذریعہ آمدنی بھی ہے۔ لال قلعہ کے گیٹ پر پہنچنے پر ہماری کوشش یہ تھی کہ مسٹر چن ویر کو ٹکٹ خریدنے کی زحمت نہ دی جائے اور چن ویر صاحب کی کوشش یہ تھی کہ ٹکٹ وہ خریدیں۔ چنانچہ ہم دونوں ہی پہلے جانے کے چکر میں ٹکٹ بوتھ کی طرف بڑھے مگر دیکھا تو ٹکٹ والی کھڑکی بند تھی۔ ہم دونوں ابھی حیران ہی ہو رہے تھے کہ سامنے لال قلعہ کے اندر جانے والے گیٹ کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ گیٹ کھلا ہے اور داخلہ بھی مفت ہے بلکہ بغیر ٹکٹ۔ استفسار کرنے پر چلا کہ ایسا ہر جمعہ کو ہوتا ہے۔ یہ عقدہ بہرحال ہم پر نہ کھل سکا کہ کیا ایسا مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے کیا جاتا ہے یا اس کی وجوہات کوئی اور ہیں۔ کیا ہماری حکومت جمعۃ المبارک کو اتنی اہمیت نہیں دے سکتی؟

کفر

ہمارے دل میں یہ خیال آیا بلکہ سوال اٹھا کہ کیا ہم پاکستان میں بھی کسی مقام یا جگہ (عجائب گھر وغیرہ) پر جمعہ کو اتنی اہمیت دے سکتے ہیں کہ اس دن داخلہ مفت کر دیں۔ مگر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فوراً ہی جواب آیا کہ کافروں کی تقلید کر کے ہم کیوں کفر کے مرتکب ہوں۔ ہم نے تو پہلے ہی جمعہ سے جان چھڑا کر بڑی مشکلوں سے اتوار کو چھٹی کا دن قرار دیا ہے۔ دنیا میں ہفتہ وار تعطیل منانے والے تین ہی تو گروپ ہیں یعنی جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو تعطیل منانے والے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوگی کہ ہر ایک گروپ کی ہفتہ وار تعطیل کا پس منظر خالصتاً مذہبی اور تہذیبی ہے۔ جیسے کہ مسلمانوں کا جمعہ، یہودیوں کا ہفتہ (سبت) اور عیسائیوں کا اتوار۔ ہفتہ اور اتوار والوں نے آپس میں اتحاد کر لیا اور ہفتہ وار دو چھٹیاں منانا شروع کر دیں۔ ہمیں صرف جمعہ کی چھٹی کی وجہ سے خواہ مخواہ ہی جمعہ والے گروپ کے ساتھ نتھی کیا جا رہا تھا جبکہ ترقی یافتہ اور صنعتی ٹیکنالوجی سے مالا مال سارے کے سارے ممالک ہفتہ اتوار گروپ میں شامل ہیں اور جمعہ گروپ میں صرف اسلامی ممالک، جن میں نہ تو کوئی سپر پاور ہے اور نہ ہی ٹیکنالوجی سے مالا مال۔ ہم نے بھی جمعہ کو خیر باد کہا اور سنڈے منانے والوں میں شامل ہو گئے کہ شاید اس طرح ہمیں بھی ترقی پسند قوم سمجھا جائے اور ہم فنڈا منٹلسٹ ہونے کی تہمت سے بچ جائیں۔

ہندی ناری

قلعہ کی سیر کرتے ہوئے جب اس پلیٹ فارم (جھروکہ) پر پہنچے جہاں سے بادشاہ سلامت عوام سے خطاب کیا کرتے تھے تو بے اختیار ہمیں آنجہانی اندرا گاندھی وزیر اعظم ہندوستان اور 1971ء کی پاک بھارت جنگ یاد آ گئی جس میں بدقسمتی سے پاکستان کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور نتیجتہً پاکستان کا مشرقی بازو ہماری اپنی نااہلیوں اور بین الاقوامی سازشوں کی بدولت کٹ کر ہم سے علیحدہ ہو گیا۔ اس موقع پر مسز اندرا گاندھی نے لال قلعہ کی اس دیوار پر کھڑے ہو کر نظریہ پاکستان کی ناکامی کا اعلان کرنے کی ناپاک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جسارت کی تھی اور کہا تھا کہ ایک ہندی ناری نے مسلمانوں سے ہزار سالہ بدلہ لے لیا ہے اور دوقومی نظریہ خلیج بنگال میں ڈبو دیا۔ مگر اسے شاید یہ معلوم نہ تھا کہ جس نظریہ کو وہ اس قلعے کی بنیادوں میں دفن کرنے اور خلیج بنگال میں ڈبونے کا کہہ رہی ہے وہ ایسی چیز نہیں ہے جسے دفن کیا جاسکے یا جو ڈوب جائے بلکہ یہ نظریہ تو مسلمانوں کا ایمان ہے اور یہی ان کی شناخت ہے۔ یہ اتنا ہی ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے۔

موڑ

ہندوستان نے مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنا کر پاکستان کو کمزور کرنے کی جو کوشش کی تھی وہ اس میں کسی حد تک کامیاب رہا مگر واقعات اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ہندوستان کو جلد ہی لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ ہندوستان نے اپنی دانست میں جو چال پاکستان کے خلاف چلی تھی وہ امید ہے اسی کے خلاف الٹ دی جائے گی۔ بنگلہ دیش کا موڈ بدل رہا ہے۔ ہندوستان کی ناجائز دھونس اور سرحدی زیادتیوں کی وجہ اس اس کا رویہ فدویانہ سے مقابلے کی سمت بڑھ رہا ہے۔ ادھر بنگلہ دیش میں اسلامی احیاء کی کوششیں بھی زور پکڑ رہی ہیں اور ان شاء اللہ بہت جلد ہندوستان کی دوسری جانب دوبارہ ایک اور پاکستان بہ شکل اسلامی بنگلہ دیش بن کر ابھرے گا جو مغربی پاکستان کی طرح ٹھنڈا ٹھنڈا اور مصلحت کیش نہ ہوگا بلکہ وہ نہایت تند و تیز، جرأت مند اور جاندار ہوگا کیونکہ یہی تو وہ علاقہ ہے جس نے 1857ء کی عظیم جنگ آزادی کی آبیاری کی تھی اور جہاں سے تحریک پاکستان اٹھی اور یہ وہ لوگ ہیں جو پاکستان کے بانیوں میں سے تھے۔ قرارداد پاکستان پیش کرنے کا سہرا انہیں کے سر بندھتا ہے۔

احتجاج

دہلی میں لال قلعہ بھی شاہ جہاں کی تعمیرات میں سے ایک ہے۔ سنگ سرخ سے اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی بلند قامت فصیل تعمیر کی گئی ہے۔ فصیل کے ہر چہار جانب گہری خندق ہے جس میں اس وقت جمنا کا پانی بھرا رہتا تھا تاکہ دشمن سے مدافعت میں آسانی ہو۔ بلند و بالا فصیل پر چھوٹے بڑے برج اور مورچے ان دفاعی حربوں کی یادگار ہیں جو اس زمانے میں اختیار کیے جاتے تھے۔ قلعہ کے صدر دروازے پر کبھی مسلمان بادشاہوں کے پرچم لہراتے تھے اور کبھی برطانیہ کا یونین جیک مگر اب وہاں ترنگا لہرا رہا ہے۔

قلعہ میں داخل ہو کر پتہ چلا کہ قلعہ کے اندر تو ایک دنیا آباد ہے۔ دیوان خاص، دیوان عام اور سب سے اہم لال قلعے کی بلند اور مضبوط فصیل ہے۔ ہم اندرا گاندھی کی دو قومی نظریے کو دفن کرنے کی دھمکی سے زیادہ مرعوب نہ ہوئے تھے اس لیے اس سے زیادہ تعرض مناسب نہ سمجھا کیونکہ اس خوش فہمی میں وہ خود ہی ایک تیسری قوم کی نفرت کا شکار ہو گئیں۔ دو قومی نظریہ تو ایک سدا بہار نظریہ ہے، پاکستان کی بنیاد اور ہر مسلمان کے دل کی دھڑکن کہ جب تک یہ نظریاتی کشمکش برپا ہے یہ دنیا قائم ہے اور جونہی یہ کشمکش ختم ہوئی اس دنیا کے قیام کا مقصد بھی فوت ہو جائے گا۔ بہرحال اس مقام سے گزرتے ہوئے ہم نے اپنا احتجاج ریکارڈ کرا دیا۔

دیوان عام

جلدی جلدی قلعہ کے دوسرے حصوں کی سیر کو نکلے۔ قلعہ میں خوب رش تھا۔ بچوں اور بڑوں کی بہت بڑی تعداد قلعہ کی سیر کے لیے آئی ہوئی تھی۔ دیوان عام میں سامنے وسیع حوض کے اردگرد بہت ساری کرسیاں قطار اندر قطار بچھی ہوئی تھیں۔ ہم نے چن ویر سے پوچھا کہ کیا آج یہاں کوئی اہم تقریب منعقد ہو رہی ہے جس کے لیے اتنا وسیع اہتمام کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ جی ہاں یہاں روزانہ ہی نہایت اہم تقریب منعقد ہوتی ہے۔ ہر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شام اس شاہی حوض میں رنگ برنگے فوارے پھوٹتے ہیں، مختلف رنگوں کی بے شمار روشنیاں اپنے رنگ بکھیرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ موسیقی کی مدھر دھنیں ایک سماں باندھ دیتی ہیں۔ ایسے میں جام سے جام ٹکراتے ہیں اور جسم تھرکتے ہیں اور یہ رنگین ہنگامہ رات گئے تک چلتا ہے۔ چن ویر نے بتایا کہ ٹکٹ کافی مہنگا ہوتا ہے اور خوب آمدنی ہوتی ہے۔ دریائے جمنا قلعہ کے بالکل ساتھ سے بہتا ہوا نظر آتا ہے۔ کچھ دیر شاہ جہاں کے قلعے میں گزار کر ہم واپس آ گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ شاہ جہاں نے یہ قلعہ 8 سال کی مدت میں 50 لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر کرایا تھا۔ اس وقت شاید ٹھیکیداری نظام نہ ہوتا ہوگا ورنہ شاہ جہاں اتنے کم خرچے میں آسانی سے اتنی عظیم الشان عمارات تعمیر نہ کرا سکتا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شاہی مسجد دہلی

چن ویر سنگھ آج ہمارے ساتھ تھے۔ میزبانی اور گائیڈ دونوں خدمات انہوں نے اپنے ذمے لے رکھی تھیں۔ آج انسٹی ٹیوٹ میں مصروفیت کافی مختصر تھی اس لیے ظہر کی نماز شاہی مسجد میں ادا کرنے کا پروگرام بنا۔ مسجد بھی کافی بلندی پر واقع ہے اور اس کی کرسی کافی اونچی ہے۔ سڑک سے بڑے دروازے تک کا راستہ کافی لمبا اور کشادہ ہے مگر مین گیٹ تک تمام راستہ چھوٹی موٹی چیزیں بیچنے والے خوانچہ فروشوں سے اٹا پڑا تھا۔ ہم اس رش میں سے آہستہ آہستہ راستہ بناتے ہوئے مسجد تک پہنچے۔ چن ویر سنگھ چونکہ ہندو تھے کہنے لگے آپ اطمینان کے ساتھ مسجد کی سیر اور عبادت کریں، میں ایک طرف بیٹھ جاتا ہوں۔

شان وشکوہ

تاریخی حقائق کے مطابق لال قلعہ کی تعمیر کے بعد شاہ جہاں نے حکم دیا کہ اس کے پاس والی پہاڑی پر مسجد تعمیر کی جائے۔ چنانچہ لال قلعہ سے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر اس مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ 6 سال کی مدت میں 1650ء میں دس لاکھ روپے کی لاگت سے یہ مسجد مکمل ہوئی۔ سنگ سرخ سے بنی ہوئی اس مسجد کی لمبائی 90 گز اور چوڑائی 32 گز ہے۔ یہ مسجد تیار ہونے کے بعد دیکھنے میں اتنی پر شکوہ تھی کہ اس کے متعلق کہا گیا کہ یہ اتنی اونچی ہے کہ مؤذن کی آواز فرشتوں تک پہنچے، اتنی کشادہ اور وسیع کہ ایک دنیا اس میں بس جائے، اس کی محراب سجدہ گاہ اہل طریقت، اس کے مینار آسمان کی بلندیوں کو چھوئیں، اس کے دروازے اہل ہمت کے دلوں کی طرح کشادہ، اس کا صحن کدورت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے پاک صاف لوگوں کے دلوں کی طرح اور اس کا حوض حوصلہ مند سخی لوگوں کی طرح فیض پہنچانے والا۔

ہمارے خیال میں کسی عمارت کی مضبوطی اور پائیداری کے ضمن میں یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ یہ مغلیہ دور کی بنی ہوئی ہے اور اگر ساتھ شاہ جہاں کا نام بھی لے دیا جائے تو یہ عمارت کی مضبوطی کے ساتھ ساتھ حسن و خوبی کی بھی ضمانت سمجھی جاتی ہے۔ لال قلعہ کی سیر کر کے یہ تاثر مزید گہرا ہو گیا اور لال قلعہ کو بہترین حالت میں دیکھ کر بہت خوشی محسوس کی کیونکہ اس کی دیکھ بھال خوب کی جا رہی تھی۔ مگر شاہی مسجد دہلی کی حالت دیکھ کر یہ تاثر کچھ دھندلا سا گیا۔ شاہی مسجد لال قلعہ کے مقابلے میں بہت مختلف تصویر پیش کر رہی تھی۔ مضبوط بنیادوں پر استوار دیواریں اور مینار تو پرشکوہ انداز میں کھڑے سنہرے ماضی کی یاد دلا رہے تھے تاہم فرش کی حالت بہت ابتر تھی اور کہیں کہیں سے ٹوٹا پھوٹا بھی ہوا تھا۔ صفائی بھی واجبی سی تھی۔ صفیں بوسیدہ اور اندرونی دیواروں کی زبوں حالی مکینوں کی عدم توجہ کی شاکی تھی۔

شاہی بے توجہی

عمارتوں کی پائیداری بے شک اپنی بنیادوں اور ساز و سامان کی مضبوطی کی مرہون منت ہوتی ہے مگر اس کا زیادہ تر انحصار ان کی مسلسل نگہداشت اور بر وقت مرمت پر ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں جتنی وافر بے اعتنائی اور شاہی بے توجہی موجودہ دور میں اس مسجد کے حصے میں آئی ہے شاید اس کی مثال ملنا محال ہو۔ بظاہر ایسے لگتا تھا جیسے برسوں سے یہ شاہی مسجد مناسب مرمت کی منتظر ہے۔ مسجد کے وسیع ہال میں ہر طرف نگاہ دوڑائی ادھر ادھر گھوم پھر کر بھی دیکھا بوسیدگی، عدم توجہی اور مناسب نگہداشت کا فقدان ہر چیز سے عیاں تھا۔ مسجد کے صحن میں بھی چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور گھوم پھر کر بھی دیکھا کئی جگہوں پر فرش

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی حالت بہت خستہ تھی اور جگہ جگہ سے داغدار اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہا تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہندوستان کی یہ بھی ایک بہت بڑی مہربانی ہے کہ یہ مسجد اب تک قائم ہے ورنہ کیا پتہ کل کلاں بابری مسجد کی طرح متشدد متعصبین کوئی تہمت لگا کر اس کے بھی خلاف ہو جائیں۔ فرشوں اور دیواروں کی خستگی کے باوجود مسجد کی ظاہری شان و شوکت قائم ہے اور ان شاءاللہ ہمیشہ قائم رہے گی۔

حوالہ

شاہی مسجد دہلی میں بھی ہم نے اپنی عادت کے مطابق نماز ظہر اور عصر ایک ساتھ ادا کی۔ اپنے کچھ بلاواسطہ قسم کے دوستوں کی دیکھا دیکھی ہم نے بھی جب سفر کے دوران نماز ظہر اور عصر اور نماز مغرب اور عشاء ایک ساتھ قصر ادا کرنا شروع کیں تو بہت سے لوگوں سے کافی شدید قسم کے اعتراضات سننے کو ملے۔ اس سلسلہ میں ہم نے اپنے بزرگ دوست جناب محمد یعقوب شاکر سے مشورہ کیا اور ان سے درخواست کی کہ اس سلسلہ میں کوئی مستند حوالہ (Reference) ڈھونڈیں۔ فرمانے لگے کہ سفر میں ایسا کر لیا کرو۔ ہم نے پھر حوالہ دینے پر زور دیا تو اپنے بزرگانہ حلیے کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے کہ کیا یہ حوالہ کافی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے بتایا کہ میں کافی عرصہ سعودی عرب میں رہائش پذیر رہا ہوں وہاں لوگ ایسا ہی کرتے ہیں لہٰذا ایسا کر لیا کرو۔ چنانچہ ہم نے بھی زیادہ فقہی بحثوں میں پڑنے بغیر ایسا ہی کرنا شروع کر دیا۔ بلکہ اب تو اپنے دوسرے دوستوں کو بھی بتاتے ہیں کہ دوران سفر وہ بھی ایسا ہی کیا کریں اس طرح سفر میں نماز کی ادائیگی میں کافی سہولت رہتی ہے۔ ایک دوست کا کہنا تھا کہ آپ تو سفر میں ہمارے فقہ جعفریہ پر عمل کرتے ہیں ہم نے عرض کیا کہ مقام شکر ہے کہ سنیوں اور جعفریوں میں بہت سے مقامات اتفاق و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

25342

اتصال موجود ہیں ذرا کوشش تو کر دیکھیں۔ پتہ نہیں یاران نکتہ داں کیا کہیں!

شاہی مسجد کی زبوں حالی اور کسمپرسی کا حال دیکھ کر طبعیت خاصی بوجھل ہو چلی تھی۔ بہر حال نماز کے بعد چن ویر کے ساتھ واپس گاڑی کی طرف آئے۔ راستے میں ہمارے ذہنی بوجھل پن کا اندازہ کرتے ہوئے چن ویر نے ہمارا دل رکھنے کے لیے کہا کہ ابھی گورنمنٹ نے سڑک سے مسجد کے گیٹ تک صفائی اور مرمت کا کام مکمل کیا ہے۔ یہ حصہ پہلے ناجائز قابضین کی وجہ سے بہت پر ہجوم اور دشوار ہو چکا تھا۔ گورنمنٹ دو تین سال کی مسلسل کوششوں کے بعد اس قابل ہو سکی ہے کہ اس کو صاف ستھرا اور مسجد کے شایان شان بنایا جا سکے۔ چاروں طرف آہنی جنگلے لگائے گئے ہیں اور ارد گرد کھلے میدان میں مارکیٹیں تعمیر کر دی گئی ہیں۔ اب مسجد کی مرمت کی باری آئے گی۔ تھوڑی سی تگ و دو کے بعد ہم نے بالی کو بمع گاڑی تلاش کر لیا اور اس کو لے کر ریلوے بکنگ آفس کی طرف روانہ ہو گئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاج محل کا اشتیاق

تاج محل آگرہ دیکھنے کا شوق بہت سے لوگوں کی طرح ہمیں بھی بچپن ہی سے تھا مگر بوجوہ اب تک دیکھ نہیں پائے تھے۔ تاج محل کی خوبصورتی کے قصے کچھ تو کتابوں میں پڑھ رکھے تھے اور کچھ لوگوں سے سن رکھے تھے کہ یہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہے اور کچھ لوگوں کی رائے میں یہ آٹھواں نہیں بلکہ اپنی نوعیت کا واحد عجوبہ ہے اور ان لوگوں کی رائے زیادہ صائب لگتی ہے۔ یہ عمارت شاہ جہاں نے اپنی ملکہ کے مقبرے کے طور پر تعمیر کرائی تھی۔ تاج محل میں دلچسپی کچھ اس وجہ سے بھی بڑھ گئی تھی کہ کچھ ادیب اور شاعر اپنی ترقی پسندی کے زعم میں تاج محل کی خوبصورتی اور پائیداری سے جلتے تھے اور ان کی اس طرح کے تنقیدی خیالات نے اس کی اہمیت اور بڑھا دی کہ

اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق

ملکوتی حسن

تاج محل آگرہ دیکھنے کا اشتیاق اس کے ایک اور مشہور کارنامے کی وجہ سے بھی تھا جو اپنی نوعیت کا انتہائی منفرد اور تاج محل ہی کی طرح بے مثل تھا۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں جب ہندوستان نے نہایت مکاری سے چپ چاپ پاکستان پر حملہ کیا تو زمین اور فضا دونوں محاذوں پر خوب مقابلہ ہوا۔ انہیں دنوں اخبارات میں تاج محل کے اس کارنامے کی بھی خوب تعریفیں کی گئیں۔ جنگ کے دوران ملک کے شہروں میں رات کو مکمل اندھیرا (Blackout) کرنے کا اہتمام ہوتا تھا۔ کھلے آسمان تلے لوگ سگریٹ تک نہیں سلگاتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے کہ یہ حرکت بھی فضائی حملے کا باعث بن سکتی تھی۔ خصوصاً جب فضائی حملے کا خدشہ ہوتا تھا اور خطرے کے سائرن بجنے لگتے تھے تو رات کو اندھیرا پھیلنے کا عمل دیدنی ہوتا تھا۔ ہندوستان میں بھی یہی کچھ ہو رہا تھا۔ لیکن چاند کی چاندنی میں سفید سنگ مرمر سے بنا ہوا تاج محل جگمگا اٹھتا تھا جس سے پاکستانی پائلٹوں کو صحیح صحیح نشانے لینے میں بہت رہنمائی ملتی تھی۔ وہ نہایت آسانی کے ساتھ دہلی اور ہندوستان کے دوسرے شہروں کے ہوائی اڈوں اور دوسری تنصیبات کا اندازہ کر لیتے تھے۔ اس طرح بعد از مرگ بھی شاہ جہاں کی خدمات کی تعریف کی گئی۔ تاج محل میں دلچسپی کی ایک اور وجہ مولانا ابوالکلام آزادؒ سے ہماری نیاز مندی بھی تھی۔ کیونکہ مولانا آزاد بھی تاج محل میں خاصی دلچسپی رکھتے تھے۔ مولانا سوچ بچار اور تفکر و تدبر (Meditation) کے لیے عموماً تاج محل ہی کا انتخاب کیا کرتے تھے۔ مولانا آزاد کے متعلق یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب اس طرح عقل روحانی ترقی کی منازل، اور جذب و شوق کے مدارج اعلیٰ طے کرتے کرتے بلندیوں کو چھوتی تو ''کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے'' کے مصداق مولانا ترقی معکوس کا بھی تھوڑا بہت اہتمام فرماتے اور ثقہ راویوں کے بقول ستار نوازی وغیرہ کا شوق پورا کرنے کے لیے پورے چاند کی راتوں میں تاج محل ہی میں محفلیں جماتے اور اپنے ذوق موسیقی کی تسکین فرماتے۔ سنا ہے کہ تاج محل کو دیکھنے کا اصل لطف چاند راتوں میں ہی آتا ہے کیونکہ پورے چاند کی راتوں میں اس کا سفید ملکوتی حسن پورے جوبن پر ہوتا ہے۔

مولانا آزادؒ کے تبحر علمی، علما میں ان کی شان، ادب میں ان کے مقام اور سیاست میں ان کے اثر و رسوخ سے ہم بہت زیادہ مرعوب تھے۔ مولانا کے قرآن مجید کے تفسیری نکات اور ادبی تحریریں ہمیں بہت پسند ہیں۔ ان کا انداز تحریر نرالی شان لیے ہوئے ہے۔ مگر جس چیز کو سمجھنے سے ہم آج تک قاصر ہیں وہ ان کا دو قومی نظریہ کی مسلسل مخالفت کرنا تھا۔ ورنہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''انسانیت موت کے دروازے پر'' جیسی کتابیں پڑھ کر آدمی ان کے اچھوتے انداز تحریر، علمی وسعت، مطالب کی گہرائی اور موضوع پر گرفت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مگر ہماری نالائقی کہ لغت کی مدد کے بغیر ان کی بہت سی تحریریں پورے طور پر سمجھنا مشکل لگا۔ اس کے برعکس سید مودودیؒ کی جو چیز ہمیں سب سے زیادہ پسند آئی وہ ان کا نہایت سادہ، عام فہم اور برجستہ طرز تحریر ہے۔ یہ علامہ اقبال، حضرت قائداعظم اور سید مودودیؒ ہی کی فکر کا نتیجہ ہے کہ ہم مولانا آزاد کے سیاسی طرز فکر سے متفق نہ ہو پائے۔ مگر اچھی چائے اور جاسمینی قہوہ کی چاہت جو مولانا آزاد کی تحریروں کی بدولت ہمارے دل میں گھر کر گئی وہ پھر کبھی نہ نکل سکی۔ گولڈن رنگ کا قہوہ ہم انہیں کی یاد میں نوش جان فرماتے ہیں اور باوجود ہزار کوشش کے ہم پان اور چھالیہ کے لیے اپنے آپ کو ہموار نہ کر سکے جن کا شوق سید مودودیؒ فرمایا کرتے تھے۔

چھٹی

سیمی نار کے دوران ایک اتوار کا دن بھی آ گیا۔ اس روز عام تعطیل تھی۔ چھٹی منانے کا شوق اور ولولہ اپنے دل میں اسی دن سے رچ بس گیا تھا جب ہم پہلی دفعہ سکول گئے تھے۔ اب تو پورا ہفتہ ایک چھٹی کے انتظار میں گذر جاتا ہے اور بھرپوری چھٹی اتوار بازار کی نذر ہو جاتی ہے یا اس فکر میں کٹ جاتی ہے کہ اب اگلا پورا ہفتہ کوئی چھٹی نہیں ہوگی۔ یہاں دہلی میں جمعہ بازار یا اتوار بازار جانے کی فکر نہیں تھی اس لیے ہم نے بھرپور انداز میں چھٹی منانے کا پروگرام بنایا۔ دہلی گو کہ بذات خود ایک بہت بڑا شہر ہے اور اس کے قابل ذکر مقامات شاہی مسجد، لال قلعہ، نظام الدین اولیاء کا مزار، دہلی گیٹ، قطب مینار اور دیگر تاریخی عمارات کے ساتھ ساتھ دن اور رات کے علیحدہ علیحدہ بازار (Midnight

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(markets) وغیرہ اچھی طرح دیکھنے کے لیے ہفتوں درکار تھے جو کہ فی الحال میسر نہیں تھے مگر دل یہ بھی چاہتا تھا کہ دہلی سے باہر نکل کر بھی کچھ دیکھا جائے تا کہ چھٹی کے دن کا لطف دوبالا ہو سکے۔

جنم بھومی

اس مقصد کے لیے ہم نے اپنے قریبی ساتھیوں سے مشورے لینے شروع کر دیے۔ جو مقامات سرفہرست تھے ان میں ایک تو مشرقی پنجاب میں ہمارا اپنا آبائی گاؤں بھگوپور تھا جہاں کہ ہم پیدا ہوئے تھے اور ریڈ کلف کی بے ایمانی، دغابازی اور مکاری کی وجہ سے جہاں سے ہمیں ہجرت کرنا پڑی تھی اور مقام شکر ہے کہ ہمارے بزرگوں نے ہجرت ضرور کی مگر مہاجر کہلانا پسند نہ کیا اور پاکستان کو ہی اپنی شناخت اور تعارف کا مرکز بنایا۔ دوسرا مقام جو ہم دیکھنا چاہتے تھے وہ تھا تاج محل آگرہ۔ دوران گفتگو ایک صاحب نے ہم سے پوچھا کہ کیا آپ پہلی بار انڈیا آئے ہیں تو ہم نے جواب دیا کہ نہیں دوسری بار۔ انہوں نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا کہ اچھا تو پہلی بار کب آئے تھے اور کس سلسلہ میں آئے تھے؟ ہم نے جواب دیا کہ پہلی بار ہم اپنی مرضی سے نہیں آئے تھے بلکہ زبردستی بھیجے گئے تھے جس وقت ہمارا آنا ہوا اس وقت ہمارا بہت ہی برا حال تھا۔ حیران ہو کر پوچھنے لگے کہ بھائی آخر ہوا کیا تھا؟ ہم نے کہیں پڑھا ہوا ایک واقعہ ان کے گوش گزار کر دیا کہ جب ہمیں پہلی دفعہ یہاں آنا پڑا تھا تو ہماری حالت بڑی قابل رحم تھی۔ درد سے ہم چلا بلکہ چیخ پکار کر رہے تھے، ہماری بات کسی کی سمجھ میں نہ آ رہی تھی، نہ اٹھ کر بیٹھنا ممکن تھا اور نہ بھاگنے کی سکت تھی، حتیٰ کہ نہ خود سے کچھ کھا سکتے تھے اور نہ ہی پی سکتے تھے۔ ہر چیز کے لیے محتاجی کی عجب حالت تھی اور لوگ تھے کہ خوش ہوئے جا رہے تھے اور ہمارے رونے کو صحت کی علامت قرار دے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہے تھے۔ ہمارا واویلا اور رونا دھونا کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے کچھ کچھ افسردہ ہو کر ہمدردانہ لہجے میں پوچھا یہ کب کی بات ہے اور آپ کے ساتھ ایسا دردناک واقعہ کب اور کیوں کر پیش آیا؟ تو ہم نے جواب دیا کہ جناب ہم پیدا ہی ہندوستان میں ہوئے تھے۔ ان صاحب کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا اور اس کے بعد کی ساری کاروائی میں وہ ہمارے دوست بنے رہے۔ دل تو بہت چاہتا تھا کہ جائے پیدائش یعنی اپنی جنم بھومی کی زیارت کی جائے جو کہ مشرقی پنجاب میں لاہور سے تقریباً پچاس میل دور واقع ہے۔ اپنے جنم گاؤں کے متعلق بزرگوں سے تسلسل کے ساتھ اتنی داستانیں اور واقعات سن رکھے تھے کہ اس کی زیارت بھی ہمارے لیے تاج محل ہی کی طرح اہم تھی۔ لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ پاکستانی یاتریوں کا پنجاب میں جانا بہت مشکل ہے کیونکہ پنجاب کے لیے اجازت نامہ بڑی مشکل سے ملتا ہے۔ ہاں البتہ کسی اور جگہ کی سیر کی جا سکتی ہے۔

ادھر سے مایوس ہونے کے بعد ہم نے اپنے انچارج میزبان چن ویر سنگھ سے مشورہ کیا تو انہوں نے ہمیں بڑا ہی مفید مشورہ دیا کہ آپ مشرقی پنجاب جانے کا خیال دل سے نکال دیں۔ جہاز سے واپس جاتے ہوئے نیچے دیکھتے جائیں، تمام گاؤں اب ایک ہی جیسے ہیں۔ کسی ایک گاؤں کو بھگو پور بنا کر سلیوٹ مار دینا اور بس۔ اگر بھرپور چھٹی منانے کا پروگرام ہے تو آپ فتح پور سیکری چلے جائیں، اجمیر شریف کی زیارت کر لیں اور یا پھر تاج محل آگرہ گھوم آئیں۔ مشورہ صائب تھا ہمیں اچھا لگا اور ہم نے پھر ایسے ہی کیا۔ دل تو چاہتا تھا کہ ساری جگہیں دیکھی جائیں مگر تاج محل سرفہرست تھا۔ ہماری خوش قسمتی کہہ لیں کہ معلومات اکٹھی کرنے پر پتہ چلا کہ تاج محل آگرہ ہی سب سے مناسب جگہ ہے جو ایک دن میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس طرح تاج محل دیکھنے کے لیے جو چنگاری ہمارے دل میں ایک مدت سے سلگ رہی تھی اب وہ ایک الاؤ کی شکل اختیار کر گئی۔ چنانچہ اپنی جائے پیدائش

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیکھنے کا جو ارمان تھا، وہ لپیٹ کر دل کے ایک اندرونی خانے میں رکھ دیا کہ پھر کبھی سہی (ان شاء اللہ)۔

جنت سے نکالا ہوا مسافر

وطن مالوف کی زیارت کی امنگ کوئی معیوب بات بھی نہیں۔ یہ ایک فطری جذبہ ہے جو انسان کے خمیر میں سمو دیا گیا ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے کہ جب انسان کسی نئی جگہ جاتا ہے اس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ نئی جگہ کو بھی اپنے وطن ہی کی طرح بدل ڈالے۔ وہ گاؤں محلوں گلیوں اور بازاروں وغیرہ کے نام بھی وہی رکھتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ یہاں بھی ماحول ویسا ہی بن جائے جیسا کہ وہ پیچھے چھوڑ کر آیا ہے۔ رہائش کے لیے ہر انسان کے دل میں یہ امنگ ضرور ہوتی ہے کہ وہاں ہرے بھرے باغ ہوں، خوبصورت باغیچے ہوں، رنگا رنگ کلیاں کھلیں اور پھول مہکیں، چشمے پھوٹیں، ندیاں چلیں اور نالے بہیں۔ یہ خواہشات انسان کی جبلت میں ہیں اور شاید اس لیے ہیں کہ انسان دراصل جنت سے نکالا ہوا مسافر ہے۔ وہ جنت سے نکل تو آیا مگر جنت اس میں سے نہیں نکلی اس لیے وہ اس دنیاوی خرابے کو بھی جنت نما بنانا چاہتا ہے جو کہ ناممکن ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وطن مالوف کی محبت کا وہ واقعہ بھی یاد آرہا تھا جو سیرت و احادیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔ کہ حضور ﷺ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے ایک معزز ساتھی جب بیمار ہوئے تو مکہ شریف کی طرف رخ کر کے حسرت بھرے لہجے میں فرمانے لگے کہ مکہ کے فلاں کنویں یا چشمے کا پانی پی لیتا تو تندرست ہو جاتا۔ بہر حال جنم بھومی کی زیارت ہماری بہت زبردست تمنا تھی جو پوری نہ ہو سکی۔ ہم نے یہ ارادہ پھر کسی وقت کے لیے ملتوی کر دیا اور تاج محل آگرہ دیکھنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ اپنے دلنواز میزبان جناب چمن ویر سنگھ سے دوبارہ رجوع کیا اوراس بات پر غوروخوض شروع ہوا کہ آگرہ کا دورہ کیسے کیا جائے۔ آگرہ آنے جانے کے لیے چار متبادل صورتیں پیش کی گئیں۔ ٹیکسی لی جائے، ٹورسٹ بس میں سفر کیا جائے، عام پبلک بس میں جائیں یا پھر ریل گاڑی سے سفر کیا جائے۔ ٹیکسی والی آپشن پہلے ہی مرحلے میں رد ہوگئی۔ کیونکہ یہ ہمارا واحد غیر ملکی سرکاری دورہ تھا جس میں ہمیں جیب خرچ تک نہیں دیا گیا تھا کہ چلو کوئی سافٹ ڈرنک ہی خرید لیں۔ اپنے پلّے سے ہمارے لیے ٹیکسی میں اتنا لمبا اور مہنگا سفر کرنا ممکن نہ تھا۔ اس لیے ٹورسٹ بس کے لیے کوشش شروع ہوگئی۔ چمن ویر سنگھ ہمیں سرکاری ٹورسٹ ڈیپارٹمنٹ کے دفتر لے گئے۔ کاؤنٹر پر کوئی شخص موجود نہ تھا تاہم کاؤنٹر کے پچھلی طرف صوفے پر ایک لحیم شحیم اور موٹے تازے سردار جی لیٹے ہوئے پائے گئے۔ چمن ویر کے دو تین بار بلانے پر سردار جی بادل نخواستہ کسمساتے ہوئے اٹھے اور پوچھا کہ کیا کام ہے؟ مدعا بیان کیا کہ آگرہ کا ارادہ ہے۔ اس پر سردار صاحب نے حکم دیا کہ دوطرفہ کرایہ جمع کرادو اور اپنا ٹیلیفون نمبر دے دو۔ جس دن بس کی سواریاں پوری ہوجائیں گی آپ کو اطلاع کردی جائیگی اور اگر آپ ٹھیک وقت پر نہ پہنچ سکے تو سیٹ کینسل اور کرایہ ضبط۔ ہم نے واپسی میں ہی اپنی عافیت سمجھی، ٹرین سے آگرہ جانے کا فیصلہ کیا اور تھوڑی ہی دیر میں ریلوے بکنگ آفس پہنچ گئے۔

دہلی ریلوے کا یہ بکنگ آفس بہت وسیع وعریض تھا۔ آٹو میٹک خودکار کمپیوٹرائزڈ لگ بھگ 42 بکنگ بوتھ قطار در قطار مصروف عمل تھے۔ ہر کھڑکی کے سامنے ٹکٹ لینے والوں کی ایک لمبی قطار لگی ہوئی تھی۔ ریلوے بکنگ کے لیے اتنا رش دیکھ کر حیرانی ہوئی۔ اندازہ ہوا کہ انڈین ریلوے کی سروس بہت کامیاب جارہی ہے۔ ٹکٹنگ کا انتظام بہت ہی اچھا تھا۔ ہر کھڑکی کے سامنے ایک قطار میں آٹھ دس کرسیاں فکس کی ہوئی تھیں جن پر ٹکٹ لینے کے منتظر مسافر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیٹھ جاتے اور اس کے بعد کے مسافروں کو کھڑا ہونا پڑتا تھا۔ چنانچہ تقریباً 15 یا 20 منٹ کھڑے رہنے کے بعد ہمارے بیٹھنے کی باری آ گئی۔ اس کے بعد کوئی دس منٹ ہمیں دس کی دس کرسیاں بدل کر ٹکٹ والی کھڑکی تک پہنچنے میں لگے۔ کھڑکی کے اس طرف بیٹھے ٹکٹ بابو ایک سردار جی تھے۔ انہوں نے ہماری منزل پوچھی اور ہمارے بتانے کے مطابق آگرہ کا ریٹرن ٹکٹ ہمیں پکڑا دیا۔ ٹکٹ کی خریداری کے سلسلہ میں چن ویر سنگھ نے پیشکش کی کہ وہ ہمارے لیے ٹکٹ خریدیں مگر ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کھڑکی پر اپنا قبضہ برقرار رکھتے ہوئے ٹکٹ خرید لیا اور واپس پارکنگ کی طرف آ گئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دہلی کے بازار میں

ابھی شام ہونے میں کافی دیر تھی اس لیے مسٹر چن ویرا اور بالی کے ساتھ دہلی کا بازار دیکھنے نکل گئے۔ ٹریفک انتہائی سست رو تھا۔ بالکل ہمارے لاہور کی شاہ عالمی مارکیٹ یا یوں کہیے کہ راولپنڈی کے راجہ بازار کی طرح۔ بازار کے درمیان میں ایسے نظر آ رہا تھا جیسے چھوٹے چھوٹے خیمے تنے کھڑے ہوں لیکن وہ سائیکل رکشے اور ٹرائی سائیکل رکشے تھے جو قطار اندر قطار ٹریفک کے ہجوم میں پھنسے کھڑے تھے۔ یہ وہی موٹر سائیکل رکشے ہیں جو آج کل عام رکشوں کی جگہ لے رہے ہیں۔ یہ دور سے ریل گاڑی کے مربوط ڈبوں کی طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوئے نظر آ رہے تھے اور نہایت سست رفتاری اور بے نیازی کے ساتھ سڑک پر چل رہے تھے۔ ہم نہایت صبر وسکون سے بیٹھے دیکھ رہے تھے کہ بالی گاڑی کو کیسے ادھر سے ادھر دھکیل کر رکشوں کو بائی پاس کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اسے کوئی خاص کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔

بازار جانے کے ہمارے تین مقاصد تھے۔ دہلی کے بازار کو اس نظر سے دیکھنا کہ وہ پنڈی اور لاہور کے بازاروں سے کس حد تک مختلف ہے۔ بچوں کے لیے کچھ شاپنگ کرنا تھی جنہوں نے کہیں سے سن رکھا تھا کہ انڈیا میں گرم شالیں بہت اچھی بنتی ہیں اور وہاں مصنوعی جیولری بھی بہت اچھی ملتی ہے اور یہ کہ کچھ خشک پھل مثلاً کاجو اور الائچی وغیرہ جو ہمارے ادھر کم ہوتے ہیں اور تیسرا مقصد ہمارا بازار جانے کا یہ تھا کہ اپنے پروٹوکول میزبان کے لیے کوئی مناسب سا تحفہ خرید ا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھنڈی کا سالن

پاکستان سے نکلتے وقت تو کچھ ایسی افراتفری تھی کہ ہمیں ایسا سوچنے کا موقع ہی نہ مل سکا کہ احتیاطاً کوئی ہلکا پھلکا خوبصورت سا تحفہ (Sovenir) ساتھ رکھ لیں۔ چنن دیر سے تو ہمارا تعارف یہیں آکر ہوا وہ بہت سادہ پرخلوص اور بامروت میزبان ثابت ہوئے۔ دوپہر کے وقت انسٹی ٹیوٹ سے نکلتے ہوئے کہنے لگے کہ ذرا گھر کی طرف سے ہوتے ہوئے چلیں اور گھر والوں کو بتاتے جائیں کہ ہم بازار جا رہے ہیں شاید شام کو آنے میں کچھ دیر ہو جائے۔ گھر پہنچنے پر گویا ہوئے کہ چند منٹ کے لیے گھر کے اندر تشریف لائیں آپ کو اپنا گھر تو دکھا دیں اور اگر ہو سکے تو ایک کپ چائے کا ہی لے لیں۔ چنانچہ ان کے ساتھ ہم ان کے گیسٹ روم میں چلے آئے۔ سلیقے سے رکھا ہوا سادہ اور مختصر فرنیچر۔ بڑے تپاک سے بیٹھنے کو کہا پھر فرمانے لگے کہ جناب کھانا بالکل تیار ہے میں نے بھی ابھی کھانا کھانا ہے آپ بھی تھوڑا بہت چکھ لیں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ ہم انکار کرنا چاہتے تھے مگر ان کا پرخلوص لہجہ آڑے آیا اور انکار کرنا مشکل ہو گیا۔ انہوں نے ہماری جھجک محسوس کی اور کچھ ہچکچاتے ہوئے کہنے لگے کہ بھنڈی کا سالن ہے اور ساتھ میں گرما گرم روٹی۔ انہوں نے ہماری خاموشی کو اقرار سمجھا اور اندر چلے گئے۔

www.kitabosunnat.com

ساڑھی

تھوڑی ہی دیر میں وہ ایک ٹرے میں وہ خود ہی سالن لے کر آئے۔ ان کے ساتھ ایک خاتون بھی تھیں جو کہ روٹیاں لیے ہوئے تھیں۔ وہ خاتون ایک سادہ سی سفید ساڑھی میں ملبوس تھیں۔ یہ ساڑھی بہرحال ایسی نہ تھی جس طرح کی ساڑھی کا تذکرہ ہمارے ہمسائے نسیم صاحب نے کیا تھا۔ نسیم صاحب چند ماہ قبل نظام الدین اولیاءؒ کے عرس کے سلسلہ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان تشریف لے گئے تھے اور نعتوں اور قوالیوں کی محافل اور ذکر واذکار کی روحانی نشستوں کے ساتھ ساتھ باہر کی دنیا بھی دیکھتے رہے تھے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بتایا تھا کہ ہندوستان میں خواتین ایسی ساڑھی پہنتی ہیں جو سائز میں تو بہت بڑی ہوتی ہے لیکن خواتین اسے اس انداز سے سمیٹ لیتی ہیں کہ آدھی کمر اور آدھا پیٹ ساڑھی کے لمس کو ترستا ہی رہتا ہے، اور شاعر حضرات کے تخیل کے لیے راہوار کا کام دیتا ہے۔ انڈیا سے واپسی پر انہوں نے اسلام آباد میں ہم سے پوچھا کہ دہلی میں کیا دیکھا؟ تو ہم نے جواباً عرض کیا کہ نسیم صاحب آپ انہیں جہاں چھوڑ آئے تھے ہم وہاں سے آگے نہ جاسکے۔ یہ سن کر انہوں نے معنی خیز نظروں سے ہماری طرف دیکھا اور کہا کہ اچھا تو بہت دور تک جانے کے ارادے تھے۔ عرض کیا کہ جناب ہم نے تو صرف صورت حال کی وضاحت کی ہے۔

آداب عرض

بیگم چن ویر نے ساڑھی کچھ اس طرح سے پہن رکھی تھی کہ وہ سوائے چہرے اور ہاتھوں کے پورے لباس میں تھیں۔ انہوں نے آتے ہی ہمیں ہلکا سا نمستے کہا اور آداب کیا۔ چن ویر صاحب نے تعارف کرایا کہ یہ ہماری بیگم صاحبہ ہیں۔ ان کا اس طرح سے جھجکتے ہوئے آداب کرنا ہمیں بہت اچھا لگا۔ جواباً ہم نے بھی آداب کہا۔ یہ آداب بھی کیا خاصے کی چیز ہے۔ ہم تو آداب کو فقط ادب کے معنی میں ہی لیتے تھے یا تعظیم کے، لیکن یہاں ہندوستان آکر پتہ چلا کہ اس لفظ کی کتنی اہمیت ہے۔ بچپن میں ہم نے میڈم اے۔ آر۔ خاتون کے ناولوں میں یہ لفظ پڑھا تھا۔ ان کے ناول ''شمع'' اور ''افشاں'' وغیرہ متحدہ ہندوستان میں ہندو مسلم سوسائٹی کی بہت اچھی تصویر کشی کرتے ہیں۔ ان میں عام طور پر السلام علیکم کی بجائے آداب، آداب عرض، آداب بجا لاتا ہوں، آداب پیش کرتا ہوں یا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آداب آداب وغیرہ کا استعمال بہت تھا۔ اس وقت ہمیں اپنی کم علمی کی وجہ سے یہ اچھا نہیں لگتا تھا کہ میڈم اے آر خاتون السلام علیکم کی جگہ آداب وتسلیمات پر اتنا زور کیوں دیتی ہیں؟ بعد میں پتہ چلا کہ ہندو لوگ السلام علیکم کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے اور اونچے طبقے کے لوگ بھی سر سید احمد خان کی تحریک کے زیر اثر وسیع المشربی اور مخلوط کلچر کے حامی تھے جس میں نمستے اور السلام علیکم کی جگہ ''آداب'' ہی پر اکتفا کیا جاتا تھا۔

اسی آداب سے یاد آیا کہ گریجوایشن کے فوراً بعد 1964ء میں ایک دفعہ ہمیں ورلڈ بنک کے سندھ طاس کے ایک منصوبے میں کچھ عرصہ کام کرنے کا موقع ملا۔ وہاں انگریز لوگ ہمیں کبھی کبھی Good Morning کی بجائے السلام علیکم کہتے اور جواب میں ہم بھی انہیں وعلیکم السلام کہہ دیتے۔ ان انگریزوں میں کافی لوگ پاکستان آنے سے پہلے انڈونیشیا، شام اور یمن وغیرہ میں کام کر چکے تھے۔ اس لیے انہیں السلام علیکم، واللہ، صباح الخیر وغیرہ کے الفاظ خوب یاد تھے۔ تاہم وعلیکم السلام کہتے ہوئے کبھی کبھی ہمیں خیال آتا تھا کہ ہم اپنے دین کے ان دشمنوں کے لیے سلامتی کی دعا کیوں مانگتے ہیں۔ کل کلاں ہماری پکڑ ہو سکتی ہے کہ تمہاری انہی دعاؤں کی وجہ سے ان کافروں کو اتنی ترقی اور فراوانی دی جا رہی ہے جس کا ذمہ ہم اپنے سر نہیں لینا چاہتے تھے۔ ہم نے سوچا کہ کیوں نہ اہل علم سے مشورہ لیا جائے۔ حسن اتفاق سے اس وقت ہمارا قیام لاہور میں تھا اور ان دنوں مولانا سید مودودیؒ کی عصری مجالس کا کافی چرچا تھا اس لیے ہم اپنے ایک دوست حاجی عبدالمجید کو ساتھ لے کر اچھرہ میں مولانا کی ایک عصری محفل میں جا پہنچے۔

مولانا کی عصری نشستوں کی اپنی ہی شان تھی۔ دور ونزدیک ہر جگہ سے لوگ آتے تھے۔ کچھ صرف زیارت اور ملاقات کے لیے اور کچھ علم کی پیاس بجھانے کے لیے اور کچھ نظری اور بصری دونوں کے لیے۔ ہم مولانا سے کچھ دور کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ لوگ تھے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوالات پہ سوالات پوچھے جارہے تھے مگر ہم کچھ جھجک رہے تھے کہ سوال کیسے کریں۔

بہرحال ہم نے بھی ہاتھ کے کلاس رومی اشارے سے مولانا کو اپنی طرف متوجہ کیا اور اپنا مسئلہ ان کے سامنے رکھا۔ مولانا نے نہایت نرم اور دھیمے لہجے میں سمجھایا کہ السلام علیکم ایک نہایت اہم اور بنیادی اسلامی شعار ہے جو ہمیں ایک متحد امہ ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ افشو السلام کا حکم مسلمان سوسائٹی کے لیے ہے اور یہ ایک دعا ہے ہر جگہ، ہر وقت اور ہر ایک کے لیے۔ نہایت ہی پرخلوص دعا جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دیتا ہے خواہ وہ اس کا واقف ہو یا اجنبی۔ یہ مسلمانوں کا آپس کا ایک ہمہ وقتی کوڈ ورڈ ہے جو ہر جگہ اپنائیت اور اپنی پہچان دیتا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اصل میں السلام علیکم غیر مسلموں کے لیے نہیں ہے اس لیے حتیٰ الوسع صبح بخیر (Good Morning) اور آداب وغیرہ سے ہی کام چلائیں اور انہیں کی زبان میں جواب لوٹادیں۔ اگر وہ السلام علیکم ہی کہہ دیں تو جواباً صرف وعلیکم ہی کہیں۔ ہاتھ ملایا جاسکتا ہے مگر خواتین کے ساتھ نہیں۔ پورا وعلیکم السلام بھی اگر کہہ دیا جائے تو نیت یہ ہونی چاہیے کہ ہم اس کی سلامتی کی یہ دعا اس لیے کر رہے ہیں کہ اللہ اسے اسلام قبول کرنے کی توفیق دے اور یہ واقعی سلامتی کا حقدار بن جائے۔ کچھ اور علما نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا اور بتایا کہ شریعت میں غیر مسلموں کو السلام علیکم کہنے کی واضح ممانعت نہیں ہے اس لیے کہا بھی جاسکتا ہے۔

چنگیر

بہرحال ادب آداب کے بعد چن ویر کے ساتھ ہم بھی کھانے کی طرف متوجہ ہوئے۔ بیگم چن ویر بیچاری خود ہی آداب میزبانی بھی نبھارہی تھیں۔ اس دوران گرم گرم روٹیاں مہیا کرنے میں ان کی دوڑ لگی رہی۔ وہ ہمارے لیے ایک نئی خوبصورت رنگین چنگیر (گندم کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تنے سے بنائی گئی خصوصی پلیٹ یا 'چھابی' جو صرف روٹی رکھنے کے کام آتی ہے) میں سفید رومال پر رکھ کر روٹی لاتیں اور نہایت آہستگی سے اس انداز سے چمٹی سے پکڑ کر ہماری پلیٹ میں رکھتیں جیسے کہ پکنے کے بعد روٹی کو ہاتھ نہیں لگایا گیا۔ ہم نے سوچا کہ انگلینڈ اور تھائی لینڈ میں جو کھانے کھاتے رہے تھے وہ کون سے مومنین کے ہاتھوں کے پکے ہوئے ہوتے تھے اور یہاں تو صرف سبزی اور روٹی ہے اس لیے بے دھڑک کھانا کھانے لگے۔ چھ سات روٹیاں چن ویرصاحب کھا گئے اور دو تین روٹیاں ہم نے بھی چکھ لیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر بھوک کھل کر لگی ہو تو اس طرح کی ڈیڑھ دو درجن روٹیاں تو شاید ایک عام آدمی کھا ہی جائے۔ اس طرح کی روٹی یا چپاتی نام کی شے کو ہمارے گاؤں کی زبان میں نکی یعنی ٹکیہ کہتے ہیں کیونکہ یہ ہاتھ کی ہتھیلی کے سائز سے شاید کچھ ہی بڑی ہو۔ اور پھر باریک بھی اتنی کہ کاغذ کی مانند۔ بھنڈی خوب مزے دار پکی ہوئی تھی۔ بھنڈی اور اچار کے ساتھ کھانا کھانے کے بعد میٹھا بھی آ گیا۔ میٹھا کیا تھا ہمارے بچپن کی ایک خوشگوار یاد تھی۔ گندم کی کٹائی اور گہائی کے گرم گرم تپتے ہوئے موسم میں دوپہر ڈھلے ظہر کے بعد ایک لنچ نما کھانا کھیتوں یا کھلیان میں ملا کرتا تھا۔ جس کو پنجابی میں ہم لوڈا ویلا کہتے تھے۔ اس میں عام طور پر پراٹھے کے ساتھ اسی قسم کا میٹھا ہوتا تھا یعنی مکھن یا دیسی گھی ملی شکر جب کہ اس میٹھے میں شکر کی جگہ چینی تھی۔ ہم نے میٹھا بھی چکھا اور مزے دار پایا۔ پھر ہلکی پھلکی چائے کا دور چلا۔ اس کے بعد کہیں ہم بازار کی طرف نکل سکے۔ ایک دفعہ مجھے خیال آیا کہ میں چن ویر سے ڈرائیور بالی کے لیے بھی کھانے اور چائے وغیرہ کا کہوں مگر اس خیال سے خاموشی اختیار کیے رکھی کہ کہیں یہ میزبان کے لیے کسی پریشانی یا مشکل کا سبب نہ بن جائے۔

بازار انتہائی مصروف، ٹریفک پر ہجوم اور چیونٹی کی طرح سست تاہم قابل ذکر بات یہ تھی کہ ٹریفک چیونٹیوں کی لمبی سیدھی قطار کی طرح کافی منظم تھا۔ ہمارے ہاں کے ٹریفک کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح بے ہنگم، منتشر اور منہ زور نہیں۔ بازار کے باہر پارکنگ کے لیے جگہ نہ ملی۔ کچھ وقت پارکنگ کے لیے جگہ تلاش کرنے میں ضائع کرنے کے بعد بالی نے کہا کہ وقت ضائع کرنے کے بجائے آپ ادھر ہی اتر جائیں اور شاپنگ وغیرہ کے بعد واپس اسی جگہ آجائیں، میں آپ کو تلاش کرلوں گا۔ ہم نے ایسے ہی کیا اور گاڑی سے اتر کر پیدل بازار کی طرف چل دیے۔ بازار کافی مصروف تھا مگر بہت زیادہ نہیں۔ چن ویر نے بتایا کہ آج کل ہمارا ہندوؤں کا ایک مذہبی تہوار چل رہا ہے۔ نام بھی عجیب سا لیا تھا جو یاد نہیں رہا۔ اس ماہ میں ہندو لوگ گھر سے باہر نکل کر کاروبار کرنے کو منحوس خیال کرتے ہیں اور صرف اشد ضرورت کے لیے ہی گھر سے باہر نکلتے ہیں اس لیے عام کاروبار تقریباً ٹھپ ہی رہتا ہے۔

چاند گاڑی

دہلی ہندوستان کا ایک بہت بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی 11 ملین سے زائد ہے اور تین ملین سے زائد کاریں اور رکشا وغیرہ ہیں۔ ٹریفک کے اتنے بڑے ہجوم کی وجہ سے فضائی آلودگی میں دہلی کا نمبر دنیا میں چوتھا ہے۔ ٹریفک کے حادثات کی وجہ سے پانچ اموات روزانہ کی اوسط ہے۔ کنار پیلس بہت بڑی مارکیٹ ہے اور بازار شاہ عالمی مارکیٹ یا راجہ بازار سے ملتی جلتی ہے۔ اس میں چھوٹی اور سست ٹریفک عام تھی۔ سائیکل رکشا، ٹرائی سائیکل جو کہ چن چی، سوزوکی یا یاماہا وغیرہ جیسے ناموں سے ہمارے شہروں میں بھی کچھ ہی عرصہ پہلے نمودار ہوا اور چاند گاڑی کے نام سے ہر طرف چھا گیا۔ یہاں بھی اسی کا راج تھا۔ اس کے کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں بجاج قسم کے اصلی ہندوستانی رکشے بھی موجود تھے جو بہت زیادہ بر پا کر رہے تھے۔ یہ آٹو رکشا ایک عدد سواری بٹھا کر اتنا شور کرتا ہے کہ جمبو جیٹ اور کنکورڈ طیارے بھی کیا اتنا شور پیدا کریں گے۔ مگر چن چی قسم کے موٹر سائیکل رکشے آٹھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے بارہ مسافر بٹھا کر بھی آٹو رکشا سے بہت کم شور پیدا کرتے ہیں۔ بہرحال اپنا اپنا ظرف ہے۔ زیادہ تر لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں جو تیسری دنیا کے عام حکمرانوں کی طرح کرتے کراتے تو کچھ بھی نہیں سوائے غیر ملکی دوروں کے اور شور سارے جہاں سے زیادہ مچاتے ہیں۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو لوگ کچھ کر گزرنے کی ٹھان لیتے ہیں انہیں شور مچانے کا موقع ہی کم ملتا ہے ایسے بہت سارے لوگ ہمیشہ گمنامی میں رہتے ہیں۔ اسی لیے کام کے ساتھ ساتھ کچھ کچھ پروپیگنڈا کا شور بھی ہونا چاہیے۔

ملتان جیولری مرکز

ہندوستان کے چاندی اور مصنوعی سونے کے زیورات بہت مشہور ہیں۔ پاکستان میں ملنے والے زیادہ تر مصنوعی زیورات ہندوستان کے ہی تیار کردہ ہوتے ہیں۔ اسی لیے ہم نے چن ویر سے کہا کہ کسی چاندی کے زیورات کی دوکان پر چلیں۔ چلتے چلتے ایک دوکان پر ملتان جیولری شاپ کا بورڈ دیکھا، چن ویر سے کہا کہ اسی دوکان پر چلتے ہیں۔ پوچھا کہ کوئی خاص وجہ، پھر دوکان پر لگا بورڈ پڑھ کر کہنے لگے کہ سمجھ گیا ملتان نام کی وجہ سے۔ انسان کی جبلت بھی عجیب ہے کہ وہ غیروں بلکہ دشمنوں تک میں بھی اپنائیت ڈھونڈھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہمارے بزرگ بھی ابھی تک پاکستان میں اسی قسم کے پرانے نام ہی رکھنا پسند کرتے ہیں جو مہاجرت سے قبل ان کے گاؤں یا علاقوں کے نام تھے۔ اسی طرح ادھر سے ہندوستان جانے والے بھی ایسے ہی نام رکھتے ہیں۔ چنانچہ ہم دوکان کے اندر چلے گئے۔ دوکاندار بڑے تپاک سے ملا اور اس نے نمستے بھی کہا۔

اندر داخل ہونے پر ملتان جیولری شاپ کافی بڑی نکلی۔ نام کے متعلق پوچھا تو پتہ چلا کہ ان کے بڑے بزرگ ملتان کے علاقے سے دہلی آئے تھے۔ ہم نے پوچھا کہ کب آئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے کیونکہ تقسیم کے وقت ملتان کے علاقے سے اتنی نقل مکانی نہیں ہوئی تھی جتنی کہ لاہور اور فیصل آباد کے علاقوں سے ہوئی تھی۔ دوکاندار نے بتایا کہ یہ 1947ء سے بہت پہلے کی بات ہے۔ ہمارے بڑے یہ بتایا کرتے تھے کہ اس زمانے میں ملتان بہت گرم ہوا کرتا تھا۔ بارش کبھی کبھار اور بعض اوقات تو کئی کئی سال بعد ہوتی تھی۔ ہم نے جواب دیا کہ وہ ٹھیک ہی کہتے تھے۔ پہلے کہا جاتا تھا کہ

چہار چیز تحفہ از ملتان گرد، گرما، گداگر و گورستان

انہوں نے پوچھا کہ آج کل ملتان کا کیا حال ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ اللہ کا فضل ہے پہلے سے بالکل الٹ۔ اب تو ملتان باغوں اور بہاروں کا خوبصورت چمنستان ہے جہاں بلبلیں چہکتی اور کوئلیں کوکتی ہیں۔ یہاں کے باسی نہایت حوصلہ مند، وضع دار، منکسر المزاج اور خوب مہمان نواز واقع ہوئے ہیں۔ درخت پھلوں سے لدے ہوئے، کھیت فصلوں سے لہلہاتے ہوئے اور کھلیان غلوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ بہترین خوشنما، خوش ذائقہ اور قوت بخش آم اور سب سے اعلیٰ کپاس پیدا کرنے کا سہرا بھی ملتان ہی کے سر بندھتا ہے۔ کپاس کے ساتھ ساتھ اب ملتان کے آم بھی بیرونی ممالک میں پاکستان کی پہچان بنتے جا رہے ہیں اور کپاس ہی کی طرح آم بھی زرمبادلہ کمانے کا ایک اہم ذریعہ ثابت ہو رہے ہیں۔ اور اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ

چہار چیز تحفہ از ملتان گل و بلبل و خرما و گلستان

ملتان کی اس طرح تعریف سن کر انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ ہم نے چاندی کی کچھ چھوٹی چھوٹی چیزیں بچوں کے لیے خریدیں۔ اسی اثنا میں نماز مغرب کا وقت آ گیا اور کہیں سے اذان کی ہلکی ہلکی آواز بھی سنائی دی۔ دوکاندار سے معلوم کیا تو اس نے بتایا کہ پیچھے گلی میں کہیں مسجد ہے لیکن قدرے دور ہے اس لیے آپ یہیں نماز ادا کر لیں۔ ہم دل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں سوچ رہے تھے کہیں پوری دوکان ہی بھرشٹ نہ ہو جائے۔ اسی دوران انہوں نے ایک صاف سفید چادر کا انتظام کیا اور دوکان میں ہی ایک طرف کچھ سامان اٹھا کر نماز کے لیے جگہ بنا دی۔ ہم نے قبلہ کے تعین کے لیے غروب آفتاب کا اندازہ کرنے کی کوشش کی تو دوکاندار نے بتایا کہ ہم نے چادر ٹھیک قبلہ رخ پر بچھائی ہے آپ بے فکر ہو کر نماز ادا کریں۔ شہری بودوباش ہونے، کاروباری ہونے، یا پھر ملتانی ہونے کی وجہ سے انہوں نے ہمیں اپنی گدی کے نزدیک نماز کے لیے جگہ بنا کر دی اور کسی قسم کی ناگواری کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے یہ ملتانی صاحب متعصب برہمن نہ ہوں گے کیونکہ انہوں نے ہمارے ساتھ مصافحہ بھی کیا اور چائے پانی کا بھی پوچھا۔

سفر اور نماز

سفر کے دوران بالخصوص غیر مسلم ممالک میں نماز کی ادائیگی ایک بہت اہم مسئلہ ہوتی ہے۔ مغرب، عشاء اور فجر تو خیر ہوٹل میں ہی ادا ہو جاتی تھیں مگر ظہر بھرپور کارروائی کے دوران آتی تھی۔ سیمی نار میں پہلا کافی کا وقفہ تو نماز ظہر سے بہت پہلے ہو جاتا تھا مگر دوسرا وقفہ ساڑھے تین بجے ہوتا تھا۔ دوپہر کا کھانا ایک سے ڈیڑھ بجے تک ہوتا تھا۔ اتنے کم وقت میں بمشکل کھانا ہی کھایا جاتا تھا اور نماز کے لیے وقت نکالنا بہت ہی مشکل تھا۔ اس لیے ہم نے نماز ظہر ساڑھے تین بجے ہی ادا کرنے کا پروگرام بنایا۔ دوسرا مرحلہ نماز کی ادائیگی کے لیے مناسب جگہ کی تلاش تھا۔ ہمارے لیے چونکہ ساری زمین عبادت کے لیے پاک ہے اس لیے جائے نماز بھی ساتھ رکھنے کی عادت نہیں۔ پہلے دن چائے ذرا جلدی ختم کر کے چائے کی انتظامیہ (Cattering staff) سے رجوع کیا۔ چائے میزوں پر لگانے والے سارے بیرے کم عمر لڑکے تھے۔ ہم نے بھی ایک لڑکے سے کہا کہ وہ کوئی صاف کپڑا لا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دے۔ بیرا ایک سفید چادر لے آیا جو آدھی صاف تھی اور آدھی پر چائے کے داغ لگے ہوئے تھے۔ ہم نے ساتھ ہی چھوٹے سے لان کی گھاس پر چادر بچھائی اور نماز ظہر اور عصر اکٹھی ادا کی۔ چادر تہ کر کے اسی لڑکے کو واپس دیتے ہوئے ایک دو روپے کا سکہ بھی ساتھ ہی تھما دیا۔ لڑکا خوش ہو گیا۔ دوسرے دن اسی وقت ایک صاف ستھری چادر لیے وہ لڑکا ہمارا منتظر تھا۔ جونہی چائے ختم کر کے ہم لان کی طرف آئے اس نے بھاگ کر صحیح قبلہ رخ چادر بچھا دی۔ اس کے بعد روزانہ کے لیے ہمارا یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ لڑکا ہنس مکھ تھا چنانچہ ہمیں نماز کے لیے نہ صرف دھلی ہوئی چادر مل جاتی بلکہ ایک عدد تشکر آمیز مسکراہٹ اور نمستے بھی۔

لائلپوری سردار جی

ملتانی جیولری شاپ سے واپس آتے ہوئے ایک خشک میوہ جات کی دوکان سے گزر ہوا۔ دوکاندار نے کاجو بڑی خوبصورتی سے سجا رکھا تھا اور قیمت بھی مناسب لگی۔ کاجو کے بعد ہماری نظر کافی پر پڑی۔ یہ ہندوستانی کافی تھی۔ یہ کافی بھی ہمیں کافی سستی لگی۔ واپسی پر ایک سردار جی کی کھوکھا نما دوکان دیکھی اور بچوں کے لیے مصنوعی زیورات کی کچھ اشیاء ان سردار جی سے بھی خریدیں۔ ان سے حال احوال دریافت کیا تو کہنے لگے کہ آپاں تاں لائل پوروں آئے آں۔ ہن تے تساں لائل پور داناں وی بدل دتا اے تے نواں ناں فیصل آباد رکھ دتا اے۔ چلو لائل پور کیہڑا اساڈے چاچے دا پتر سی۔ لائل وی تاں کسے انگریز دا ای پتر ہوؤ گا۔ ہم نے بتایا کہ ہم فیصل آباد سے نہیں بلکہ اسلام آباد سے آئے ہیں۔ سردار جی بولے کہ لگدا تاں نہیں پر تسیں کہندے او تے من لیندے آں۔ بولی تے تواڈی لائل پور نہ فیصل آباد ورگی لگدی اے۔ ہم نے بتا دیا کہ پیدائش تے ساڈی وی مشرقی پنجاب دی اے تے ہن اسیں اوکاڑہ وچ رہندے آں تے اسلام آباد ملازمت کردے آں۔ سردار جی کہنے لگے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ اچھا جی جدوں کدی فیصل آباد جانا ہووے تے گھنٹہ گھر تے زراعتی کالج دوناں نوں ساڈا سلام کہنا۔ زراعتی کالج اسیں کدی کدی سیر کرن جاندے سی تے بڑا سوہنا لگدا سی۔ گفتگو کے دوران سردار جی بار بار چائے کی بھی پیشکش کر رہے تھے۔ ہم نے محسوس کیا کہ چن ویر صاحب کو ہمارا سردار جی کے ساتھ پنجابی زبان میں باتیں کرنا کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا کیونکہ وہ بار بار گھڑی دیکھ کر دیر ہونے کا اشارہ کر رہے تھے۔ سردار صاحبان جب لفظ آپاں پر زور دیتے تو کچھ کچھ اپنائیت سی محسوس ہوتی۔ سردار جی سے ہمارا اور باتیں کرنے کو بہت دل چاہتا تھا لیکن چن ویر کا خیال کرتے ہوئے واپس ہو لیے۔

مڈنایٹ مارکیٹ

تقریباً نماز عشاء کا وقت ہو چلا تھا اور دوکانیں بند ہو رہی تھیں۔ تاہم ان بند ہونے والی دوکانوں کے سامنے اور دوکانیں قائم ہو رہی تھیں اور ایک نیا بازار بنتا جا رہا تھا۔ گیس لیمپ یا عارضی طور پر بلب لگا کر ہر دوکان کے سامنے ایک نئی دوکان بچھائی جا رہی تھی۔ چن ویر نے بتایا کہ یہ رات کا بازار کہلاتا ہے اور دہلی میں آدھی رات کی مارکیٹیں (Mid night markets) عام ہیں۔ یہ بازار عام طور پر دہلی کی تقریباً تمام بڑی مارکیٹوں میں لگتے ہیں اور رات کے ایک دو بجے تک جاری رہتے ہیں۔ آہستہ آہستہ خریداروں کا رش بڑھتا جا رہا تھا اور رکشوں کا رش کم ہوتا جا رہا تھا۔ دوکانوں میں رکھے ہوئے سامان کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ ہلکی پھلکی گھریلو اور کچن سے متعلق اشیاء کی خریداری کے لیے یہ بازار بہت مناسب ہیں۔ ہم نے بھی بھاگتے بھاگتے چند چیزیں خرید ہی لیں۔ سودے بازی کی بدولت یہ چیزیں ہمیں کافی سستی محسوس ہوئیں۔ ہم نے اندازہ لگایا کہ دن کے بازاروں میں مسلمان اور سردار جی صاحبان کی تعداد بہت کم تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس رات کے بازار میں زیادہ تعداد مسلمانوں کی ہے کیونکہ کچھ لوگ آپس میں السلام علیکم کہتے ہوئے بھی سنائی دیے۔ بعد میں معلوم کرنے پر بالی سے پتہ چلا کہ اس علاقہ میں مسلمانوں کی کافی تعداد رہتی ہے۔ رات کو بازار لگانے والوں میں زیادہ تر یہی مسلمان ہوتے ہیں۔ اس بازار میں گھریلو دستکاری قسم کی چیزیں بھی کافی نظر آ رہی تھیں۔ بالی نے ہماری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بتایا کہ ہندوستان کی بڑی مارکیٹوں میں مسلمان اور سکھ نہ ہونے کے برابر ہیں۔

ہندوستان میں تجارت پر ہندوؤں کا قبضہ ہونا کسی اچنبھے کی بات نہیں مگر حیرانی اورافسوس کی بات یہ ہے کہ ان ہندوؤں نے تو ہمارے مسلم ممالک کی بھی تمام مارکیٹوں پر قبضہ جما رکھا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ پاکستانی تاجروں نے اتنی ایمانداری اور کاروباری اعتماد کا ثبوت نہیں دیا جتنا کہ بت پرست ''بے ایمان'' اور ازلی جھوٹے ہندو نے۔ ایک اچھا تاجر اپنی کاروباری ساکھ چمکانے کے لیے ہر ایسے اقدام سے پرہیز کرتا ہے جس سے اس پر بے ایمانی، بدنامی اور بداعتمادی کا الزام لگنے کا خطرہ ہو۔ لیکن ہمیں اب بھی اس بات کا احساس نہیں ہوا۔ اس کا ایک افسوسناک ثبوت ہمیں حال ہی میں ملا۔ سعودی عرب کی چاول کی مارکیٹ پر 1988ء تک پاکستان کی اجارہ داری (Domain) تھی اور سعودیہ میں چاول کی مارکیٹ کا 65 سے 70 فیصد حصہ پاکستان سے برآمد ہوتا تھا مگر ہمارے تاجروں کی نادانیوں اور ہماری ناقص منصوبہ بندی کی وجہ سے گھٹتے گھٹتے اب یہ حصہ صرف 9 فیصد رہ گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے ممالک کا حال بھی ہوگا۔ کیا یہ مقام افسوس نہیں؟ اس پر مستزاد یہ کہ ایک اخبار میں پاکستانی تاجروں کے لیے یہ نصیحت پڑھ کر بہت شرم محسوس ہوئی کہ اگر پاکستانی تاجر ہندو تاجروں کی طرح معیار اور ایمانداری کا ثبوت دیں تو دوبارہ اس تجارت پر قبضہ کر سکتے ہیں۔ ایمانداری جو ہماری پہچان تھی اور جس کا سبق ہم نے دنیا کو دیا اسے اب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہمیں ہندوؤں میں تلاش کرنے کا سبق دیا جا رہا ہے۔ ؏

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

دارو

بازار جاتے ہوئے بھی چند جگہوں پر بہت رش دیکھا تھا کھوے سے کھوا چھل رہا تھا اور آتے ہوئے بھی دو تین جگہوں پر رش پہلے سے زیادہ موجود پایا۔ ان میں زیادہ تر لوگ مریل سے جسموں والے اور مزدور قسم کے لگتے تھے۔ پوچھنے پر چن ویر صاحب نے کچھ تسلی بخش جواب نہ دیا اور واپسی پر دوبارہ پوچھا اور پھر کچھ قریب ہو کر جھانکا تو خود بخود ہی پتہ چل گیا کہ اس ہجوم سے نکل کر جانے والوں کے ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی کپیاں اور بوتلیں تھیں۔ چن ویر نے اس پر کہا کہ یہ لوگ زیادہ تر محنت مزدوری کرنے والے ہیں۔ سارا دن سخت محنت کرتے ہیں، شام کو یہ لوگ اپنی آدھی یا اس سے زیادہ کمائی دارو (شراب) خریدنے پر لگا دیتے ہیں۔ خوب منچلے ہیں یہ لوگ۔ نہ شکلیں ڈھنگ کی ہیں اور نہ ہی کپڑے اچھے سارا زور دارو پر ہے۔ جب آدمی کی آدھی کمائی دارو پر خرچ ہو گی تو پھر خانہ تو خراب ہونا ہی ہے۔ بقیہ آدھی کمائی میں کیسے گھر چلے اور صحت کیسے اچھی ہو، اچھے کپڑے تو بہت دور کی بات ہے۔ ہم نے اس بارے میں اپنا اظہار خیال مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ ہمیں ڈر اس بات کا ہے کہ اگر یہ دارو اسلام آباد اور لاہور میں ایسے ہی کھلے عام ملنے لگے تو شاید بھیڑ اس سے کچھ زیادہ ہی نظر آئے۔ ہم ایسے کاموں میں مقابلہ کرنا خوب جانتے ہیں۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے جب ہر نکڑ پر پڑیوں کی وبا نہیں ہوتی تھی بلکہ صرف چند جگہوں پر افیم کے ٹھیکے ہوتے تھے اور چند مخصوص دوکانوں پر یہ ہفتہ میں صرف ایک دن وہ بھی چند گھنٹوں کے لیے کھلتے تھے۔ ان جگہوں پر افیم لائسنس یافتہ افراد کو بیچی جاتی تھی۔ اس دن یہ افیمی لوگ جنہیں ہم سخت سست بلکہ مردہ اور بے کار تصور کرتے ہیں بڑے چاق و چوبند نظر آنے لگتے تھے اور علی الصبح ہی آ کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوکانوں کے آگے جم جاتے تھے اور وہ رش پڑتا تھا کہ خدا کی پناہ۔

چلتے چلتے ہم ایک مٹھائی کی دوکان پر رک گئے۔ دوکان بہت سجی ہوئی تھی اور خریداروں کا رش بھی خوب تھا۔ ہم نے ریٹ پوچھے بغیر 250 روپے دیے کہ گلاب جامن اور برفی دے دیں۔ دوکان دار نے صرف پونے دو کلو مٹھائی دی جبکہ ہمارا خیال تھا کہ دو کلو سے زیادہ ملے گی۔ بالی کے لیے بھی علیحدہ سے کچھ مٹھائی لی۔ تاہم مٹھائی خاصی مہنگی لگی بتایا گیا کہ دہلی میں دودھ بہت مہنگا ہے، سارا پنجاب کی طرف سے آتا ہے۔ ویسے تو ہمارے ہاں بھی اچھی قسم کی مٹھائیاں بہت مہنگی ہیں۔ چن ویر نے حیران ہو کر پوچھا کہ آپ مٹھائی کے خاصے شوقین لگتے ہیں اور ساتھ ہی ہمیں نصیحت کی کہ مٹھائی ہوٹل کی فریج میں رکھ لینا تا کہ خراب نہ ہو جائے۔

نصیحت

گرم شالوں کی خریداری بھی ہماری ہٹ لسٹ پر تھی۔ مگر کوئی ڈھنگ کی دوکان نظر نہ آئی۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ چن ویر صاحب بھی ہماری طرح مارکیٹوں سے زیادہ واقفیت نہ رکھتے تھے اس لیے شالیں نہ خریدی جا سکیں۔ اور چن ویر نے وقت کی کمی کا کہہ کر معذرت کی، چنانچہ جلدی جلدی اس جگہ پہنچے جہاں پر گاڑی چھوڑی تھی۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد بالی کو پا لیا۔ وہ بے چارہ بھی انتظار کرتے کرتے تھک چکا تھا۔ چنانچہ فوراً ہی ہوٹل کا راستہ لیا۔ ہوٹل پہنچ کر گاڑی سے اترتے ہوئے ہم نے مٹھائی کا ڈبہ نہ اتارا اور چن ویر سے کہا کہ یہ آپ کے ساتھ جائے گا۔ اس غیر متوقع پیشکش کو انہوں نے شکریے کے ساتھ قبول کر لیا جبکہ بالی کا موڈ کچھ خراب محسوس ہوا بہر حال چھوٹا ڈبہ اس کو بھی دیا جو اس نے خوشی خوشی لے لیا۔ چن ویر نے رخصت ہونے پر جاتے جاتے پھر نصیحت کی کہ رات آگرہ رہنے کی کوشش نہ کرنا اور شام کو صحیح وقت پر واپس آگرہ سٹیشن پر آ جانا تا کہ گاڑی مس نہ ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بازار سے واپسی

بازار سے واپسی پر جلدی جلدی لفٹ کے ذریعے تیسری منزل پر اپنے کمرہ میں پہنچے۔ سب سے پہلے وضو کیا کہ نماز عشاء ادا کرنے کے بعد ہی کھانا کھائیں مگر جب وقت دیکھا تو ساڑھے نو بج رہے تھے اور ہوٹل والوں کا اعلان تھا کہ ڈائننگ ہال میں کھانا صرف دس بجے تک کھلایا جائے گا۔ چنانچہ نماز مؤخر کر کے کھانا کھانے کے لیے ڈائننگ ہال پہنچ گئے۔ ہوٹل سمراٹھ والے بھی ڈائننگ ہال میں بڑی لائیٹیں روشن نہیں کرتے بلکہ ماحول کو نیم روشن سا ہی رکھتے ہیں۔ اس ملگجے اندھیرے میں آ کر ابھی بیٹھے ہی تھے کہ ایک بیرا نما آدمی آیا اور ایک عدد موم بتی روشن کر دی۔ اس کے بعد اس نے کھانے کا مینو سامنے رکھ دیا۔ یہ سمراٹھ ہوٹل بھی نیم سرکاری سا ہی لگتا تھا۔ کیونکہ اس کے تقریباً تمام بیرے موٹے تازے اور ادھیڑ عمر کے تھے۔ اور کچھ تو شاید ریٹائرمنٹ کی عمر کو پہنچ رہے ہوں گے۔ عام طور پر آج کل کمرشل ہوٹل ایسے بیرے بھرتی نہیں کرتے۔ پاکستان کی حد تک بھی بیرے نوجوان، چاق و چوبند اور شوخ و شنگ ہوتے ہیں۔ ہوٹل سمراٹھ میں قیام کا تجربہ کچھ زیادہ ہوٹلانہ اور خوشگوار نہ رہا اور اس کی وجہ پے منٹ وغیرہ کا طریق کار تھا۔ پہلے دن جب ہم ہوٹل کے مشرقی ریسٹوران میں ناشتہ کے لیے پہنچے تو کچھ دیر ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ہم نے ان کا ناشتے کا مینو دیکھے بغیر ہی ویٹر سے ایک کپ چائے دو توس اور ایک آملیٹ انڈے کا کہہ دیا۔ ویٹر نے پوچھا کہ سارک کی طرف سے سٹیٹ گیسٹ ہیں۔ ہم نے اثبات میں جواب دیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنیئے کا دل

تھوڑی ہی دیر میں گرم گرم ناشتہ آ گیا اور ساتھ ہی بل بھی۔ ناشتہ کر کے بل دیکھا تو ہمارے اوسان خطا ہوتے ہوتے بچے۔ بل دو سو پچاس روپے کا تھا۔ ہم نے دستخط کر دیے اور سوچنے لگے کہ اس طرح گزارہ کیسے چلے گا۔ خیال تھا کہ ہم بیرونی دورے پر آئے ہوئے ہیں اور یہاں دہلی میں حکومت ہند نے سٹیٹ گیسٹ بھی بنایا ہوا ہے۔ چلو اس دفعہ خوب عیش رہے گی۔ مگر یہاں تو ہم اور بھی تنگ دستی کا شکار ہو گئے۔ کیونکہ ہمیں جو آفر کی گئی تھی اس کے مطابق ہمارے بس میں ناشتے اور رات کے کھانے وغیرہ کے لیے صرف پانچ سو روپے تھے وہ بھی کیش نہیں بلکہ بل پے منٹ تھی اس لیے کھانا باہر سے بھی نہیں کھا سکتے تھے۔ اب ہم سوچ رہے تھے کہ کیا کھائیں اور کیا نہ کھائیں۔ دو سو پچاس روپے میں ناشتہ اور باقی کے دو سو پچاس میں کیا ڈنر ہو سکے گا۔ چنانچہ آج بھی ہم نے کل والا ہی مینو لیا یعنی دو روٹی اسی روپے کی اور روٹی ہاتھ کی ہتھیلی سے کیا بڑی ہوگی بنئے کے دل کی طرح بالکل پدی سی۔ مچھلی کی ایک چھوٹی سی پلیٹ ایک سو پچاس روپے کی جس کو پلیٹ کہنا بھی زیادتی ہوگا اور ایک بوتل پانی کی۔ لو جی دو سو پچاس روپے ختم اور ٹپ ہمارے کھاتے میں۔

دیوتا اور چوہا

یاد آیا کہ ہوٹل سمراٹھ میں داخل ہوں تو سامنے استقبالیہ کے بائیں جانب ایک بالکل سیاہ رنگ کا بت رکھا ہوا تھا جس کا پیٹ بہت بڑا غبارے کی طرح پھولا ہوا، سر بہت چھوٹا تھا اور ٹانگیں صرف چند انچ۔ یہ شاید ان کے مشہور دیوتا گنیش یا گنپت کا بت تھا جو بہت متبرک اور فیاض سمجھا جاتا ہے اور جس کا نام تبرک کے طور پر سب سے پہلے لکھا جاتا ہے (اصلی گنیش کا سر ہاتھی کا اور وہ چوہے پر سوار ہوتا ہے)۔ مگر یہاں ڈائننگ ہال میں بیٹھ کر یوں محسوس ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہا تھا کہ داخلے کے وقت یہ بتایا جاتا ہے کہ اگر اس ہوٹل کا کھانا کھاؤ گے تو تمہارا پیٹ بڑھ جائے گا اور عقل کم ہو جائے گی۔ مگر ہوٹل انتظامیہ ڈائننگ ہال میں خاص کر سرکاری مہمانوں کو ایسی کسی صورت حال سے محفوظ رکھنے کا پورا پورا اہتمام کرتی ہے۔

ہال میں ابھی کافی رونق تھی اور فرمائشوں پر غزل سرائی بھی ہو رہی تھی۔ لائیو میوزک چل رہا تھا ایک فنکار سنگر جو کافی بھاری بھر کم خان تھے ان کے ساتھ ایک دبلی پتلی سی سنگر لڑکی بھی تھی۔ یہ لوگ کبھی ایک ایک کر کے اور کبھی دونوں ایک ساتھ گاتے تھے۔ تان سین تو پتہ نہیں کون ہوگا۔ مگر غزل گوئی اور کلاسیکل میوزک پر ہمارے خانوں کی اجارہ داری ہے۔ شاید یہ والے خان بھی ہمارے ہی خانوں کے رشتہ دار ہوں کیونکہ ان کی آواز بھی خاصی جاندار تھی اور استاد غالب کے کلام پر تو خوب جچتی تھی۔ مگر پروین شاکر کے کلام پر شاید کچھ اوپری اوپری لگے۔

ساقی

میوزک کارنر کے ساتھ والی میز پر ایک جوڑا بیٹھا ہوا تھا جو شاید نیا نیا شادی شدہ تھا اور کافی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا اور جس کی طرف دیکھ کر ہمارے دل سے بھی دعا نکلتی تھی کیونکہ خاتون مکمل پردے میں ہوتی تھی، کھانا کھاتے ہوئے بھی وہ ایسی میز کا انتخاب کرتے تھے کہ خاتون کا چہرہ دیوار کی طرف رہے اور موم بتی بھی ایک سائیڈ پر۔ نوجوان کی چھوٹی چھوٹی واڑھی تھی مگر آج ان کا انداز بالکل مختلف تھا بلکہ پہلے سے بالکل الٹ۔ ہم حیران تھے کہ یہ کیسا انقلاب ہے انہیں اس طرح دیکھ کر ایک جھٹکا سا لگا۔ خاتون تو آج بھی بدستور مستور تھی مگر دلہا خاصے رنگیلے بنے ہوئے تھے غزلوں کی فرمائش ہو رہی تھی اور زیادہ تر دوگانوں کی جو خان صاحب اور ان کی ساتھی سنگر مل کر گا رہے تھے۔ خاتون کے ساتھی نوجوان خوب موڈ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں تھے ہمارے کھانا کھاتے کھاتے وہ وہسکی کی دو تین درمیانی بوتلیں خالی کر گئے۔ جھوم جھوم کر غزلوں پر داد بھی دی جا رہی تھی۔ خاتون بیچاری سخت مشکل میں محسوس ہو رہی تھی کیونکہ وہ بار بار سر جھٹک رہی تھی اور ویٹر کو مزید نہ سرو کرنے کا کہہ رہی تھی۔ مگر ادھیڑ عمر ویٹر بھی ساقی بنا جام پہ جام لنڈھانے کی روایت نبھانے کی کوشش میں پہلا جام ختم ہوتے ہی دوسرا بھر دیتا تھا اور خاتون کے دھیمے دھیمے سخت سست کہنے کی کوئی پرواہ نہیں کر رہا تھا۔ وہ بیچاری اٹھنے لگتی تو نوجوان پکڑ کر بٹھا لیتا۔ غزل سرائی کے شغل میں کھانا کچھ لمبا ہو گیا۔ گیارہ بجنے کو تھے جلدی جلدی ہال سے نکل کر کمرے میں پہنچے اور نماز عشاء قصر ادا کی۔

وی آئی پی مردے

بستر پر لیٹے لیٹے ہماری نظر اخبار پر پڑی۔ آج صبح سے اخبار نہیں دیکھا تھا۔ سوچا کہ پانچ منٹ کے لیے سرخیاں ہی دیکھ لی جائیں۔ ہندوستان کا اخبار بھی ہماری ہی طرح کا محسوس ہوا ایسے ہی لگا کہ جیسے ڈان یا دی نیوز پڑھا جا رہا ہو۔ صرف جگہوں اور شخصیتوں کے نام ہی مختلف تھے باقی سب کچھ اپنا سا ہی لگ رہا تھا۔ وہی زر، زمین، زن اور اقتدار کے لڑائی جھگڑے، دھوکے فراڈ، ڈاکے اور کار لفٹنگ کے ساتھ ساتھ وزیروں کی الٹی سیدھی مبالغہ آمیز تقریریں اور اپوزیشن کے بے بنیاد اور سچ اور جھوٹ پر مبنی بیانات۔ غرض سب کچھ ہمارے اپنے ہاں کے معمولات کی طرح تھا۔ مگر ہندو مردوں سے متعلق ایک خبر ذرا مختلف نوعیت کی اور چونکا دینے والی تھی کہ دہلی کے عوامی مردہ خانے میں مردوں کو جلانے کے معاملے میں بھی انتظامیہ میں جانبداری پائی جاتی ہے۔ غریب غربا اور عام لوگوں کے کم حیثیت مردے اور نچلی ذات کے مردے بہت بدنصیب ہوتے ہیں۔ اخبار کے مطابق ان بیچاروں کو مر کے بھی چین نہ پایا والی بات تھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خبر کچھ یوں تھی کہ دہلی کی مڑھی یعنی جہاں مردوں کو جلانے کے لیے بجلی کی بھٹیاں نصب ہیں وہاں ہندو مردوں کا رش بہت بڑھ گیا ہے۔ دس دس بارہ بارہ دن تک لاش کا کریا کرم یعنی جلانے کی باری نہیں آتی اور مردہ بے چارہ گلنا سڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ بااثر لوگوں کے مردے بھی وی آئی پی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اثر ورسوخ کی بدولت یا سفارش اور رشوت کے ذریعے اپنے مردوں کا کریا کرم جلدی کرا لیتے ہیں اور عام مردے اپنے ورثا کی بے حیثیتی اور غربت کا خمیازہ بھگتتے بھگتتے تنگ آ کر احتجاجاً بدبو چھوڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ خبر میں لکھا تھا کہ مردہ خانے کی بدبو اس قدر شدید ہے کہ اس سے ارد گرد کی آبادی سخت مصیبت میں مبتلا ہے۔ تعفن اتنا سخت کہ سانس لینا دشوار ہوتا جا رہا ہے۔ بدبو اور تعفن کی وجہ سے فضائی آلودگی کے ساتھ ساتھ متعدی بیماریاں پھیلنے کا سخت خطرہ موجود ہے۔ آس پڑوس کے لوگوں کے تاثرات کے مطابق وہ نقل مکانی کے متعلق سوچ رہے ہیں۔ حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ مردوں کو جلانے کی بھٹیاں زیادہ کی جائیں اور انہیں شہر سے باہر کہیں دور منتقل کیا جائے تا کہ مردوں کا کریا کرم با آسانی اور جلد از جلد کیا جا سکے۔ اس بات کا بھی رونا رویا گیا تھا کہ ایندھن بہت زیادہ مہنگا ہو گیا ہے اور شہری حدود کے اندر مردے جلانے کی اجازت بھی نہیں ہے۔

ہمارے خیال میں ایک مردے کا کریا کرم کرنے کے لیے کم از کم 50-40 من اچھی لکڑی کا ایندھن درکار ہوتا ہوگا۔ مردوں کو جلانا کوئی آسان بات تو نہیں۔ ورنہ دوزخ میں اتنے زبردست فرشتوں کا تقرر اور جلانے کے لیے پتھر کا ایندھن اور اس آگ سے ستر گنا تیز آگ کا انتظام نہ کرنا پڑتا۔ یہ سارا اہتمام انہیں کے لیے تو ہے۔ اللھم اجرنی من النار۔

بہرحال جلدی جلدی اخبار کی ورق گردانی کی۔ بتی بند کی اور بستر پر لیٹ گئے تا کہ سونے کی کوشش کریں۔ کیونکہ صبح 6 چھ بجے آگرہ جانے والی گاڑی تاج محل ایکسپریس پکڑنا تھی تا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاج محل اور لال قلعہ آگرہ کی سیر کی جا سکے۔

ٹیلیفون اور موسم کی خرابی

بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کی مگر نیند تھی کہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ پہلے ہمیں گھر کا خیال آیا۔ آج اس قدر مصروف دن گزارا کہ گھر فون نہ کر سکے تھے۔ تاہم فون نہ کرنے کا ہمیں زیادہ افسوس بھی نہیں ہوا کیونکہ گزشتہ تین چار مرتبہ کا تجربہ نہایت ناخوشگوار ثابت ہو چکا تھا۔ فون ملانے کے بعد ابھی علیک سلیک ہی ہو پاتی کہ ایسا شور اٹھتا کہ پوری آواز سے بولو تب بھی کسی کے کچھ پلے نہ پڑے۔ جب ٹیلی فون آپریٹر سے شکایت کی گئی تو جواب ملا کہ جناب موسمی خرابی کی وجہ سے ٹیلیفونک رابطے میں بھی خرابی پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے فون کی لائنوں میں شور آ جاتا ہے۔ ہم نے پوچھا کہ عام طور پر کن اوقات میں یہ خرابی نہیں ہوتی۔ آپریٹر نے جواب دیا کہ یہ خرابی سدا بہار ہے۔ آپ دنیا کے کسی بھی ملک فون کر لیں اگر ذرا بھی لائن میں شور اور نقص ہو تو ایک پیسہ نہ لونگا۔ مگر ہم پاکستان کی گارنٹی نہیں دے سکتے۔ اگر کبھی بھولے سے لائن صاف مل جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ کسی اور ملک میں لائن مل گئی ہے۔ دہلی سے لاہور یا اسلام آباد اور اسی طرح پاکستان کے کسی اہم شہر سے دہلی شاید ہی کبھی آواز صاف سنائی دے۔ کسی پی سی او سے پاکستان فون کریں یا پاکستان سے بھارت لائن ملائیں دونوں طرف سے رابطہ عام طور پر ایسا ہی ملتا ہے۔ ہم اس انتظار میں ہیں کہ یہ "موسم" کی خرابی کبھی تو ٹھیک ہو گی۔

عدالت

نیند لانے کی بہت کوشش کی لیکن خیال در خیال بلکہ خیالات ہجوم در ہجوم تسلسل سے آ جا رہے تھے اور عجیب سی منتشر خیالی نے دماغ کو آ دبوچا۔ ایسا ہر رات سوتے وقت تو نہیں ہوتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مگر آج خلاف معمول ایسے لگا جیسے کسی نے زبردستی ہمیں سمری کورٹ کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا ہو۔ یہ عدالت ایسی عدالت ہے جس کا سامنا کرنے سے ہم ہمیشہ کتراتے ہیں مگر یہ جان چھوڑتی نظر نہیں آتی حتیٰ کہ بغیر پوچھے چپ چاپ یہ ہمارے ساتھ ہندوستان بھی چلی آئی۔ آئی شامت کو ٹالنا ناممکن تھا چار و ناچار حاضر عدالت ہونا پڑا۔ وکیل استغاثہ زبردست غصے اور جارحیت کے موڈ میں اور وکیل صفائی بیچارہ امن پسندی اور صلح جوئی کی صورت۔ سب سے پہلے پوچھا گیا کہ تاج محل جانے کا جواز کیا ہے؟ اور کیوں جانا چاہتے ہو؟ ساتھ ہی ایک بزرگ کا قول یاد آیا کہ ہر شخص ہر وقت کچھ نہ کچھ بنا رہا ہوتا ہے یا بگاڑ رہا ہوتا ہے، کچھ کما رہا ہوتا ہے یا گنوا رہا ہوتا ہے مثلاً جنت یا دوزخ، نیکی یا بدی، اچھائی یا برائی، گناہ یا ثواب، عدل یا ظلم وغیرہ وغیرہ۔ تاج محل جانے کا جتنا اشتیاق تھا وہ سب رفو چکر ہونے لگا۔ تاہم ہم ٹکٹ خرید چکے تھے اور گاڑی میں سیٹ بک ہو چکی تھی۔ اب نہ جانا تو زیادتی والی بات تھی۔ جواب کچھ یوں دیا گیا کہ تاج محل ایک تاریخی مقام ہے۔ ہمارے سنہری اور عظیم الشان دور گم گشتہ کی نشانی ہے۔ دنیا کے بڑے عجائب میں سب سے بڑا عجوبہ جو ایک انسان نے چند سالوں میں بنوایا۔ انتہائی خوبصورت مجسمہ سنگ وخشت ہے اور عظیم الشان سیر گاہ بھی۔ تعمیراتی انجینئرنگ کا ایک لازوال شاہکار ہے۔ مسلم طرز تعمیر کا جیتا جاگتا ثبوت ہے اور سنگ مرمر سے بنا ہوا خوبصورت محل ہے۔ دنیا کے تمام ممالک سے ہر سال لاکھوں سیاح اسے دیکھنے آگرہ آتے ہیں اور مسلم طرز تعمیر کی داد دیتے ہیں اور اگر ہم ہی نہ دیکھنے جائیں تو یہ سخت زیادتی ہوگی۔ اس کے علاوہ یہ ایک قبر ہے اور تمام انسانوں کے لیے مقام عبرت۔ ایک مسلمان کی قبر پر فاتحہ خوانی اور دعا کرنا کار ثواب ہے۔ عبادت کے لیے ساتھ میں ایک مسجد ہے۔ قلعہ میں موتی مسجد ہے جس کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ یہ ہندوؤں کے مقدس دریائے جمنا کے کنارے واقع توحید کا اعلان ہے۔ برلب دریا ایک حسین سیر گاہ بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ایک بادشاہ کی اپنی بیگم کے ساتھ محبت کی نشانی ہے۔ایک مسلمان عورت کی عظمت کو خراج تحسین ہے۔اور تو اور اس کو پاکستان سے محبت ہے اور یہ اب تک ہمارا خیر خواہ ہے۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں اس کی خدمات کا شکریہ بھی تو ادا کرنا ہے۔

جوابات معقول تھے، حریفوں کو لاجواب ہو جانا چاہیے تھا پھر بھی ایک قنوطی بول اٹھا کہ اتنے اہتمام سے ایک قبر کی طرف جانے کی کیا ضرورت ہے؟ صرف فاتحہ پڑھ کر ثواب رسانی کے لیے، کہ جس کے لیے شریعت نے کوئی واضح حکم نہیں دیا۔ ویسے دعا اور ایصال ثواب کے لیے تو قبر پر حاضری دینے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں صرف نیت ہی کافی ہے۔ دعا سننے اور قبول کرنے والا تو ہر جگہ موجود ہے کسی جگہ اور سمت کا محتاج نہیں۔ ویسے بھی شریعت نے صرف دو قبروں کی طرف جانے یعنی سفر کرنے کی اجازت دی ہے۔ایک تو ہادی برحق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے روضہ اقدس کی طرف اور دوسرے اپنے والدین کی قبروں کی طرف۔اس کے علاوہ تمام قبرستان ایک طرح سے جائے عبرت ہیں اور خصوصی طور پر لمبا سفر کر کے اور کسی قبر کی طرف جانے کا جواز مشکل ہے۔

حمایتی بولے کہ چلو بھئی مان لیتے ہیں کہ فاتحہ کے لیے وہاں جانے کی ضرورت نہیں دعا ہم یہیں سے کر دیتے ہیں پھر بھی وہاں جمنا کے کفر کنارے مسجد بھی تو ہے۔ وہاں نماز و نوافل ادا کر کے اپنے ایمان کو تازہ کرنے کی کوشش کریں گے اور کیسی خوبصورت ہو گی موتی مسجد۔حریفوں کا تبصرہ اس پر بھی خاصا جاندار تھا کہ اہتمام کر کے اور لمبا سفر کر کے کسی مسجد کی طرف جانا کہ وہاں عبادت کا ثواب زیادہ ہو گا تو اس کی بھی اصل مشتبہ ہے۔ایسا کرنے کی اجازت صرف تین مساجد کے لیے ہے کہ ان کی طرف سفر کرنا اور وہاں جا کر عبادت کرنا ثواب عظیم کا درجہ رکھتا ہے۔ایک مسجد الحرام یعنی مکہ معظمہ جہاں ایک نماز ادا کرنا کسی دوسری جگہ میں ایک لاکھ نمازیں ادا کرنے کے برابر ہے۔دوسری عظیم المرتبہ مسجد مدینہ منورہ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسجد نبوی ﷺ ہے جہاں یہ ثواب ایک ہزار سے پچاس ہزار گنا ہے اور تیسری مسجد اقصیٰ یعنی ہمارا قبلہ اول بیت المقدس۔

ذہنی عدالتی سیشن کافی طوالت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ شاہ جہاں سے متعلق ہمارے جتنے اچھے خیالات تھے وہ سب ایک ایک کر کے کمزور پڑتے دکھائی دے رہے تھے۔ دیکھیں بادشاہ ہونے کے باوجود وہ دلی طور پر اسلام کے ساتھ بڑی محبت رکھتا تھا۔ اس نے مقبرے کے ساتھ ایک مسجد بھی بنوائی اور زائرین کے لیے ایک مہمان خانہ بھی تعمیر کرایا۔ جواب ملا کہ دونوں بلکہ تینوں کام ہی صحیح نہ تھے۔ کیا اس نے اس وقت کے کسی عالم دین سے نہ پوچھا یا اسے کسی عالم دین نے یہ نہ بتایا کہ قبر پر مقبرہ نما محل بنوانا تو درکنار اسے پکا کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شریعت نے تو قبرستان میں مسجد بنانے سے بھی منع کیا ہے۔ اس کے خلاف بھی آواز تو اٹھی ہوگی اور علما اکرام نے بتانے کا حق ادا کیا ہوگا اور شاید کسی نے اس کے خلاف فتویٰ بھی جاری کرنے کی جرأت کی ہو۔ لیکن بادشاہ اور شہنشاہ تو دور کی بات ہے آج کل کے نام نہاد جمہوری ناخدا بھی کوئی اچھی بات سننے کے روادار نہیں اور اس پر عمل کرنا تو خیال خام ہے۔

تسبیح فاطمہؓ

ابھی شاہ جہاں اور تاج محل ہمارے ذہن کے کٹہرے میں ہی تھے اور طرفین کی طرف سے بحث مباحثہ بھی جاری تھا کہ ایک خیال آیا کہ رات آدھی سے زیادہ بیت چکی ہے اور نیند ندارد۔ اگر اب بھی نہ سوئے تو صبح اٹھ کر وقت پر اسٹیشن کیسے پہنچا جائے گا۔ ایسے موقعوں کے ذہنی مناظروں اور بحث مباحثوں سے جان چھڑانے کا ایک ہی طریقہ اور علاج ہے جو ہمیشہ تیر بہ ہدف ثابت ہوتا ہے۔ لیکن مشکل یہ پیش آجاتی ہے کہ ان کٹ حجتی اور بحثی قسم کے ذہنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قنوطیوں کے شور وغل میں اس طرف دھیان ہی نہیں جاتا۔ بہر حال جونہی ہمیں اس کا خیال آیا ہم نے تسبیح فاطمۃ الزہرہؓ کا سہارا لیا۔ اب فکر صبح جلدی اٹھنے کی تھی کہ مبادا سوتے رہ جائیں اور گاڑی نکل جائے۔ کالج اور یونیورسٹی کے دوران ہاسٹل میں چوکیدار کے ذریعے صبح اٹھنے کی ایسی عادت پڑی تھی کہ اس کے بعد صبح نیند سے اٹھنے کے لیے ایک چوکیدار خریدنا پڑا تھا۔ اصلی چوکیدار تو ہم افورڈ نہیں کر سکتے تھے اس لیے بلند و بانگ آواز والا ایک عدد ٹائم پیس خرید لیا۔ لیکن یہاں تو چوکیدار نام کی کوئی شے بھی نہیں تھی۔ رات اتنی بیت چکی تھی اور تھکن سے اتنا برا حال تھا کہ ہاتھ بڑھا کر روم سروس والوں کو صبح اٹھانے کا کہنے کی ہمت بھی نہ پڑی اور نہ ہی اتنی رات گئے یہ مناسب سمجھا۔ بہر حال ہم یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے سو گئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوٹل سے ریلوے سٹیشن

خلاف توقع صبح سویرے آنکھ کھل گئی۔ دہلی آ کر ایک کمی بڑی شدت سے محسوس ہوئی کہ صبح صبح اذان کی آواز کسی طرف سے بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔ دہلی میں ویسے تو مسلمانوں کی آبادی کافی زیادہ ہے بلکہ ہندو پریس تو پرانی دہلی کے علاقے کو کبھی کبھی منی پاکستان کا نام بھی دیتا ہے۔ لیکن ہوٹل سمراٹھ شاید ایسے علاقے میں واقع تھا جہاں نزدیک کوئی مسجد نہ تھی۔ جلدی جلدی گرم گرم شاور لیا، نماز ادا کی اور ناشتہ کیے بغیر سڑک پر آ گئے۔ چند ہی لمحے گزرنے پائے ہوں گے کہ ایک سائیکل رکشا پاس آ کر رک گیا۔ اس نے نظام الدین اولیاء ریلوے سٹیشن تک کا کرایہ بھی مناسب ہی مانگا اور تاج محل ایکسپریس کے روانگی کے وقت سے پہلے پہنچانے کی یقین دہانی بھی کرائی۔ ویسے بھی صبح کا سہانا وقت تھا اور مشرقی افق پر پھیلی ہوئی دلفریب شفق عجیب سماں پیدا کر رہی تھی۔ ایسے سہانے سہانے موسم سے بھرپور لطف اندوزی کے لیے کھلی اور سست سواری بہت مناسب تھی۔ سائیکل رکشا کے ڈرائیور کو دیکھتے ہوئے اس پر بیٹھنے کو دل تو نہیں چاہتا تھا مگر اس کی دل شکنی کے ڈر سے بیٹھ گئے۔ سب سے بڑی قباحت یہ تھی کہ ایک دبلا پتلا آدمی اسے کھینچ رہا تھا اور سخت مشقت سے کھینچ رہا تھا۔

رکشا

ہندوستان میں کم فاصلے کی سواری کے لیے رکشا ٹائپ چھوٹی سواری کی اقسام پاکستان سے کچھ زیادہ ہی ہیں۔ اٹلی کے متعارف کردہ آٹو رکشا کے ہندوستانی ماڈل بجاج کے ساتھ ساتھ موٹر سائیکل رکشا بھی بے شمار تعداد میں ہر طرف موجود ہیں۔ سائیکل رکشا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں عام طور پر تین سواریوں کی گنجائش ہوتی ہے اور اسے آدمی کھینچتا ہے۔ ہمارے یہاں کے چنگ چی کی قسم کے موٹر سائیکل رکشا بھی بہت ہیں۔ اس پر جتنی چاہیں سواریاں بٹھالیں یہ شکایت نہیں کرتا۔ پھر ہندوستان میں بگھی ٹائپ سنگل سیٹر رکشا بھی ہے جسے آدمی گھوڑے کی طرح جت کر کھینچتا ہے اور گھوڑے سے کھینچے جانے والے تانگے تو بہت ملتے ہیں۔

ذرائع آمدورفت کسی بھی ملک کی اقتصادی اور معاشرتی حالت کی غمّاضی بہت احسن طریقے سے کرتے ہیں۔ شکر ہے ہمارے ہاں شاید ہی کہیں سائیکل رکشا موجود ہو۔ ماضی قریب میں بہاولپور اور ڈیرہ اسماعیل خان میں یہ موجود تھے۔ مگر اب وہاں بھی سائیکل رکشا کی جگہ موٹر رکشا نے لے لی ہے۔ مگر آدمی سے کھینچے جانے والے سائیکل رکشا کی جتنی بہتات دہلی اور آگرہ میں دیکھی اتنی پہلے کہیں نہیں دیکھی تھی۔ واقف حال لوگ بتاتے ہیں کہ یہ تعداد اس تعداد کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جو ممبئی اور کلکتہ میں ہے۔ اس سے کچھ کم بہتات ایک مرتبہ تھائی لینڈ کے صدر مقام بنکاک کی کیپیٹل حدود سے باہر نظر آئی تھی کیونکہ بنکاک کی میونسپل حدود میں ان کو ایک مقررہ حد سے آگے آنے کی اجازت نہ تھی۔ وہاں تو یہ نامراد سائیکل رکشا بے چاری عورتیں بھی کھینچتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ بنکاک میں تو سنگل اور ڈبل سواری کے لیے مخصوص امتیازی یونیفارم اور پیلے رنگ والے موٹر سائیکل بھی ٹیکسی کی طرح چلتے ہوئے ملتے ہیں۔

غرضیکہ سائیکل رکشا پر بیٹھ کر ہم عازم ریلوے سٹیشن ہوئے۔ احتیاطاً بیٹھنے سے پہلے سائیکل کا خوب اچھی طرح جائزہ لیا کہ یہ رکشا کہیں مرزا صاحب والی اسی سائیکل کا تو نہیں بنایا گیا جس کا حال ہم نے بچپن میں سکول کی اردو کی کتاب میں پڑھا تھا۔ مگر پھر یاد آیا کہ وہ سائیکل تو مرزا صاحب نے شاید دو نمبر کاغذات کی وجہ سے اور پولیس کے چالان کے خوف سے دریائے راوی میں چھپا دی تھی جو بعد میں تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکی۔ جتنا انسانی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بس میں تھا اتنا اطمینان کر کے ہم اس رکشا میں بیٹھ گئے کہ یہ مرزا صاحب والی تو بہر حال نہیں ہے۔ مگر بیٹھنے کے بعد احساس ہوا کہ بے شک یہ وہ تو نہیں مگر دور نزدیک سے ہے اسی کی رشتہ دار۔ کیونکہ جا بجا سے مختلف قسم کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور کبھی کبھی تو ہلکی ہلکی موسیقی کے ساتھ ساتھ پکے اور بہت پکے راگ کا بھی گمان گزرتا تھا۔

ڈرائیور نے اپنی سیٹ پر فضائی قبضہ بحال رکھتے ہوئی پوزیشن لی، پیڈل گھمائے اور پہیئے حرکت میں آ گئے۔ انتہائی سخت اور ناقص قسم کے چمڑے کی پچکی ہوئی سیٹ پر سائیکل چلاتے وقت بیچارے ڈرائیور کے لیے بیٹھنا کم ہی نصیب ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جب تک اوکڑوں حالت میں آگے جھک کر پوری قوت کے ساتھ پیڈل نہ گھمائے، سائیکل کا پہیہ نہیں گھومتا اور رکشا آگے نہیں سرکتا۔ ایسا کرتے ہوئے بیچارے کو ایک غیر انسانی سا پوز بنانا پڑتا ہے۔ سائیکل رکشا چلانا واقعی بہت مشکل کام ہے۔ دل تو چاہتا تھا کہ وہ صاحب مشقت کچھ کم اٹھائیں تاکہ تکلیف کچھ کم ہو مگر ساتھ ساتھ ہم یہ بھی چاہ رہے تھے کہ سائیکل کچھ اور تیز چلے اور جلدی سٹیشن پہنچیں۔ لوگوں سے یہ بھی سن رکھا تھا کہ ہندوستان میں ٹیکسی اور بجاج قسم کے آٹو رکشے اور چنگ چی قسم کے موٹر رکشے بھی زیادہ تر ہندوؤں ہی کی ملکیت ہیں اور مسلمانوں کے پاس یہ خال خال ہیں۔ جبکہ سائیکل رکشا زیادہ تر مسلمانوں اور سکھوں کے دم قدم سے زندہ ہے۔ اسی سلسلہ میں کچھ مزید واقفیت اور معلومات حاصل کرنے کے لیے سائیکل رکشا کے ڈرائیور سے بات کرنے کی کوشش کی مگر کچھ سخت محنت اور سائیکل کے ساتھ زور آزمائی کی وجہ سے اس کو سانس چڑھا ہوا تھا اور پھر ہمارے درمیان فاصلہ بھی کافی زیادہ تھا اور اس کی زبان بھی مارواڑی قسم کی تھی جس کی وجہ سے بات چیت ہوں ہاں سے آگے نہ بڑھ سکی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فٹ پاتھ

نظام الدین اولیاء سٹیشن دہلی کا ایک بڑا ریلوے سٹیشن ہے اور اس سست رفتار رکشا سے سفر کرتے ہوئے کافی دور محسوس ہوا۔ جاتے جاتے کئی سڑکوں سے گزر ہوا۔ نئی دہلی کے پوش علاقوں سے نکلتے ہی پتہ چلا کہ یہاں کے فٹ پاتھ خاصے آباد ہیں۔ بے شمار لوگ فٹ پاتھوں پر لمبی تانے سو رہے تھے۔ شاید عوام کی معاشی حالت کا یہ بھی ایک پیمانہ اور مظہر (Indicater) ہے کہ کتنے لوگ فٹ پاتھوں پر شب باشی کرتے ہیں۔ بعض جگہوں پر ایسا لگا جیسے بیوی بچوں سمیت پورا خاندان ہی سو رہا ہے۔ لوگوں سے یہ بھی سنا کہ کچھ لوگ نسل در نسل فٹ پاتھوں پر ہی رہ رہے ہیں۔ دن کو محنت مزدوری کی اور رات کو جہاں سینگ سمائے وہیں پڑے رہے۔ بتایا گیا کہ ایسے سیلانی خاندانوں کی کچھ کمی نہیں۔ ایک جگہ نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک سائیکل رکشا بھی فٹ پاتھ پر ہی پارک کیا ہوا ہے اور ایک لوہے کی زنجیر سائیکل رکشا کے ساتھ ساتھ مالک کے پاؤں میں بھی بندھی ہوئی ہے۔ جوتا اور شاید چند دوسری ''قیمتی'' چیزیں ایک میلے سے تھیلے میں بند سر کے نیچے رکھی نظر پڑیں۔ بستر نام کی اور کوئی شے وہاں موجود نہیں تھی بس یہی تھی اس بے چارے کی پوری متاع حیات۔ کچھ آگے ایک نکاسی نالے کے ساتھ ٹاٹ کے دروازوں والے چھوٹے چھوٹے اتنے گھر نظر آئے کہ حیرانی ہوئی۔ ہمارے شہروں میں بھی کچھ کچی آبادیاں اور قبضہ گروپ ملتے ہیں مگر شاید یہاں والوں سے کافی بہتر۔ لاہور اور راولپنڈی کی طرف ایسی بعض آبادیوں میں تو ٹی وی اور ڈش انٹنا وغیرہ بھی لگے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔

صبح کے خوشگوار موسم میں کچھ لوگ سڑکوں کے کنارے کنارے اور چھوٹے بڑے پارکوں میں سیر، ہلکی پھلکی ورزش اور جوگنگ کرتے ہوئے بھی پائے گئے۔ ہوٹل کے اردگرد کافی پارک تھے اور تھے بھی اچھی حالت میں۔ ماڈرن علاقوں کے پارکوں میں آدمیوں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ساتھ ساتھ کچھ خواتین بھی سیر اور جوگنگ کرتی ہوئی نظر آئیں مگر متوسط قسم کے علاقوں میں آدمی زیادہ اور خاتون کوئی کوئی۔ موسم تو بڑا خوشگوار تھا مگر آبادی کے لحاظ سے سیر کرنے والے لوگ کم محسوس ہوئے۔

کنسلٹنٹس

فٹ پاتھوں کی آبادی دیکھ کر یاد آیا کہ اس کا آنکھوں دیکھا حال ایک دفعہ ایک گورے سے سنا تھا جو کافی عرصہ ہندوستان میں قیام پذیر رہا، پھر پاکستان میں بھی ایک کنسلٹنٹ کی حیثیت سے آیا اور اغلباً ادھر ہمیں بھی کافی عرصہ اپنے "مفید" مشوروں سے نوازتا رہا۔ ترقی یافتہ ممالک نے اپنے بیکاروں کے لیے سب سے آسان اور انتہائی منافع بخش علاج ہمارے جیسے ممالک کے لیے کنسلٹنسی میں ڈھونڈ رکھا ہے۔ پہلے کسی غریب ملک میں ایک کنسلٹنٹ بھیجا جاتا ہے کہ وہ ان کو بتائے کہ ان کے مسائل کیا ہیں۔ پھر ہر ایک مسئلے کے لیے ایک ایک کنسلٹنٹ آئے گا اور اس مسئلے کا حل تجویز کرے گا۔ ایک تیسرا اس کے متعلق اخراجات کا تخمینہ لگانے آئیگا۔ چوتھا آ کر اخراجات پورے کرنے کے لیے ڈونر کی نشاندہی کرے گا۔ اور پھر ڈونر ادارہ اپنے کنسلٹنٹ بھیجے گا جو یہ رپورٹ دیں گے کہ اب سماجی اور سیاسی حالات بدلنے کی وجہ سے ترجیحات بدل چکی ہیں اس لیے تمام مسائل کا نئے سرے سے جائزہ لینا ہوگا۔ چنانچہ پھر ایک پورا مشن آتا ہے اور دوبارہ نئی رپورٹیں بناتا ہے۔ اس طرح یہ چکر چلتا رہتا ہے۔

ایک ایک مسئلے پر درجنوں کنسلٹنٹ آ کر رپورٹیں بناتے ہیں اور مسئلہ جوں کا توں ہی رہتا ہے۔ مگر ان سارے کنسلٹنٹوں کی تنخواہیں اور دوسرے اخراجات بے چارے غریب ملک کے کھاتے میں قرضے کی شکل میں ڈال دیے جاتے ہیں جو اسے سود در سود کئی گنا بڑھا کر ادا کرنا پڑتے ہیں۔ ہر ایسا کنسلٹنٹ چھ ہندسی رقم تنخواہ اور دوسرے اخراجات کے لیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ماہانہ لیتا ہے۔ اس طرح غریب ممالک کے خرچے پر ان ترقی یافتہ ممالک کا کنسلٹنسی کا کاروبار خوب چمکتا ہے۔ ان ماہرین کے لیے یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ اپنے پیشے کے بہت اچھے ماہر ہوں بس اعلیٰ تعلیم کی بجائے کچھ تجربہ ہونا چاہیے اور کنسلٹنسی کے اداروں کے ساتھ بہت اچھے تعلقات۔ ویسے مختلف ممالک میں کنسلٹنسی کرتے کرتے یہ لوگ کافی ماہر بھی ہو جاتے ہیں اور اپنے کام کے ساتھ ساتھ مقامی حالات کا ادراک بھی خوب کرنے لگ جاتے ہیں۔ عمومی صورت حال کے علی الرغم مختلف شعبوں میں چند ماہرین ایسے بھی آئے جن کے اخلاص میں کوئی شبہ نہیں اور جن کی خدمات نہایت مفید اور قابل تعریف ہیں۔ انہوں نے مقامی لوگوں کی تربیت اور انہیں نئی ٹیکنالوجی سے متعارف کرانے کی مقدور بھر پوری کوشش کی اور مختلف اداروں کی ترقی کے لیے وسائل کے حصول میں بھی مدد کی جیسے کہ مسٹر ٹونی واٹرہاوس اور مسٹر رائے پی کاک وغیرہ۔

فرق

یہ کنسلٹنٹ بھی اپنے دائرہ کار میں کافی ماہر لگتے تھے۔ ایک دفعہ ایک تحقیقاتی دورے کے دوران کھانے کی میز پر ہم ان سے پوچھ بیٹھے کہ کیا انہیں ان دونوں ملکوں میں کوئی فرق نظر آیا۔ ہم نے تو ان سے بڑی نیک نیتی سے پوچھا کہ وہ سارے کیڑے ہندوستان میں ہی نکالیں گے اور ہماری تو بس تعریف ہی کریں گے اور نمک حلال کرنے کا کچھ تو خیال ہوگا۔ مگر یہ کنسلٹنٹ بڑا ہی بے مروت نکلا، جاسوس کہیں کا، کہنے لگا کہ میں دونوں ملکوں میں بہت گھوما پھرا ہوں۔ زرعی تحقیقات سے وابستہ ہونے کی وجہ سے شہری اور دیہاتی زندگی سے بھی کافی واقفیت ہے۔ حکومتی اور نجی اداروں سے بھی واسطہ رہا ہے۔ دونوں ممالک کے سیاسی اور غیر سیاسی پس منظر کی بھی شد بد ہے۔ ایسے لگا جیسے کہ وہ پہلے سے ہی ادھار کھائے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیٹھا تھا کہ کوئی مجھ سے پوچھے تو سہی کہ میں اس کے لتے لوں اور اپنے دل کی بھڑاس نکالوں۔ ہم نے تو اس کا کچھ نہیں بگاڑا تھا بلکہ اس کے بڑے جو بگاڑ کر گئے تھے اسے بھی ہم نے جوں کا توں سینے سے لگا کر رکھا ہوا تھا۔ مگر پھر بھی وہ ہم سے ناراض ہی تھا۔ بے خیالی میں ہم اس سے یہ پوچھنے کی غلطی کر بیٹھے چنانچہ اس نے ہمیں یوں کوسنے اور طعنے دینے شروع کیے کہ:

''ہندوستان اور پاکستان دونوں ہی جگہوں پر کام کا تقریباً ایک ہی انداز ہے۔ یہ سب تقریباً ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے لگتے ہیں۔ عام ورکرز کافی محنتی لوگ ہیں مگر سب سے بڑی خامی جو میں نے محسوس کی وہ یہ ہے کہ ان میں ٹیم ورک کم ہے۔ مگر پاکستانی اداروں میں تو ٹیم ورک کی ضرورت کا احساس کچھ زیادہ ہی کم ہے۔ تمام اداروں کے سربراہ سوائے چند ایک کے عام طور پر اپنے ماتحت کارکنوں اور ساتھیوں (Colleagues) کو اپنے سے زیادہ نالائق سمجھتے ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ کسی اچھے کام کا کوئی کریڈٹ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بانٹنا پسند نہیں کرتے۔ ''میں'' کا صیغہ زیادہ استعمال ہوتا ہے اور ''ہم'' کا کم۔ ہر جگہ تقریباً Soloflight والا معاملہ ہے یعنی ہر فورم پر His Master's Voice کا چرچا نہایت ضروری ہے۔

ہندوستان میں ذات پات کی جڑیں خطرناک حد تک گہری ہیں۔ یہ نسلی تفریق آکاس بیل کی طرح پورے معاشرے کو اپنے مکروہ پنجوں میں جکڑے ہوئے ہے۔ نچلی ذات میں پیدا ہونے کا جرم پوری زندگی معاف نہیں ہوسکتا۔ ہندو معاشرے میں ذات پات کی ان فرسودہ جکڑ بندیوں کی وجہ سے ہر آدمی اپنے آپ کو کسی نہ کسی درجے میں Superior یا Inferior محسوس کرتا ہے اور کسی نہ کسی احساس کا شکار رہتا ہے۔ اوپر کی سطح پر تعلیم یافتہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حلقوں میں فضا قدرے بہتر محسوس ہوتی ہے مگر اندر اندر یہ زہرناک آلودگی اب بھی خطرناک حد تک مستحکم ہے۔ اس کا سب سے بڑا منفی اثر ایک قسم کے عدم تحفظ (Insecurity) کا احساس ہے جو ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ بھی ہندوستان میں عدم تحفظ کی اس قسم کی کیفیت سے دوچار رہا تھا۔ مگر یہاں پاکستان میں اس قسم کے عدم تحفظ کا کوئی خطرہ محسوس نہیں کر رہا تھا۔

ہندو اپنے آپ کو اس پورے خطے کا خودساختہ چودھری سمجھتے ہیں۔ ان کی یہ کوشش ہے کہ دنیا کے دوسرے ممالک بالخصوص مغربی ممالک بھی اس کا ساتھ دیں اور ہندوستان کو امریکہ، چین اور روس وغیرہ کے برابر درجہ دیں۔ مگر اس کے ہمسایہ ممالک اس کی اس دھونس کو نہیں مانتے اور خاص طور پر پاکستان چونکہ برابری کی سطح پر بات کرنے کی کوشش کرتا ہے اور آگے سے اکڑتا ہے اس لیے تمام ہندو لوگ اس کے سخت خلاف ہیں۔

ہندوستان میں سائنسدان پاکستانی سائنسدانوں کی بہ نسبت زیادہ سٹڈی اور محنت کرتے محسوس ہوتے ہیں اور عام طور ان کے ہاں زرعی ریسرچ کا معیار بھی پاکستان سے کافی بہتر دکھائی دیتا ہے۔ پاکستان میں معیاری زرعی ریسرچ کا فقدان تو نہیں اب بھی کہیں کہیں جزیروں میں باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت بہترین کام ہو رہا ہے اور چند اہم فصلات کی کامیاب اقسام تیار کی جا رہی ہیں مگر اس کا معیار اور بلند کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ سائنسی کتابیں اور تحقیقاتی رسالے وغیرہ بھی ہندوستان میں پاکستان کی بہ نسبت بہت زیادہ تعداد میں چھپتے ہیں اور ہیں بھی کافی سستے۔

طویل المدتی منصوبہ سازی (Long term planning) میں بھی ہندوستان پاکستان سے بہت آگے ہے۔ پاکستان میں زیادہ تر کام قلیل المدتی منصوبہ بندی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(Short term basis) کی بنیادوں پر کیا جاتا ہے۔ جبکہ ضرورت لمبی مدت کی منصوبہ بندی اور مستقل مزاجی سے اس پر عمل درآمد کی ہے۔ ویسے عام مشاہدہ یہ ہے کہ پاکستانی لوگ بحرانی حالات (Crisis) میں خوب کام کرتے ہیں اور بہت اچھا کام کرتے ہیں۔

ہندوستان میں دیہاتوں میں ہمہ جہت زرعی ترقی کے لیے حکومت کی طرف سے بنیادی سہولتوں (Basic Infrastructure) کی تعمیر اور بنیادی زرعی عوامل (Agricultural Inputs) کی زمینداروں کو ان کے گاؤں میں بروقت فراہمی کے سلسلہ میں بہت کام کیا ہے۔ جبکہ پاکستان میں سوائے چند ایک آبپاشی کے کھالوں اور نکوں کو پکا کرنے کے کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا۔ اس سلسلہ میں حکومت پاکستان کو ترجیحی بنیادوں پر منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔

ہندوستان میں زمینداروں کو زرعی عوامل Inputs کی فراہمی اور زرعی اجناس کی مارکیٹنگ پاکستان سے کہیں بہتر ہے جبکہ پاکستان میں یہ سب الل ٹپ (Haphazard) ہے جس کی وجہ سے زرعی اجناس کبھی تو اتنی زیادہ پیدا کی جاتی ہیں کہ بہتات کی وجہ سے کوئی خریدار نہیں ملتا اور فصل کھیتوں میں ہی گل سڑ جاتی ہیں اور کبھی اتنی کم کاشت کی جاتی ہیں کہ مقامی ضروریات پورا کرنے کے لیے دوسرے ممالک سے درآمد کرنا پڑتی ہیں۔

ہندوستان میں خصوصاً دیہی علاقوں کی خواتین زراعت کے میدان میں کافی آگے ہیں اور مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہوئی نظر آتی ہیں جبکہ پاکستان میں یہ تعداد کم محسوس ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ ہندوستان میں حکومت گھریلو صنعتوں پر بہت توجہ دے رہی ہے اور خاص طور زرعی دستکاریوں میں خواتین کی تربیت کے لیے خصوصی مراکز قائم ہیں۔ اس کی پہلی بات سے ہم نے اتفاق نہ کیا اور بتایا کہ دیہاتوں میں پاکستانی خواتین بھی بہت کام کرتی ہیں۔ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علیحدہ بات ہے کہ وہ ہندوستانی خواتین کی طرح زیادہ نمایاں ہونے کی کوشش نہیں کرتیں بلکہ عمارت کی بنیادی اینٹوں کی طرح پس پردہ رہ کر اپنی خدمات انجام دیتی ہیں۔

ہندوستان صنعتی میدان میں بہت بڑے بڑے منصوبوں پر عمل پیرا ہے۔ جبکہ پاکستان زیادہ تر درآمدات پر انحصار کر رہا ہے جس کی وجہ سے غربت اور بے کاری میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ پاکستان کو بھی مزید صنعتیں قائم کرنی چاہئیں تاکہ روزگار کے مواقع پیدا ہوں اور بے روزگاری کم ہو۔

زرعی ترقی میں ہندوستانی پنجاب کا علاقہ پاکستان سے کافی آگے ہے۔ اور اس کی بڑی بڑی وجوہات شاید سکھ زمینداروں کا زیادہ محنتی ہونا، زمین کی حد ملکیت مناسب حد تک کم ہونا، زرعی ٹیوب ویلوں کے لیے بجلی کی مفت سپلائی، اور زرعی سہولتوں کی بروقت اور وافر فراہمی ہے۔ ویسے ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں زرعی پیداواری حالات زیادہ اچھے نہیں ہیں۔ کیونکہ دوسرے علاقوں میں زرعی سہولتیں خصوصاً آبپاشی کم ہے۔

ہندوستان میں ٹیوب ویلوں کے لیے بجلی مفت ہے مگر پاکستان میں یہ بیچارے کسانوں پر آسمانی بجلی بن کر گر رہی ہے۔ اور کسان بے چارے مجبوراً کبھی ڈیزل انجن خریدتے ہیں اور بجلی کی موٹریں بیچ ڈالتے ہیں اور جب ڈیزل کو آگ لگ جاتی ہے تو وہ پھر پیچھے کی طرف دیکھتے ہیں۔ آہ بے چارہ کسان!

ہندوستانی پنجاب میں زرعی یونیورسٹیاں اور تحقیقاتی ادارے بہت زیادہ فعال ہیں اور اپنی لیبارٹریوں میں کی جانے والی تحقیقات کو اپنے اپنے زیر اثر علاقوں میں کسانوں کے کھیتوں تک جلد از جلد پہنچانا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ان کھیتوں سے حاصل کردہ پیداوار سے ہی ان اداروں کے کام کا معیار اور تحقیقات کا عملی میدان میں پتہ چلتا ہے۔ ان کے ہاں تحقیقات زیادہ تر زمینداروں کے ساتھ مل کر (Interactive research) اور ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے مسائل سامنے رکھ کر کرنے کی کوشش کی جاتی ہیں۔ جبکہ پاکستان میں زرعی تعلیمی اور تحقیقی ادارے عملی میدان میں اتنی نمایاں کارکردگی نہیں دکھا سکے۔ جس کی سب سے بڑی وجہ شاید سروس قوانین میں خامیاں اور اچھے کارکنوں کی خدمات کا قومی سطح پر برملا عدم اعتراف ہے۔

یہ بھی بتایا گیا کہ ہندوستان میں غلہ کافی زیادہ پیدا ہوتا ہے مگر اس کی صحیح اور منصفانہ تقسیم ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ لوگ اس لیے نہیں مرتے کہ قحط ہے یا خشک سالی ہے یا گندم اور دوسری غذائی اجناس کی زیادہ کمی ہے بلکہ اس لیے مرتے ہیں کہ غلے کو غربا تک پہنچانے کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ بعض اوقات غلہ اتنا وافر ہوتا ہے کہ سٹور کرنے کے گودام کم پڑ جاتے ہیں مگر پھر بھی بھوک کم نہیں ہو پاتی اور غریبوں کا پیٹ خالی ہی رہتا ہے۔

مزید باتوں میں اس نے یہ بھی بتایا کہ ہندوستان میں مردوں کا عام لباس مغربی ہے اور عورتیں ساڑھی پہنتی ہیں۔ اس نے ساڑھی کی بہت تعریف کی اور ساڑھی پہننے کا انداز بالکل وہی بتایا جیسا نسیم صاحب نے بیان کیا تھا اور غالباً گورے کی پسند کی بھی یہی وجہ تھی اس انداز میں پیٹ اور کمر کافی حد تک ساڑھی کے لمس کو ترستے ہی رہتے ہیں۔ جبکہ پاکستان میں سبھی لوگ شلوار قمیض کو ترجیح دیتے ہیں۔ گاؤں میں البتہ کھلا لباس (دھوتی) بھی پہنا جاتا ہے۔

ہندوستان میں عمومی طور پر سائیکل اور سائیکل رکشے زیادہ ہیں اور موٹر کاریں خاص طور پر پجیرو جیسی بڑی گاڑیاں بہت کم، جبکہ پاکستان میں موٹر سائیکل اور آٹو رکشے زیادہ ہیں اور کاریں تو بہت ہی زیادہ۔

ہندوستان میں لوگ بچاتے زیادہ ہیں اور خرچ بہت کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے ہندو بحیثیت قوم کنجوس ہیں، جبکہ پاکستان میں لوگ زیادہ مہمان نواز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور خرچیلے ہیں۔

مزید یہ کہ ہندوستان میں بڑے شہروں کے فٹ پاتھ اور پارک دن کی نسبت رات کو بہت زیادہ آباد ہوتے ہیں۔ جس طرف جائیں آدمی ہی آدمی سوئے ہوئے ملیں گے۔ اس سلسلہ میں ممبئی، کلکتہ اور دہلی تو شاید دنیا بھر میں پہلے نمبر پر ہوں۔ ہندوستان کے دوسرے بڑے بڑے شہروں میں بھی فٹ پاتھوں اور پارکوں کا ایسا ہی حال ہے۔

ہندوستان میں کبھی کبھی بھوک سے مرنے والوں کی بھی خبریں آتی ہیں جب کہ پاکستان میں لوگوں کی معاشی حالت نسبتاً بہتر محسوس ہوتی ہے اور عام لوگوں کے لیے پیٹ بھرنا اتنا مشکل نہیں جتنا کہ ہندوستان میں۔

ہندوستان ایک بہت بڑا جمہوری ملک ہے اور جمہوریت کی وجہ سے اب تک قائم ہے جبکہ پاکستان پورے طور پر جمہوریت کو نہ اپنانے کی وجہ سے اپنا اصلی وجود برقرار نہیں رکھ سکا'' ہم نے کہا کہ ہندوستان میں الیکشن بے شک جمہوری ہوتے ہیں مگر وہاں جمہوری کلچر تو نہیں پنپ سکا۔ سیکولرزم اور جمہوریت کے نام پر ہندوگردی یا رام گردی ہے۔ جواب دیا کہ تعلیم کی کمی کی وجہ سے سیکولرزم کی جڑیں زیادہ گہری نہیں ہیں اور تعلیم کے فروغ کے ساتھ ساتھ شاید مذہبی تشدد میں بھی کمی آجائے۔ ہم نے اس سے اتفاق نہ کیا کہ بال ٹھاکرے جیسے متشدد لوگ تعلیم سے بے بہرہ تو نہیں۔

کھانا بہت مزے دار تھا مگر کنسلٹنٹ کی ان کوکڑوں ⭘ جیسی سخت اور کڑوی کسیلی باتوں نے سارا مزا ہی کرکرا کر کے رکھ دیا۔ ظالم بے مروت انسان کو اتنا خیال بھی نہ آیا کہ ہم تنقید سننے کے بالکل عادی نہیں ہیں۔ مگر انہیں ہماری کیا پرواہ۔ انہوں نے کون سا ہمارا قرضہ دینا ہے۔ اس لیے ہم نے باقی دورے کے دوران اس کو دوبارہ اس موضوع کی طرف آنے ہی

⭘ کوکڑو: عام طور پر ثابت دالوں میں چند دانے جو نہیں گلتے اور سخت رہتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں دیا۔

ہمارا سائیکل سڑک کی ناہمواری کا شکوہ کیے بغیر اس کا پورا ریکارڈ ہم تک پہنچاتا جا رہا تھا اور ہر جھٹکے کے ساتھ ہم گورے سے پیچھا چھڑا کر واپس آنے کی کوشش کرتے مگر تھوڑی ہی دیر میں اپنے آپ کو پھر وہیں پاتے۔ آخر خیالات کا تسلسل اس وقت ٹوٹا جب سامنے نظام الدین اولیاءؒ کے ریلوے سٹیشن کا بورڈ پڑھا۔ رکشے والے نے بھی سکھ کا سانس لیا اور ہم نے بھی شکر کیا کیونکہ شاک آبزرور کے بغیر سائیکل رکشا کی لکڑی کی سخت سیٹ پر اتنی دیر بیٹھنا اور جھٹکے سہنا کافی مشکل لگا۔ اس کو کرائے کے ساتھ صرف پانچ روپے زیادہ دیے مگر وہ خوش بہت ہوا۔ اس نے ڈھیروں دعائیں دیں، نمستے سے شکریہ ادا کیا اور رکشوں کی بہت لمبی لائن میں لگ گیا۔ گاڑی کے آنے میں ابھی کچھ دیر تھی۔ پلیٹ فارم سے انگریزی اخبار خریدا جو سنڈے میگزین ہونے کے باوجود ساڑھے تین روپے کا تھا جبکہ پاکستان میں یہ قیمت کم از کم چودہ روپے ہے۔ گاڑی کے انتظار میں انتظارگاہ میں جانے کی بجائے پلیٹ فارم پر ٹہلنے کو ترجیح دی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاج ایکسپریس

کمپارٹمنٹ

نظام الدین اولیائؒ ریلوے سٹیشن دہلی کا بہت بڑا ریلوے سٹیشن ہے۔ اس کے کافی سارے پلیٹ فارم ہیں۔ انکوائری سے پتہ کر کے تاج ایکسپریس کے لیے مقررہ پلیٹ فارم پر پہنچ گئے۔ گاڑی پلیٹ فارم پر موجود تھی۔ اس گاڑی کا نام تاج ایکسپریس تاج محل کی نسبت سے رکھا گیا ہے اور یہ اسی ریلوے سٹیشن سے روزانہ 6 بجے صبح چلتی ہے۔ پلیٹ فارم سے پانی کی ایک بند بوتل خریدی اور ٹکٹ کے مطابق اپنا اکانومی کلاس کمپارٹمنٹ تلاش کرنے کی کوشش کی اور جلد ہی اسے ڈھونڈ لیا۔ سواری کی مسنون دعا پڑھتے ہوئے اپنے کمپارٹمنٹ میں سوار ہو گئے۔ کمپارٹمنٹ میں داخل ہونے پر اس کا ماحول کافی نامانوس سا لگا۔ اکانومی کلاس کے اس کمپارٹمنٹ کی اندرونی بناوٹ اور سجاوٹ اپنے ہاں سے نہ صرف مختلف لگی بلکہ یہ انگلستان کی 125 ایکسپریس ٹرین سے ملتی جلتی تھی۔ سوائے اس کے کہ سیٹوں کے درمیان کھانے کی میز نہ تھی جو کہ انگلستان والوں نے اکانومی کلاس میں بھی مہیا کر رکھی ہے۔

تاج ایکسپریس صاف ستھری اور کافی کشادہ گاڑی تھی۔ نام کی طرح گاڑی بھی خوبصورت۔ سیٹیں آمنے سامنے جن پر زیادہ نرم اور گداز فومی گدے تو نہ تھے مگر تھیں آرام دہ۔ دروازے کے ساتھ ساتھ بلکہ دونوں اطراف کے تمام دروازوں کے ساتھ دو دو ٹائلٹ اور باہر بھی ہر طرف ایک ایک واش بیسن مع آئینہ کے اور پانی کی ٹونٹیاں بھی اچھی اور پانی بھی موجود۔ دروازے خاصے صاف ستھرے اور آسانی سے کھلنے اور بند ہونے والے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنی سیٹ تلاش کی اور اس پر بیٹھ گئے۔ ابھی ارد گرد دونوں طرف کی سیٹیں خالی تھیں۔ شاید لاشعوری طور پر یا پھر شعوری خود غرضی کے تحت تقریباً ہر مسافر ہی یہ چاہتا ہے کہ اس کے ارد گرد ایک آدھ سیٹ خالی ہی رہے۔ اندر باہر مسافروں کی بے شک کتنی ہی سخت بھیڑ ہو اور لوگ خواہ کتنے تنگ ہوں مگر وہ خود کھلا ڈھلا ہی ہو کر بیٹھے۔ شاید یہی ذہنیت خاندانی منصوبہ بندی کا بے ہنگم، بے سرا اور بے حجاب پرچار کرنے والے ٹولے کی بھی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ہم تو اس دنیا میں آ گئے اور صحیح آ گئے مگر اب اور کوئی دوسرا ہمارے ہوتے ہوئے نہ آئے اور اگر کوئی آنا بھی چاہے تو ہماری اجازت کے بغیر نہ آئے۔ سید مودودیؒ نے اپنی مشہور کتاب، 'اسلام اور ضبط ولادت' میں اس کی بڑی اچھوتی مثال دی ہے۔ کہ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی مسافر پلیٹ فارم پر بہت زیادہ ہجوم ہونے کے باوجود خود تو گاڑی میں سوار ہو جائے مگر سوار ہونے کے بعد یہ چاہے کہ کوئی اور مسافر اس کمپارٹمنٹ میں نہ آئے۔ مگر ہم نے دوسرے مسافروں کے اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھنے پر کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ نہایت فراخدلی سے سب کا خیر مقدم کیا۔ اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد ہمارے پاس بس وہی ایک سیٹ رہ گئی جو کہ ہم نے سردار جی سے ریزرو کرائی تھی۔ مقررہ وقت پر گاڑی نے وسل دیا اور آہستہ آہستہ حرکت شروع کی اور پھر جلد ہی بہت تیز دوڑنے لگی۔ ہمیشہ کی طرح گاڑی سے سفر کے دوران آج بھی ہمیں جناب بھگت کبیر کا یہ شعر یاد آ گیا ؎

چلتی کو کہیں گاڑی اور بنے دودھ کو کھویا
رنگی کو کہیں نارنگی دیکھ کبیرا رویا

تاج ایکسپریس سے آج کا سفر کافی آرام دہ اور ہموار محسوس ہوا، ہماری گاڑیوں کی طرح ایسے نہیں لگا جیسے کہ کسی جھولے میں بیٹھ گئے ہوں۔ ہمارے ہاں گاڑی عام طور پر راولپنڈی ریلوے سٹیشن سے اپنے وقت مقررہ پر چل تو پڑتی ہے مگر اس کے بعد چکالہ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سہالہ جیسے چھوٹے چھوٹے سٹیشنوں پر دو تین بار رک رک کر ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے پیچھے پنڈی ریلوے سٹیشن کی طرف دیکھ دیکھ کر پوچھ رہی ہو کہ جاؤں یا کہ نہ جاؤں۔ اور آخر کار بادل ناخواستہ اسے جانا ہی پڑتا ہے۔ اس کے بعد بھی یہ کئی چھوٹے چھوٹے سٹیشنوں پر رکتی اور بعض اوقات کانٹے والے کی مہربانی سے اسٹیشن سے باہر ہی سگنل پر رک کر مسافروں اور سٹیشن ماسٹر کے کان کھاتی رہے گی۔ منزل مقصود تک پہنچتے پہنچتے پتہ چلے گا کہ گاڑی دو چار گھنٹے لیٹ ہے۔ ملتان ایکسپریس، کراچی ایکسپریس اور دیگر ایکسپریس ٹرینوں کے نام اس لیے رکھے گئے تھے کہ یہ ٹرینیں صرف بڑے بڑے شہروں کے ریلوے سٹیشنوں پر ہی رکیں گی اور جلد از جلد مسافروں کو اپنی منزل مقصود تک پہنچائیں گی مگر ہوتا اس کے برعکس ہے۔ یہ گاڑیاں اپنے سٹاپ پر کم رکتی ہیں اور جہاں نہیں رکنا ہوتا وہاں دیر تک رکی رہتی ہیں۔ مگر آج کا تجربہ پہلے سے بہت مختلف تھا۔ تاج ایکسپریس دہلی سے نکل کر فراٹے بھرتی ہوئی اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ وہ کسی چکلالہ یا سہالہ جیسے سٹیشن پر نہیں رکی۔

ایکسپریس ٹرین

دراصل ایکسپریس ٹرین تو ہوتی ہی وہ ہے جو اپنی پوری قوت صرف کر کے پوری رفتار سے اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہو۔ راستہ میں خواہ کتنے ہی خوشنما اور دلفریب مقامات آئیں، کتنے ہی سرسبز کھیت یا وسیع میدان منتظر ملیں، تند و تیز برساتی نالے ہوں یا طوفانی دریا، چھوٹی چھوٹی خوبصورت ندیاں ہوں یا بڑی بڑی دلفریب نہروں کے نظارے وہ کسی طرف دھیان نہیں دیتی اور اپنی منزل کی طرف یکسوئی سے برابر بڑھتی چلی جاتی ہے۔ طویل راستے میں چھوٹے موٹے بہت سے سٹیشن آتے رہتے ہیں مگر وہ ان سب کو ایک اچٹتی نظر دیکھتے ہوئے چھوڑتی چھاڑتی اپنی منزل مقصود کی طرف گامزن رہتی ہے۔ زندگی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے اس میدان میں گوہر مقصود حاصل کرنے کے لیے ایک اچھے انسان کا کردار بھی ایک ایکسپریس ٹرین جیسا ہی ہونا چاہیے۔ دنیا کی یہ زندگی نہ صرف ایک بار ملتی ہے بلکہ جو تھوڑی بہت ملتی ہے وہ بھی بہت مختصر۔ اس میں اگر یہ اصول مدنظر نہ رکھا جائے تو مقدر ناکامی ہی ناکامی ہے۔

اس دنیا میں بے شمار انسان ایسے ہیں جنہیں یا تو اتنا شعور ہی نہیں کہ کوئی صحیح، اعلیٰ اور واضح منزل متعین کر سکیں اور یا پھر وہ اتنے کم ہمت اور کم کوش ہیں کہ ظاہری طور پر نظر آنے والے ہر خوشنما مقام کو اپنی منزل قرار دے کر بے فکر ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اگر اپنی کسی منزل کا تعین کر بھی لیں تو اس کے حصول کے لیے صحیح طور پر اپنی کمر ہمت نہیں باندھتے اور نہ ہی اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کر کے ان سے کام لیتے ہیں۔ زندگی کے مراحل میں اچھی کامیابی کے لیے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے   پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

مگر وہ لوگ جنہیں اپنی منزل کا شعور نہیں ہوتا پورے انہماک سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہونے کی بجائے اپنے آپ کو ہر چھوٹے بڑے سٹیشن کا نظارہ کرنے پر مجبور پاتے ہیں اور راستے میں آنے والے ہر طرح کے چھوٹے موٹے خوشنما مناظر میں کھو جاتے ہیں۔ خشکی اور تری کی اونچی نیچی اور سرد و گرم گھاٹیوں کو عبور کرنے سے جی چراتے ہوئے آسائش پسند بن جاتے ہیں۔ منزل اگر کلی طور پر ان سے اوجھل نہ بھی ہو تو بھی منزل کو پانے کے لیے سیدھے راستے پر ثابت قدمی سے گامزن رہنے کی بجائے آسانیاں (Short cuts) ڈھونڈتے ہیں۔ اور اسی طرح زندگی کے تلخ حقائق سے فرار کی کوششوں میں اپنی سب سے قیمتی متاع اور تمام ذہنی و جسمانی قوتیں اصل منزل کے حصول کی بجائے، راستے کی رنگینیوں کی نذر کر دیتے ہیں۔ اور آخر میں تہی دامن ہو کر ساری عمر کف افسوس ملتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہتے ہیں۔

اگر ہم تھوڑا سا نظر غائر سے جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ ہمارے اپنے زمانہ قریب میں قائد اعظمؒ، علامہ اقبالؒ اور مولانا مودودیؒ جیسے اکابرین ملت بھی ایکسپریس ٹرین ہی کی طرح چھوٹے چھوٹے سٹیشن چھوڑتے ہوئے، اپنی تمام ذہنی اور جسمانی توانائیوں کو کام میں لاتے ہوئے اپنی اپنی منزل کی طرف گامزن رہے۔ راستے کی اونچی نیچی گھاٹیاں اور دوسری دنیاوی رنگینیاں ان کا دامن دل اپنی طرف نہ کھینچ سکیں۔ اور وہ پوری جانفشانی سے اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ اپنا گوہر مقصود پانے میں کامیاب و کامران رہے۔ ان کی زندگیوں کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ خداداد جسمانی اور ذہنی قوتوں کا اتنا کمال نہیں تھا جتنا کہ ان کا اپنے مقصد سے لگاؤ اور اس کے حصول کے لیے دن رات کی محنت ومشقت، اور غیر ضروری مشاغل سے کلی اجتناب تھا۔

ہمالیائی غلطی

یہ سوچتے سوچتے دماغ میں خیال آیا کہ میاں ناصح کبھی اپنے ماضی میں بھی جھانکنے کی کوشش کی ہے؟ ذرا جائزہ تو لو کہ اتنی عمر عزیز گزری، بوڑھے ہونے کو آئے، اب تک کیا تیر مارا! اور ہماری سادگی دیکھیں کہ ترنگ میں آکر ہم یہ بیوقوفی بھی کر بیٹھے اور واقعتہً ہم نے ذرا سی گردن گھما کر ماضی میں جھانکنے کی کوشش تو کی مگر پیچھے ہمیں ایکسپریس سے مشابہ کوئی شے نظر نہ آئی۔ بقول اکبرؔ ع ''ایم ایس سی (ایگری)'' کیا نوکر ہوئے پنشن ملی اور مر گئے۔ وہاں کوئی ویرانی سی ویرانی تھی، ہمیں خود ہی وحشت ہونے لگی۔ اس ہمالیائی غلطی کا احساس ہوتے ہی فوراً ہم اپنی حیثیت میں واپس آگئے۔ دل کو دلاسہ دینے کی کوشش کی کہ سہج پکے سو میٹھا (Slow and steady wins the race) اور دل ہی دل میں کچھوے کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کچھ داد بھی دی کہ اس نے ہم جیسے سست اور کم کوش لوگوں کا بھرم رکھنے کی کوشش کی۔ مگر چند لمحوں کے واقعاتی جائزے اور تجزیئے سے حقیقت کچھ اور ہی نکلی۔

چمک

کچھوے اور خرگوش کے اس تاریخی مقابلے میں محسوس یوں ہوا کہ کچھوے کو بلا جواز نوازا گیا تھا، اور خرگوش بیچارے سے سخت ناانصافی کی گئی تھی۔ دوڑ کے منصفوں یعنی امپائروں نے یہ فیصلہ کسی چمک کے زیر اثر دیا تھا، یا نظریہ ضرورت کی کارستانی، کانگرو کورٹس والا معاملہ تھا یا کسی زبردست دباؤ اور خوف کا نتیجہ، فیصلہ بہر حال نامنصفانہ تھا۔ قرائن کی گواہی بھی فیصلے کے خلاف جاتی ہے۔ بھلا آپ خود سوچیے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جیتنے والا تو منہ چھپائے ڈوب مرنے کے لیے چلو بھر پانی کی تلاش میں گندے جوہڑوں اور ندی نالوں میں ذلیل و خوار ہوتا پھرے اور 'ہارنے' والا اپنا سر بلند کیے، گردن اکڑائے، چوکڑیاں بھرتا پھرے۔ اصل حقیقت یوں تھی کہ کچھوے بے چارے کو شکست ہی نہیں شکست فاش ہوئی تھی۔ گو کہ منصفوں کی جانبدارانہ کرم گستری کی وجہ سے وہ جیت گیا تھا مگر ایسے لگتا ہے جیسے وہ ضمیر کے ہاتھوں ہار گیا اس لیے بے چارہ شرمندگی کے مارے آج تک منہ چھپائے پھرتا ہے اور اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ کسی کو منہ دکھائے۔ بہر حال یہ تو ایک قصہ تھا بہت پرانے زمانے کا۔ ہم نے تو زندگی میں کئی بار کئی قسم کے امتحانات اور انٹرویوز دیے اور کئی بار بری طرح ناکام بھی ہوئے مگر کبھی کچھوے کی طرح منہ چھپانے کا نہیں سوچا۔ اور سیدھی بات ہے کچھوے کی طرح ہم سوچ بھی کیسے سکتے ہیں کیونکہ ہم نے تو کبھی کسی (Express man) سے مقابلہ نہیں کیا بلکہ اس کا سوچا تک نہیں۔

کتاب کائنات

دہلی میں جب ہم تاج محل کے لیے آگرہ جانے والی گاڑی میں ریزرویشن کرانے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ریلوے بکنگ آفس پہنچے تو ہر کھڑکی کے سامنے مسافروں کی ایک لمبی لائن لگی پائی۔ اور جس قطار میں ہمیں جگہ ملی وہاں ایک سردار جی بکنگ کلرک تھے۔ ہم نے ذرا شرارت آمیز لہجے میں کہا کہ سردار جی سانوں اگر کھڑکی والی سیٹ عنایت ہو جائے تو کیا کہنے۔ ہماری اس بچگانہ سی خواہش پر سردار جی ذرا مسکرائے اور غور سے ہمیں تک کر کہنے لگے کہ "اچھا جی تسیں بے فکر ہو جاؤ اسیں توانوں کھڑکی نال ای بٹھانواں گے۔ تھوڑی دیر کمپیوٹر پر حساب کتاب کر کے کہنے لگے کہ جناب اسیں توانوں صرف جاندیاں واری کھڑکی والی سیٹ دے سکدے ہاں، تے سانوں افسوس ہے کہ آوندیاں واری ایہہ ممکن نہیں۔ چلو جاندے ہویاں تاں اکھ مٹکا کر دیاں جاناں، تے اوندیاں واری تاں ویسے بھی رات ہوگی"۔ سردار جی کا شکریہ ادا کیا کہ چلو جاتے ہوئے تو باہر کے منظر کا جائزہ لینے کا بھرپور موقع ملے گا۔ دراصل کھڑکی کے ساتھ بیٹھے بیٹھے کتاب کائنات پڑھنے میں آسانی رہتی ہے اور مسافر اپنے آپ کو گاڑی کا قیدی نہیں سمجھتا۔ ویسے بھی ہم نے ایک دفعہ سید مودودیؒ کو کسی سے یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ میں سفر کے دوران کتاب وغیرہ کا مطالعہ کرنے کی بجائے کتاب کائنات پڑھنے کو ترجیح دیتا ہوں۔ چنانچہ ہمیں اس سے کم از کم سفر کے دوران نہ پڑھنے کا جواز مل گیا اور حتی الوسع اس پر عمل کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ اخبار کی سرخیاں دیکھیں اور تہہ کر کے سفری بیگ میں رکھ لیا کہ تفصیلات پھر دیکھیں گے اور یہ "پھر" شاذ ہی ہاتھ آتا ہے۔

پیاس نہ ہونے کے باوجود پانی کی بوتل بیگ سے نکالی سیل چیک کی اور ٹشو پیپر سے صاف کر کے ایک دو گھونٹ پانی پیا کہ عام طور پر ٹورسٹ لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ ہمارے ساتھ والی سیٹوں پر کچھ لوگ بچوں کے ساتھ آ کر بیٹھ گئے اور وہ زیادہ تر آپس میں ہی مصروف گفتگو رہے۔ اس طرح ہماری کسی ساتھی مسافر کے ساتھ بات چیت نہ ہو سکی اس لیے ہم نے بھی اپنی ساری توجہ باہر کے مناظر پر مرکوز رکھی۔ اپنے زرعی پس منظر کی وجہ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہماری زیادہ تر توجہ زرعی فصلات اور دوسرے دیہاتی مناظر پر ہی مرکوز رہی۔ دہلی سے روانہ ہوئے تو ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ دونوں اطراف کھڑی فصلات کی حالت ملی جلی نظر آئی یعنی کہیں اچھی کہیں درمیانی اور کہیں کہیں خراب بھی۔ بعض جگہوں پر خوبصورت باغات بھی تھے۔ کہیں ٹریکٹر کام میں جتے ہوئے تھے تو کہیں ٹیوب ویل مصروف کار نظر آئے۔ کہیں کسان کام کر رہے تھے تو کہیں خواتین بھی ان کے دوش بدوش زرعی کام کاج میں مردوں کا ہاتھ بٹاتے نظر آئیں۔ یہ سلسلہ متھرا کے قریب تک چلتا رہا۔

متھرا

تاج ایکسپریس کچھ آہستہ ہوتی ہوئی محسوس ہوئی اور پھر جلد ہی متھرا کے ریلوے اسٹیشن پر آ کر رک گئی۔ یہ بھی کافی بڑا ریلوے اسٹیشن ہے۔ متھرا شہر بھی دریائے جمنا کے کنارے واقع ایک اہم مذہبی بلکہ ہندوؤں کے مقدس ترین سات شہروں میں سے ایک ہے۔ یہاں دریائے جمنا کے ساتھ ساتھ صدیوں پرانے ہندوؤں کے بڑے بڑے مندر ہیں۔ بتایا گیا کہ یہاں مختلف مندروں میں مذہبی حساب سے سال کے مختلف ایام میں بہت سے مذہبی میلے لگتے رہتے ہیں۔ عوام اور خاص طور پر دیہاتی لوگ بڑے ذوق و شوق سے ان میلوں میں شرکت کرتے ہیں۔ یہ بھی مشہور ہے کہ یہاں مختلف مندروں میں مختلف دیوتاؤں کو اپنے مختلف روپوں میں دکھایا گیا ہے۔ اور چند ایک دیوتا روپ بدلنے میں بہت مہارت رکھتے ہیں جیسے کہ دیوتا وشنو اور دیوتا پرشا (Prusa) جس سے ساری مخلوق پیدا ہوئی۔

بہروپ

دیوتا پرشا کے متعلق بتایا گیا کہ کائنات میں جب کوئی نہ تھا تو پرشا خود ہی روح کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حیثیت سے پیدا ہوا۔ پیدائش کے بعد پرشا نے جب تنہائی محسوس کی تو اپنے آپ میں حلول کرلیا اور اپنے آپ کو دو حصوں یعنی مرد اور عورت میں تقسیم کرلیا۔ اس طرح آدم وحوا وجود میں آگئے۔ پرشا جی نے حلول کرکے عورت کو جنم تو دے لیا مگر اس پہلی پلوٹھی خاتون نے اپنی فطری حیا کی وجہ سے ان کی بیوی بننے سے انکار کردیا۔ پرشا جی نے زبردستی اس کو بیوی بنانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکے۔ خاتون نے پرشا کی زیادتیوں سے بچنے کے لیے مختلف روپ دھارے۔ کبھی وہ گائے بنی اور کبھی بھینس، کبھی گھوڑی کی شکل اختیار کی تو کبھی گدھی کی، کبھی بندرنی کا روپ دھارا تو کبھی سورنی کا۔ کبھی وہ کوئل بن کر چہکی تو کبھی مورنی بن کر ناچی۔ مگر پرشا بھی کچی گولیاں نہیں کھیلے تھے، آخر دیوتا تھے، وہ بھی ساتھ ساتھ روپ بدلتے گئے اور ہر روپ میں بیچاری کا جارحانہ انداز میں پیچھا جاری رکھا اور زیادتی پہ زیادتی کرتے گئے۔ چنانچہ اس طرح تمام جاندار مخلوق یعنی چرند، پرند، کیڑے مکوڑے، جنگلی درندے اور دوسرے حیوان ان کے ان بہروپوں اور پرشا کی زیادتیوں کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئے۔

ذرا اندازہ کیجئے کہ کہاں اپنے اصلی جدامجد حضرت آدمؑ وحواؑ کی پیغمبرانہ، مطہر اور پاکیزہ زندگی اور کہاں یہ خرابہ اور اخلاقی تنزل۔ مگر اس قصے سے ہمیں ایک ثبوت اس بات کا اور مل گیا کہ مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب۔ یہ دونوں کبھی اکھٹے نہیں ہو سکتے۔ یعنی جناب ڈارون کے نظریہ ارتقا کے مطابق انسان جنت میں آدم علیہ السلام کی صورت میں پیدا کی جانے والی ہستی اشرف المخلوقات نہیں بلکہ ارذل المخلوقات ہے جو بعد میں اپنی ہوشیاری اور چالاکی کی وجہ سے دوسری مخلوقات پر قابض ہوگئی۔ اس نظریہ ارتقا کے مطابق خود بخود پیدا ہونے والا ایک جرثومہ کائی، کیچوا، مینڈک، مچھلی، گائے، گدھے اور بندر وغیرہ سے ہوتے ہوئے نو کروڑ سال میں انسان بنا۔ گویا یہ جانور انسان کے آباؤ اجداد ہیں اور نسلی طور پر ننھیالی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور ددھیالی رشتہ دار ہیں۔ مگر ہندوؤں کا یہ عقیدہ بتاتا ہے معاملہ اس کے بالکل الٹ ہے۔ جبکہ اصل حقیقت میں یہ دونوں ہی الٹے ہیں۔

ڈارون نے کہا بوزنا ہوں میں — منصور نے کہا خدا ہوں میں

کہنے لگے میرے اک دوست — فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ہمیں متھرا کے متعلق یہ بھی بتایا گیا کہ یہاں ایک نہایت قدیمی، پرانے اور بڑے مندر میں اندر دیوتا کا بہت بڑا بت نصب ہے۔ اندر دیوتا کو god of Phallus بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں اس دیوتا کو ایسے روپ میں دکھایا گیا ہے جیسے کہ اس کے بہت سارے صنفی اعضاء ہوں۔ اس دیوتا کی خاص دنوں میں خاص طریقوں سے پوجا پاٹ کی جاتی ہے اور پجاریوں میں خاص طور پر ایسے زائرین کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے جن کی شادیاں ہو رہی ہوتی ہیں یا جو جوڑے بے اولاد ہوتے ہیں۔ عام ہندو پجاری کسی برہمن کی سرکردگی میں اس دیوتا کی خدمت میں پیش ہوتے ہیں۔ چومتے چاٹتے پوجا پاٹ کرتے ہیں، بھجن گاتے اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں، نذریں دیتے اور مرادیں مانگتے ہیں کہ یہ پتھر، مٹی یا لکڑی کے ٹکڑے انہیں اولاد دیں اور وہ بھی نرینہ۔ انہی کی دیکھا دیکھی یا صدیوں ان کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اور یا پھر ہماری بیشتر آبادی کا ہندو اور جن (Origin) ہونے کی وجہ سے یار لوگوں نے بھی دیوی دیوتاؤں کی بجائے اپنے نیک پاک بزرگوں اور ولیوں کو ہی ان کا ہم پلہ قرار دے لیا بلکہ ان اولیاء اللہ کا درجہ کچھ اور بڑھا دیا مگر یہ نہ سوچا کہ جو خود موت کو نہ ٹال سکا اور جان کی بازی ہار گیا وہ کسی کو کیا زندگی دے گا۔ زندگی دینے والا تو وہ ہے جو زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ گورونانک نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

نانک دنیا باوری مڑھیاں پوجن اوت — جہڑا اس جہانوں مر گیا اوہ کی دے گا پوت

متھرا کے اسٹیشن پر کافی بھیڑ تھی لیکن ہمارے کمپارٹمنٹ میں زیادہ رش نہ ہونے پایا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کی وجہ شاید رزرویشن کا طریقہ ہو یا ان کے خاص مذہبی ایام ہونے کی وجہ سے جن میں گھر سے باہر نکلنا منحوس خیال کیا جاتا ہے عام لوگ سفر ہی زیادہ نہ کرتے ہوں۔

مٹی کا کپ

صبح ہوٹل سے ہم جلدی میں تیار ہو کر بھاگے تھے اور ناشتہ نہیں کر پائے تھے، اور اب بھوک چمکنے پر ناشتے کی فکر ہوئی۔ اس بارے میں ابھی ہم سوچ ہی رہے تھے کہ سماوار لیے ایک چائے والا آ گیا۔ اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ہم نے چائے والے کو اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ اس نے گرم گرم چائے کا کپ تھما دیا۔ لیکن یہ کپ کوئی عام کاغذی (Paper disposable) یا چینی کا کپ نہ تھا بلکہ مٹی کا ایک (Disposable) آبخورہ تھا جو وزن میں بہت ہلکا اور دیکھنے میں خوبصورت تھا۔ وہ چائے کا کپ تھما کر چلتا بنا۔ متھرا کی یہ خصوصیت (Speciality) یاد رہے گی۔ ویسے 1947ء سے پہلے بھی متھرا شہر مٹی کے برتنوں کی صنعت میں بہت مشہور تھا۔ چائے کے اس کپ کی ظاہری نفاست اس مہارت کی گواہی دے رہی تھی۔ نفاست کے باوجود اس کی قیمت بہت معقول تھی یعنی چائے سمیت کپ کی قیمت صرف پانچ روپے۔ بسکٹ اور چائے ہمارا ناشتہ ثابت ہوا۔ مٹی کے نفیس کپ میں چائے پینے کی بات ہی کچھ اور تھی۔ ویسے یہ بھی بتاتے چلیں کہ اس آبخورے کا استعمال حفظان صحت کے اصول کے تحت شروع نہیں ہوا بلکہ اس کی تہ میں بھی ہندو کی چھوت چھات تھی کہ کہیں مسلمان کا جھوٹا کپ نہ مل جائے اور انہیں بھرشٹ کر کے رکھ دے۔

مٹی کے اس متھراوی خوبصورت کپ میں گرم گرم چائے کی خوشبو اور دریائے جمنا کے کنارے کنارے ہونے کے مسحور کن خیال کا امتزاج خوب رہا۔ شاید کسان کا بیٹا ہونے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یا گاؤں میں آنکھ کھولنے کی وجہ سے مٹی کی خوشبو ہمیں ہمیشہ ایک قسم کی روحانی تروتازگی کا پیغام دیتی ہے اور اپنے گاؤں کی یاد دلاتی ہے۔ گرمیوں کے موسم میں ہماری یہ معصوم سی خواہش ہوتی ہے کہ گھر میں ٹھنڈے پانی کے لیے ایک صراحی اور مٹی کا پیالہ رکھیں مگر کیا کریں آج کل کی نام نہاد ماڈرن اکیسویں صدی کی طرز رہائش اور بود و باش کا کہ ان چیزوں کے باعث ہم اپنے ہی گھر میں اجنبی سے محسوس ہوتے ہیں۔ آپ اپنے گھر میں بڑی فرج لے آئیں، ڈیپ فریزر لے آئیں یا اوون اور مائیکرو ویو اوون غرض جو بھی لے آئیں گھر والے خوشی خوشی اسے سیٹ کرنے کے لیے جگہ نکال لیں گے بلکہ آپ کی کچھ کچھ تعریف بھی کریں گے۔ مگر اس کے برعکس اگر آپ اپنے زمانہ کی کوئی پسندیدہ چیز یعنی گھڑا یا صراحی وغیرہ لے آئیں تو آپ مذاق کا نشانہ تو بن سکتے ہیں تعریف کے مستحق نہیں۔ تاہم گرمیوں میں جو مزہ مٹی کے گھڑے یا صراحی اور مٹی کے پیالے سے پانی پینے کا ہے وہ شیشے کرسٹل یا سٹیل وغیرہ کے گلاس میں کہاں۔

مٹی کی خوشبو

www.kitabosunnat.com

مٹی کی خوشبو کا دوسرا مظاہرہ آپ اس وقت ملاحظہ کر سکتے ہیں جب بارش ہوتی ہے۔ ایسے موقع پر دیہاتوں میں ہر طرف ایک ہی قسم کی سوندھی سوندھی سی خوشبو پھیل جاتی ہے۔ لیکن یہاں اسلام آباد میں بارش کے بعد ہر طرف بے محابا اگنے والے جنگلی توت، دوسرے اجنبی پودوں اور بھنگ کا تگڈم کچھ ایسی ناگوار سی بدبو پیدا کرتا ہے کہ جس سے اسلام آباد کے بہت سے نازک مزاج باسیوں کی طبعیت خراب ہونے لگتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اسلام آباد پلان کرنے والوں نے اس بات کا پورا خیال رکھا تھا کہ یہ ایک پاکستانی شہر نہ لگے۔ اسلام آباد کا تعمیراتی خاکہ بناتے ہوئے ہمارے انجنیر حضرات میں سے کسی کو کعبۃ اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا خیال ہی نہ آیا کہ عمارات سیدھے رخ بنائی جائیں تا کہ نماز کی ادائیگی میں آسانی رہے۔ بعد میں بتایا گیا کہ اگر نماز کے لیے سمت کعبہ معلوم کرنے کا مسئلہ درپیش ہو تو سامنے کی دیوار سے دائیں طرف سترہ درجے کا زاویہ بنائیں یہ سمت کعبہ ہو گی۔ نتیجتہً گھروں میں نماز ادا کرنے والے خصوصاً آدھی سے زیادہ خواتین اور زیادہ بزرگ حضرات سترہ کے چکر میں کعبہ کے صحیح رخ کا ہی تعین نہیں کر پاتے۔

اسلام آباد میں شجرکاری

اسلام آباد کی سڑکوں کے کنارے اور سبز پارکوں میں ایسے درخت اور پودے لگائے گئے جن کے نام تک لوگوں کو معلوم نہیں اور نہ کبھی ہماری ان سے شناسائی رہی ہے۔ اس سے پہلے نہ وہ ہمیں جانتے تھے اور نہ ہی ہمیں ان کی طبع کا کچھ پتہ تھا۔ ہمیں اپنے صدیوں کے ساتھی اور دیرینہ دوست درختوں کی بجائے ایسے تحفے دیے گئے جو صدر مقام پر رہنے والوں کے لیے نزلہ زکام اور کھانسی کے ساتھ ساتھ دمہ جیسی موذی بیماریوں کا باعث تو بن رہے ہیں مگر کسی فائدے کا ذریعہ بننا ان کے بس کی بات نہیں۔ اگر اسلام آباد کے کچھ حصے آلو بخارا، بادام، خوبانی، آلوچہ، آڑو وغیرہ جیسے پودوں کے لیے وقف ہوتے تو یقیناً اسلام آباد کا موسم بہار رنگ برنگے پھولوں کی بہتات کی وجہ سے پوری دنیا میں مشہور ہوتا اور موسم بہاراں منانے کے لیے ہمیں بسنت کی پتنگوں کا سہارا نہ لینا پڑتا۔ اور اگر کچھ دوسرے حصوں میں جامن، بیری، ناشپاتی، آنولہ، سوہانجنا، فالسہ، شہتوت، سنگترہ، مالٹا، کنو، لیموں وغیرہ کے ساتھ ساتھ شیشم۔ سکھ چین، اور چنار وغیرہ کے پودے بھی فراخدلی سے لگائے ہوتے تو قرضوں ماری یہ قوم ان درختوں کے پھل اور لکڑی سے کچھ تو فائدہ اٹھاتی اور ساتھ ساتھ دنیا بھر کے باذوق سیاح موسم بہار کا لطف لینے کے لیے اسلام آباد کا رخ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتے نظر آتے۔

کافی عرصہ گزرا لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے اس وقت کے چیرمین ریٹائرڈ جنرل انصاری کا ایک اخباری انٹرویو پڑھا تھا۔ انہوں نے ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق مسلمان کبھی بے فائدہ درخت نہیں لگاتا۔ انہوں نے اس سے یہ اخذ کیا تھا کہ فائدے کا مطلب ہے پھل، لکڑی، یا چارہ وغیرہ۔ صرف خوشنمائی کے لیے درخت لگانا ایک مہنگی عیاشی ہے۔ ہوا کی صفائی اور سایہ تو ہر درخت کا خاصہ ہے۔ آپ اسلام آباد کی ابتدائی شجر کاری کا جائزہ لے لیں آپ کو اس معیار پر پورا اترنے والے درخت بہت کم ملیں گے۔ البتہ لوگوں نے اپنا شوق پورا کرنے کی خاطر گھروں کے اندر ایسے درخت اور پودے لگانے کی کوشش ضرور کی ہے۔ اب سنا ہے کہ صدر مقام کے ناخداؤں نے بھی اپنی پہلی پالیسی میں کچھ نرمی پیدا کی ہے اور پارکوں وغیرہ میں فائدہ مند پودے لگا رہے ہیں۔ اس کار خیر میں ہم نے بھی اپنا حصہ ڈالنے کی کوشش کی اور ہماری چار پانچ سالہ کوششوں کے نتیجہ میں نیم کا پہلا پودا ایک درخت کی شکل میں اسلام آباد کی فضا میں لہلہا رہا ہے اور لوگ اس کے پتے اور ٹہنیاں دوائی میں استعمال کے لیے لے جاتے ہیں۔

سفیدہ

جنگلی توت کے علاوہ دوسرے اجنبی درختوں میں سب سے ناکارہ اور واہیات درخت سفیدے (Eucalyptus) کا ہے جسے لگانے پر بہت زور دیا جاتا رہا ہے۔ مگر نہ تو اس کا سایہ گھنا اور خوشگوار ہے، نہ اس کی لکڑی میں کوئی جان ہوتی ہے کہ کسی کام آسکے، نہ اس کا ایندھن اچھا بنتا ہے اور تو اور اس پر پرندے تک بیٹھنا پسند نہیں کرتے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ گند بھی سب سے زیادہ ڈالتا ہے۔ پرندے شاید اس پر اس لیے نہیں بیٹھتے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہ ہی گھونسلہ بناتے ہیں کہ یہ بڑا بے اعتبارا سا درخت ہے۔ ذرا ہوا چلے یہ اس طرح جھولتا ہے کہ عام پرندوں کا گھونسلہ قائم ہی نہیں رہ سکتا۔ ہلکی آندھی کی شکل میں بھی اس کا پتہ نہیں چلتا کہ کب ٹوٹ گرے۔ تیز ہوا اور آندھی کی صورت میں باقی درختوں کی بہ نسبت یہ زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے جنگلی حیات بالخصوص پرندوں کی انواع و اقسام کا توازن بھی خراب ہوتا جا رہا ہے۔ اسلام آباد کی حد تک کوؤں کا راج ہے، ہر طرف کوے ہی کوے ہیں باقی پرندے کم کم۔ شاید یہاں کی فضا ہی ایسی ہے کہ جو یہاں زیادہ شور کرتا ہے اور اس جنگلی توت کی طرح اپنی جڑیں بھی پھیلاتا رہتا ہے وہ زیادہ کامیاب رہتا ہے، کوؤں کی طرح اپنے اپنے قوم قبیلے اور دوست احباب کی خدمت زور شور سے کرتا ہے مگر عوام کے لیے سفیدے کی طرح کورا اور بے فیض۔

سفیدے کا سب سے زیادہ نقصان زمینداروں کو ہے۔ اس کا ایک درخت زمین میں اردگرد سے اتنا پانی چوستا ہے کہ کم از کم دو کنال میں کسی زرعی فصل کو صحیح طرح پنپنے نہیں دیتا۔ ہاں سیم زدہ علاقوں میں محدود پیمانے پر اس کی کاشت فائدہ مند ہو سکتی ہے بشرطیکہ یہ وہاں اگنا پسند کرے۔ ویسے تو ایسے علاقوں میں دیسی توت بھی سیم کی روک تھام کے لیے اتنا ہی مفید ہے جتنا کہ سفیدہ۔ توت لگانے سے ریشم کی صنعت بھی کافی ترقی کر سکتی ہے اور اس کی لکڑی کا بنا ہوا سیالکوٹ کا کھیلوں کا سامان تو پوری دنیا میں مشہور و مقبول ہے۔ لیکن سیالکوٹ کی یہ صنعت توت کی لکڑی کی کمی کی وجہ سے اب دم توڑتی نظر آ رہی ہے۔

متھرا کے سٹیشن پر مٹی کے کپ میں چائے پیتے ہوئے ابھی یہ سوچ بچار جاری تھی کہ گاڑی کے وسل کی آواز سنائی دی اور ہم سفر در سفر کی اس کیفیت سے نکلتے ہوئے واپس متھرا پہنچ گئے۔ گاڑی نے دھیرے دھیرے حرکت کی اور ہم چائے کی چسکی کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی گاڑی سے متھرا شہر کا نظارہ کرنے لگے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

متھرا

گاڑی آہستہ آہستہ متھرا ریلوے سٹیشن سے روانہ ہوئی اور متھرا کی شہری آبادیوں سے گزرتی ہوئی تیز دوڑنے لگی۔ متھرا تو آہستہ آہستہ آنکھوں سے اوجھل ہوتا چلا گیا مگر اس کا تاریخی پس منظر اور موجودہ عصری کردار ابھرنا شروع ہوا۔ جس کی بڑی وجہ ایودھیا اور بابری مسجد کے تناظر میں اس کا قدیم مذہبی تقدس اور اسلامی آثار کے خلاف متعصب ہندوؤں کی موجودہ جارحیت تھی۔ متھرا تاریخی طور پر ماضی کا ایک اہم تجارتی، سیاسی اور مذہبی مرکز رہا ہے اور یہاں ان کے بہت سے قدیم وجدید اور انتہائی مقدس مندر ہیں۔ دریائے جمنا کے کنارے کنارے بہت سی اشنان گھاٹیاں ہیں جہاں ہندو لوگ پوتر ہونے کے لیے اشنان یعنی غسل کرتے ہیں۔ متھرا دوسری صدی قبل مسیح بدھ مت کا گڑھ اور اس کا اہم ترین مرکز رہا ہے۔ یہ بھی مذکور ہے کہ متھرا کو جناب گوتم بدھ کی میزبانی کا شرف بھی حاصل رہا ہے۔

اوتار

ہندومت کے اعتبار سے متھرا شہر ہندوؤں کے ایودھیا، ہردوار، بنارس، کانچی پورن، اجن، اور دوارکا جیسے سات مقدس ترین مقامات میں سے ایک ہے۔ مگر اس کے مذہبی لحاظ سے تقدس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اسے کرشن دیوتا کا مقام پیدائش ہونے کا فخر حاصل ہے۔ ویدوں کے مطابق کرشن چندر ہندوؤں کے ایک اہم ترین اور بڑے دیوتا وشنو کا اوتار ہے۔ وشنو کے متعلق مشہور ہے کہ یہ ہندوؤں کا مہا دیوتا ہے جو کہ آسمانی خدا بھی ہے اور ضرورت کے وقت ہندومت کی خدمت کے لیے اپنی شکل بدل کر کسی اور شکل وصورت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں زمین پر نزول فرماتا ہے۔ اپنی اصلی شکل کی بجائے کسی انسانی یا حیوانی شکل میں ہندومت کی خدمت کرنے اور انسانیت کو کسی مصیبت سے نجات دلانے کے لیے زمین پر آنے کو اوتار کہتے ہیں۔

کرشن چندر

وشنو دیوتا اب تک نو بار مختلف اوتاروں کی شکل میں زمین پر اپنے قدم رنجہ فرما چکے ہیں۔ جن میں سے ایک دفعہ یہ رام چندر کی شکل میں ایودھیا میں اور ایک اور مرتبہ کرشن چندر کی حیثیت سے متھرا میں پیدا ہوئے۔ کرشن چندر ہندوؤں کے مشہور ترین دیوتا ہیں جس کا مطلب ہے کالا۔ ان کے حالات زندگی اور تمام اوتاری کارناموں کا ماخذ ایک قدیمی رزمیہ داستان مہابھارت ہے، جو باور کیا جاتا ہے کہ 400 ق م اور 200 ق م کے درمیان لکھی گئی۔ یہ بھی باور کیا جاتا ہے کہ مہابھارت کی یہ زمانہ قبل از تاریخ جنگ کہیں 1302 ق م میں ہوئی مگر کچھ دوسرے اندازوں کی رو سے یہ اس کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس لحاظ سے کرشن چندر کی پیدائش 1300 ق م سے پہلے کی بات ہے۔ مہابھارت جنگ کے واقعات اس کے وقوع پذیر ہونے کے ایک ہزار سال بعد سنی سنائی داستانوں کی بنیاد پر لکھے گئے اور وہ بھی دو سو سالوں میں، جس کا کوئی تاریخی اور حتمی ثبوت اب تک نہیں ملا۔

بابری مسجد

تعصب کی ایک اور انتہا ہے کہ ہندوؤں کا دعویٰ ہے کہ رام چندر جی کی پیدائش ایودھیا میں بابری مسجد کی جگہ ہوئی۔ جبکہ تاریخی طور پر ہندوستان کی سپریم کورٹ میں یہ بھی ثابت نہیں کیا جا سکا کہ جس ایودھیا شہر کی وہ بات کر رہے ہیں وہ اس وقت اس جگہ پر موجود بھی تھا کہ نہیں۔ مگر برا ہو اس مسلم دشمنی کا کہ سیاسی طور پر منظم اور یہود و ہنود کی مشترکہ سازشوں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نتیجہ میں ظہور میں آنے والی بال ٹھاکرے اور دوسرے متعصب ہندوؤں کی تنظیمیں مثلاً ہندو وشواپریشد، راشٹریہ سیوک سنگھ، شیوسینا وغیرہ نے ہندوؤں کو اکسا کر 1992ء میں بابری مسجد کو شہید کرا دیا۔ حالانکہ ایودھیا میں تقریباً ڈیڑھ ہزار مندر موجود ہیں جن میں سے ایک صرف بندروں کے لیے وقف ہے۔ مگر متعصب ہندوؤں سے ایک مسجد برداشت نہ ہو سکی۔ بابری مسجد کی شہادت ایک عظیم المیہ سے کم نہیں۔ یہ مسجد ہندوستان میں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی امین تھی مگر جنونی ہندوؤں نے اسے شہید کر کے اپنے خود ساختہ سیکولرازم کا جنازہ خود اپنے ہاتھوں نکالا اور اس کے ساتھ ساتھ تمام مسلمانوں کے ایمان کو تازگی بھی بخشی اور ایک نیا ولولہ عطا کیا مزید براں اس حقیقت کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیا کہ مسلمان ہندوستانی ہوتے ہوئے بھی ہندوؤں سے بالکل علیحدہ ایک قوم ہیں۔

زرعی تقابل

متھرا سے آگے آگرہ کی طرف ریلوے لائن کے دونوں اطراف حدنگاہ تک زرعی فصلیں اور کھیت ہی کھیت نظر آرہے تھے۔ نیچے سرسبز کھیت اور اوپر نیلا آسمان، قدرتی منظر نہایت خوبصورت لگ رہا تھا۔ فصلات کہیں کہیں بہت اچھی، زیادہ تر درمیانی اور کچھ کچھ اس سے کم تر درجہ کی تھیں۔ خال خال بہت نمایاں قطعات اور درختوں کے جھنڈ ٹیوب ویلوں کی موجودگی کی غمازی بھی کرتے ہوئے نظر آئے۔ زیادہ تر فصلیں جوار باجرہ اور ارہر کی تھیں اور ان میں سے بھی بیشتر کافی عرصہ سے پانی نہ ملنے اور بارش نہ ہونے کی شاکی نظر آرہی تھیں۔ جنوبی ہندوستان، اتر پردیش کے اس حصہ میں فصلیں اتنی اچھی بھی دکھائی نہیں دے رہی تھیں جتنی اچھی سارک کے اس سیمی نار میں ہمیں باور کرانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ ویسے تو سیمی نار کے مباحث میں زیادہ تر حوالہ جات مشرقی پنجاب ہی سے متعلق رہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ وہاں کی گندم کی فی ایکڑ پیداوار ہمارے یہاں سے کچھ زیادہ تھی۔ چنانچہ جس وقت پاکستان سیڈ انڈسٹری پر مقالہ پیش ہو رہا تھا، اس سے متعلق کافی سوالات اٹھائے گئے اور ان پر سیر حاصل بحث بھی ہوئی۔ گندم کی فی ایکڑ پیداوار مشرقی پنجاب سے کم ہونے کی بڑی بڑی وجوہات پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بتایا گیا کہ:

پاکستان میں کافی عرصہ سے گندم بہت پچھیتی کاشت کرنے کا رجحان پایا جا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے گندم کی فصل کو بڑھوتری کے لیے بہت کم وقت ملتا ہے۔ جو پیداوار کو بڑی شدت سے متاثر کرتا ہے۔

پاکستان میں گندم کا زیادہ تر رقبہ چاول اور کپاس کی چنائی کے بعد کاشت کیا جاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے زمین کی تیاری اور بجائی کے لیے مناسب وقت نہیں ملتا اور کاشت بھی بہت دیر میں ہوتی ہے۔

مشرقی پنجاب میں بہت بڑی بڑی زمینداریاں نہیں ہیں بلکہ درمیانہ طبقہ زیادہ ہے جس کی وجہ سے وہ محنت بھی زیادہ کرتے ہیں اور پیداوار بھی زیادہ لیتے ہیں۔ جبکہ ہمارے ادھر بڑی بڑی زمینداریاں ہیں جہاں وسائل پوری طرح استعمال نہیں کیے جاتے یا بہت چھوٹے زمیندار جنہیں پورے وسائل میسر نہیں اور جن کے لیے صحیح اور مناسب پیدواری ٹیکنالوجی پر کوئی قابل ذکر تحقیق بھی نہیں ہو رہی۔

مشرقی پنجاب کے تعلیمی اور تحقیقی ادارے زمینداروں سے مربوط تحقیقات (Farmer's Participatory Research) کرتے ہیں۔ اس طرح تحقیق کے نتیجے میں ہونے والی نئی نئی دریافتیں فوراً زمیندار کے کھیت تک پہنچ جاتی ہیں۔ جبکہ ہمارے تعلیمی اداروں کے پاس نہ تو اتنے فنڈز ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور نہ اتنے اچھے کارکن جو قومی اور ملی جذبے سے سرشار ہو کر تحقیق بھی کریں اور نئے کارکن بھی تیار کریں۔

پاکستان میں گندم کی سرکاری قیمت عام طور پر اس کی پیداواری لاگت سے بہت کم رکھی جاتی ہے جس کی وجہ سے زمینداروں کے لیے یہ فصل اتنی اہمیت کی حامل شمار نہیں ہوتی جتنی کہ دوسری نقد آور اجناس۔ اس لیے عام زمیندار اس پر توجہ بھی کم دیتے ہیں اور زرعی مداخل بھی کم ہی استعمال کرتے ہیں۔

مشرقی پنجاب کا 96 فیصد علاقہ نہری پانی سے کاشت کیا جاتا ہے جبکہ پاکستان میں تقریباً 22 فی صد رقبہ بارانی ہے۔ جس کی پیداوار آبپاشی والے علاقے کی نسبت آدھی سے بھی کم ہوتی ہے۔ مگر زرعی اعداد و شمار میں مجموعی علاقہ کی اوسط پیداوار ہی بیان کی جاتی ہے۔

مشرقی پنجاب میں عام کسانوں کو ملنے والی پیداواری اور مارکیٹ کی سہولیات، زمینی وسائل اور زرعی مداخل کی فراہمی مغربی پنجاب کی بہ نسبت بہت بہتر ہے اور تمام مداخل نسبتاً سستے بھی ہیں۔

مشرقی پنجاب میں دیہات میں زرعی ٹیوب ویلوں کے لیے بجلی مفت ہے جبکہ پاکستان میں یہ بہت مہنگی ہے اور وہ بھی لوڈ شیڈنگ کے لمبے لمبے وقفوں کے ساتھ۔

ہندوستان کی بیج کی صنعت پاکستان سے دس سال پہلے 1966ء میں قائم ہوئی جبکہ پاکستان میں سیڈ انڈسٹری نے اس سے دس سال بعد 1976ء میں کام شروع کیا۔

آخری بات جو وہاں نہ کہی جا سکی یہ تھی کہ مشرقی پنجاب میں تو سارے ہی سکھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور وہ زرعی کام بھی سکھوں ہی کی طرح جم کر کرتے ہیں مگر ہمیں اتنی فرصت کہاں؟ ہمیں دفتری اور نجی کاموں اور اعلیٰ افسروں کے دورے بھگتانے سے فرصت ملے تو ہم لیبارٹری میں جائیں یا عام زمینداروں کے کھیتوں تک نئی تحقیق پہنچائیں۔ ویسے دل لگتی بات تو یہی ہے کہ ہمیں اگر مشرقی پنجاب کا مقابلہ کرنا ہے تو سکھوں کی تقلید کرنا پڑے گی اور انہیں صرف سردار جی ہی نہیں بلکہ زرعی پیر بھی بنانا پڑے گا۔

سیمی نار میں مندوبین کی نشستیں حروف تہجی کے حساب سے ترتیب دی گئی تھیں۔ اس اعتبار سے پاکستان کی نشست بھوٹان اور نیپال کے بعد تھی۔ اس وقت جب بھوٹان اور نیپال کی سیڈ انڈسٹری پر مقالے پیش ہو رہے تھے تو ہم نے صرف مقالے سننے پر ہی اکتفا کیا اور کوئی سوال وغیرہ نہ کر سکے۔ ہمارے سوال نہ پوچھنے کی وجوہات بہت گہری تھیں۔ ان وجوہات کا تعلق بلاواسطہ اور بالواسطہ اس منفرد انداز سے تھا جس سے کہ ہمیں ہندوستان میں وارد ہونا پڑا تھا۔

نامزدگی

دہلی میں بیج پر ہونے والے اس سارک سیمی نار میں پاکستان کی نمائندگی کا پروگرام انتہائی الل ٹپ تھا۔ اپنے محکمہ کی طرف سے نام تجویز ہونے کے بعد حکومت کی طرف سے حتمی نامزدگی اور سارک انتظامیہ کی طرف سے منظوری کا انتظار تھا تا کہ مقالہ وغیرہ تیار کیا جا سکے۔ کانفرنس کے انعقاد میں صرف ایک ہفتہ باقی تھا مگر ابھی تک حتمی نامزدگی کی کوئی اطلاع نہ تھی۔ اس لیے ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب تھے کہ بین الاقوامی قوتیں اس امر کی کوشش کر رہی ہیں کہ ہم سارک سیمی نار میں شمولیت کے لیے ہندوستان نہ جا سکیں۔ مگر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیمی نار کے انعقاد سے چار دن پہلے یہ اطلاع آ گئی کہ دہلی جانے کے لیے فائنل قرعہ ہمارے ہی نام نکلا ہے۔

سیمی نار میں شرکت کے لیے حتمی نامزدگی کے بعد اب فوراً تیاری کا مسئلہ تھا، جس میں سرفہرست مرحلہ پاسپورٹ بنانے اور ہندوستانی سفارتخانے سے ویزہ لگوانے کا تھا۔ منسٹری کے تعاون سے پاسپورٹ تو بہت جلد بن گیا مگر ویزہ کا مسئلہ کافی ٹیڑھی کھیر ثابت ہوا۔ عام ممالک کے لیے ویزہ محکمہ خارجہ کی اجازت سے نامزد امیدوار خود لگواتا ہے، مگر ہندوستان کے معاملہ میں پالیسی کافی منفرد اور نرالی ہے۔ ادھر سب کچھ حکومتی ادارے ہی کرتے ہیں۔ اور آخر میں ہندوستانی سفارت خانے کی مرضی ہو تو ویزہ لگائے نہ لگائے۔ چنانچہ ہم نے تمام مراحل بہ عجلت طے کیے اور پاسپورٹ ویزہ کے لیے جمع کروا دیا۔

ویزہ

پاسپورٹ جمع کروائے دو دن گزر چکے تھے اور ابھی تک ویزہ نہیں لگ رہا تھا۔ تیسرا دن روانگی کا تھا اور اس لحاظ سے وقت بہت کم تھا۔ آدھی رات تک مقالہ مرتب کیا۔ کیونکہ اس ساری دوڑ دھوپ کے دوران ہی وقت نکال کر مقالہ بھی تیار کرنا تھا۔ اگلے دن دوپہر ڈیڑھ بجے فلائیٹ کا وقت تھا۔ ویزہ کی وصولی کے لیے فارن آفس والوں نے احتیاطاً صبح آٹھ بجے ہی بلا لیا تھا مگر ساڑھے بارہ بجے تک ویزہ نہیں لگ پا رہا تھا اور انتظار جاری تھا۔ جب آخری بار متعلقہ افسر کو فون پر اطلاع دے کر واپس جانے ہی والے تھے کہ ادھر سے پیغام ملا کہ دس پندرہ منٹ اور انتظار کر لیں، کیونکہ ہندوستان کے سفارت خانہ سے سفارتی بیگ (Diplomatic Pouch) روانہ ہو چکا ہے اور شاید اس میں آپ کا پاسپورٹ بھی ہو۔ گھڑی کی سوئیاں تیزی سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ سیمی نار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں شرکت کے مواقع بھی کم سے کم تر ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ بہرحال چند منٹ بعد ہی سفارتی بیگ آنے کی اطلاع ملی اور بتایا گیا کہ اس میں ہمارا پاسپورٹ بھی موجود ہے اور ویزہ شدہ ہے۔

بہرحال پاسپورٹ کی وصولی اور ہدایات وغیرہ میں ایک بج گیا۔ اس طرح ائیر پورٹ پہنچنے اور فلائٹ پکڑنے تک صرف آدھا گھنٹہ باقی تھا۔ ہم ڈرائیور کی پھرتیاں دیکھتے اور اللہ اللہ کرتے بالآخر فلائٹ کلوز ہونے سے چند لمحے پہلے ایرپورٹ پہنچ ہی گئے۔ جلدی اور گھبراہٹ میں ہم داخلہ اور خارجہ میں متعلقہ افسران کا پورے اطمینان سے شکریہ بھی نہ ادا کرسکے۔ اور سیمی نار سے واپسی پر ہم نے اس کی تلافی کی کوشش کی۔ حقیقتاً ان افسران کے تعاون اور راہنمائی کے بغیر نہ ہم سیمی نار میں شرکت کرسکتے تھے اور نہ ہی تاج محل دیکھنے کا موقع ملتا۔ خاص طور پر ان کا شکریہ اس پرخلوص حوصلہ افزائی کے لیے بھی ادا کرنا تھا جو انہوں نے ہر موقع پر عنایت فرمائی اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتے رہے جگ گھبرائیں نہیں خاطر جمع رکھیں ہندوستان جانے والوں کے ساتھ ہم ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔

مسٹر چن وِیر

اسلام آباد سے لاہور اور لاہور سے دہلی پی آئی اے کی فلائٹ تھی۔ فلائٹ بھرپور تھی اور سفر بھی پرسکون ہی رہا۔ لاہور سے دہلی تک کا سفر تیاری اور سواری کے مراحل کی بہ نسبت بہت کم نکلا۔ لاہور سے چلنے کے صرف آدھ گھنٹے بعد ہم فضا سے دہلی شہر کا نظارہ کر رہے تھے۔ اس وقت دہلی کی جو عمارت زیادہ نمایاں نظر آ رہی تھی وہ لوٹس ٹمپل تھا جو بہائیوں کا مراقبائی مرکز (Meditation centre) بتایا جاتا ہے۔ دہلی کے ائرپورٹ پر اتر کر مسافر لاؤنج میں آ گئے۔ امیگریشن کے مراحل طے کرتے کراتے تقریباً پون گھنٹے بعد باہر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آئے۔ خیر مقدم کرنے والوں، مہمانوں اور ٹیکسی وغیرہ والوں کا بہت ہجوم تھا۔ اس ہجوم میں ہم نے بھی نظر دوڑائی۔ ایک صاحب کے ہاتھ میں ایک بڑے کارڈ پر اپنا اور پاکستان کا نام کافی بڑے اور نمایاں حروف میں لکھا نظر آیا اور بہت اچھا لگا۔ ہم فوراً ان صاحب کے پاس جا پہنچے اور اپنا تعارف کرایا۔ وہ کافی دیر سے انتظار میں تھے اور ہمیں اپنے سامنے پا کر خاصے مطمئن نظر آئے۔ اپنا تعارف کراتے ہوئے چن ویر نام بتایا اور شعبہ سیڈ ٹیکنالوجی۔ ایک سرکاری ماروتی گاڑی میں ہم ہوٹل سمراٹھ پہنچے جہاں انتظامیہ نے تمام مندوبین کی رہائش کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ اس طرح اپنے کمرہ تک پہنچتے پہنچتے رات ہو گئی۔ پچھلی رات کی بے آرامی، ویزے کے پیچھے سارے دن کی بھاگ دوڑ اور بوریت کی وجہ سے تھکن بہت زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ اس لیے فی الحال آرام کرنے کا فیصلہ کیا اور مقالہ کی ترتیب و تیاری صبح پر ملتوی کر کے سو گئے۔

صبح صبح بالکل صحیح وقت پر جناب چن ویر صاحب ہوٹل میں تشریف لے آئے۔ اور ہم ان کے ساتھ انڈین ایگریکلچرل ریسرچ کونسل کے سیمی نار ہال میں پہنچ گئے۔ رجسٹریشن کے بعد ایک دلکش مسکراہٹ کے ساتھ ایک عدد گلاب کا خوبصورت پھول اور سیمی نار کا یادگاری (Souvenir) بیگ پیش کیا گیا۔ اس بیگ میں سیمی نار سے متعلق مقالے اور دعوت نامے اور ایک کاپی پروگرام کی بھی تھی۔ جلدی جلدی پروگرام پر نظر دوڑائی کہ دیکھیں ہمارا مقالہ کب ہے۔ مگر یہ دیکھ کر اپنے تو ہوش ٹھکانے آ گئے کہ چار دن کے اس سیمی نار میں پاکستان کا مقالہ پہلے ہی دن شام کی نشست میں تھا۔ تھوڑی دیر گھبراہٹ ضرور ہوئی مگر اطمینان یہ تھا کہ ہم سارا تحریری مواد، سلائیڈز اور کاغذات وغیرہ احتیاطاً ساتھ لے آئے تھے۔ پہلے اور دوسرے سیشن میں ہم وہیں سیمی نار میں بیٹھے بیٹھے سلائیڈز وغیرہ کی ترتیب و توضیح میں لگے رہے۔ اس فوری مصروفیت کی وجہ سے ہم اس دوران پیش ہونے والے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرے مندوبین کے مقالوں پر تنقیدی نگاہ نہ ڈال سکے۔ بہر حال یہ خیال بار بار ستاتا رہا کہ اگر یہ بھاگ دوڑ والا کام حکومتی سطح پر ذرا اور منظم ہو جائے اور نمائندوں کو اتنی دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑے تو کیا ہی اچھا ہو۔ اگر تھوڑا سا وقت ہمیں اور مل جاتا تو ہم مقالہ اور کمپیوٹر سلائڈز اس سے بہت بہتر بنا سکتے تھے۔

مہمان خصوصی دستیاب نہیں

پروگرام کے مطابق سیمی نار کا افتتاح صبح 9:30 بجے ہونا تھا۔ مندوبین اور حاضرین کو ہال میں نشستیں سنبھالے تقریباً پونے دس بج چکے تھے، لیکن ابھی تک مہمان خصوصی کی آمد آمد کا غلغلہ اور استقبال کرنے والوں کی بھاگ دوڑ جیسی کوئی ہلچل نظر نہیں آرہی تھی۔ تاہم کچھ کھسر پھسر سی ضرور ہو رہی تھی۔ ہم نے اپنے پیچھے بیٹھے ہوئے ایک سیانے مقامی نمائندے سے دریافت کیا کہ کیا پروگرام میں کوئی تبدیلی کی گئی ہے؟ تو جواب ملا کہ مہمان خصوصی جو کہ ایک وزیر موصوف ہیں کسی اور جگہ مصروف ہیں اس لیے فی الحال دستیاب نہیں ہو سکتے۔ اور انھوں نے اس وقت نہ آنے کی معذرت کی ہے۔ پروگرام کی اس تبدیلی پر ہمیں بالکل حیرت نہ ہوئی بلکہ ایسے لگا جیسے یہ پروگرام اپنے ہی ہاں ہو رہا ہو۔ امید بندھی کہ اس طرح شاید پروگرام کچھ دیر کھینچے اور اس بہانے ہمیں کچھ اور وقت مل جائے۔ لیکن ہماری یہ امید بر نہ آسکی۔ براہوان کا فروں کا جنھوں نے فوراً ہی یہ اعلان کر دیا کہ افتتاحی تقریب وزیر موصوف کی کچھ اہم مصروفیات کی وجہ سے فی الحال ملتوی کی جارہی ہے اور اب یہ تقریب گیارہ بجے منعقد ہوگی۔ اس لیے ہم اب پروگرام میں معمولی ردوبدل کر کے ٹیکنیکل سیشن (Technical Session) کا آغاز کرتے ہیں۔

بجلی غائب

چائے کے بعد جب 11 بجے سیٹوں پر آکر بیٹھ چکے تو ہماری حیرانی اور دلچسپی کا ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور سامان موجود تھا، یعنی بجلی غائب تھی اور ہال میں اندھیرا تھا۔ ہم نے پھر انہیں صاحب سے رجوع کیا۔ اور پوچھا کہ اے مرد خود آگاہ اب کیا مہم درپیش ہے۔ انہوں نے خبر دی کہ وزیر موصوف کی گاڑی باہر کھڑی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ وہ پہنچ چکے ہیں اور ان کا استقبال ہو چکا ہے۔ مگر اب بجلی غائب ہے۔ سب اس انتظار میں ہیں کہ بجلی آئے تو پروگرام کا آغاز ہو۔ ہم نے اپنے تجربہ کی بنیاد پر تجویز پیش کی کہ جنریٹر سے کام چلایا جائے۔ کہنے لگے کہ کوشش تو یہی ہو رہی ہے۔ انسٹی ٹیوٹ میں متبادل انتظام کے طور پر جنریٹر تو موجود ہے مگر جنریٹر میں ڈیزل ختم ہے۔ دیکھنا اب یہ ہے کہ ڈیزل پہلے آتا ہے یا بجلی۔ خیر ہمیں یہ تو پتا نہ چل سکا کہ ڈیزل پہلے آیا یا بجلی مگر ہال میں روشنی ہو گئی۔ اور آخر کار اس طرح افتتاحی تقریب کا آغاز ہو ہی گیا۔

افتتاح

افتتاحی تقریب کی خاص بات یہ تھی کہ خوبصورت رنگ برنگی ساڑھیوں میں ملبوس دو خواتین نے مہمان خصوصی کو پھول پیش کیے جو نہایت سلیقے سے نفیس اور خوبصورت گلدانوں میں سجائے گئے تھے۔ اس کے بعد مہمان خصوصی کی طرف سے موم بتیاں جلا کر تقریب کا آغاز کیا گیا۔ ہندومت میں کسی بھی مذہبی، معاشرتی، سماجی یا سیاسی تقریب کا آغاز آگ یا موم بتی جلا کر کرنے کا مقصد دراصل اگنی دیوتا کو خوش کرنا ہوتا ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق اگنی دیوتا مقدس آگ کا دیوتا ہے، یہ روشنی اور نور کا دیوتا بھی ہے اور اس کا کام ہندو مت کے دشمنوں کو جلا کر بھسم کر دینا ہے اور یہ آریہ قوم کا دوست دیوتا ہے۔ اس لیے ہر کام شروع کرنے سے پہلے آگ جلا کر اس کی پوجا کرنا نیک شگون خیال کیا جاتا ہے۔ ہندومت کی طرح مشرق بعید کے تمام ادیان مثلاً بدھ مت، جین مت، آریا سماج وغیرہ اور قدیمی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایران سبھی نیک شگون کے لیے آگ جلانے کا سہارا لیتے ہیں اور اس کی پوجا کرتے ہیں۔ دراصل یہ سب مذاہب بنیادی طور پر ایک ہی ہیں اور اگر ان کے بانیوں کے حالات زندگی اور ان کا اس وقت کے مذہبی جبر کے خلاف ردعمل کا ہلکا سا جائزہ لیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ سارے کے سارے مذاہب ہندومت ہی کی ترقی یافتہ یا تحریف شدہ شکلیں ہیں۔

ہمسایہ

شام کی چائے کے وقفے تک کے سارے پروگرام کے دوران اپنی توجہ بٹی رہی۔ مندوبین حضرات کے مقالے سننے کے ساتھ ساتھ اپنے نوٹس بھی دیکھتے رہے۔ اسی طرح جب بھوٹان اور نیپال کے مقالے پیش ہو رہے تھے تو اس غیر معمولی مصروفیت کی بنا پر کوئی سوال وغیرہ نہ پوچھا جا سکا۔ مگر جب پاکستان میں سیڈ انڈسٹری کی ترقی اور سیڈ ریسرچ پر مقالہ پیش ہو رہا تھا تو بہت سے لوگ سوال کرنے کے لیے بے چین نظر آئے۔ ان میں بھوٹان اور نیپال کے نمائندوں نے بھی سوالات کر ڈالے۔ نیپال کے بعد جب بھوٹان کے نمائندے نے سوال کیا تو ہم سے نہ رہا گیا اور نہایت اطمینان سے عرض کیا کہ حاضرین آپ اس بات کے گواہ ہیں کہ جب ان ممالک کے معزز نمائندگان اپنے اپنے مقالے پیش کر رہے تھے تو ہم نے اپنی ہمسائیگی اور دوستی کی خاطر (As a token of friendship) انہیں کسی مشکل میں ڈالنا پسند نہیں کیا تھا اور اب ہمیں بھی ان دوستوں سے ایسی ہی امید تھی کہ یہ حضرات بھی حق ہمسائیگی کا کچھ تو پاس کریں گے۔ مگر بزرگوں اور داناؤں کا کہا سچ ثابت ہوا کہ اچھے دوست اور اچھے ہمسائے قسمت سے ہی ملتے ہیں۔ ہم نے اپنے فقرے کا آخری حصہ ذرا زور دے کر کہا۔ چنانچہ ہمارے اس فقرے پر ہمیں کافی داد ملی اور اس کی بازگشت بعد میں بھی سنائی دی جاتی رہی۔ خاص طور پر سری لنکنز اور نیپالی نمائندوں نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے خوب سراہا۔

نیپال کی نمائندہ شریمتی جی نے آخر میں یہ کہہ کر اپنا مقالہ ختم کیا تھا کہ Thank you very much for listening to my very bad english patiently اسی طرح ہم نے بھی اسی طرز کو ذرا آگے بڑھاتے ہوئے اپنے مقالے کے آخر میں یہ کہہ دیا کہ Thank you very much for giving a patient hearing to my not bad english چنانچہ ہال میں موجود لوگوں نے اس بات کو بھی کافی پسند کیا اور خاصی داد دی۔ اس سے یہ فرق ضرور پڑا کہ سیمی نار کا ماحول جو پہلے غیر ضروری طور پر سنجیدہ اور بے جان سا لگ رہا تھا اس میں کچھ جان سی پڑ گئی ہے۔ اور کچھ تر و تازگی سی محسوس ہونے لگی۔ ہمیں یہ بھی محسوس ہوا کہ ہمارے مقالے کے ابتدائی فقروں سے جن چند چہروں پر کچھ شکنیں آ گئی تھیں وہ بھی کچھ ماند پڑتی ہوئی محسوس ہوئیں اور ان پر بھی بظاہر کچھ رونق سی آ گئی۔

ینگ پاکستان

دراصل ان پیشانیوں پر شکنوں کی وجہ ہمارے مقالہ کے ابتدائی چند تعارفی کلمات تھے۔ ان کلمات میں سے ایک فقرہ موجودہ تناظر میں ایک بہت بڑی جغرافیائی حقیقت کی نشان دہی کر رہا تھا۔ مگر اسے سن کر بعد میں کچھ لوگوں نے اسے کچھ کچھ سیاسی رنگ دینے کی کوشش کی اور اس کا کچھ برا بھی منایا۔ بلکہ ایک مقامی نمائندے کے ذریعے سے یہ بھی کہلوایا گیا کہ ایسی باتیں ایسی جگہوں پر ایسے طریقے سے نہیں کہی جاتیں۔ مگر ہم نے اس پر معذرت کی بجائے خندہ پیشانی سے کہا کہ بھئی بر سبیل تذکرہ ایک بات ہو گئی ہے ہم نے کون سی کوئی قرارداد پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا پس منظر کچھ یوں تھا کہ جب مقالہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شروع کرتے ہوئے ہم اپنا اور اپنی سیڈ انڈسٹری کا تعارف پیش کر رہے تھے تو ہم نے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ ہم اس پاکستان کی نمائندگی کر رہے ہیں جو ابھی بہت ینگ Young ہے کیونکہ اس نے اپنی پہلی گولڈن جوبلی ابھی منائی ہے۔ نیز پاکستان وہ منفرد ملک ہے، ہندوستان جس کا سب سے بڑا اور قریب ترین ہمسایہ ہے۔ اس کے شمال مغرب میں افغانستان، مشرق میں ہندوستان اور شمال مشرق میں کشمیر کا متنازعہ علاقہ ہے۔ گو اس سے ہمارا مقصد کشمیر فتح کرنا تو نہ تھا کیونکہ وہ تو کشمیری مجاہدین نے اپنے ذمے لیا ہوا ہے۔ مگر حقیقت کا اظہار تو کیا جا سکتا ہے۔ مذکورہ جملہ ادا کرنے کے بعد ہم نے اس کی تشریح اس طرح کی کہ اس تعارف کا مقصد آپ حضرات کو پاکستان کا محل وقوع بتانا نہیں ہے وہ تو آپ بخوبی جانتے ہیں بلکہ ہمارا مقصد تو صرف اور صرف ان سرحدوں کو نمایاں (High light) کرنا ہے جو بیجوں کی قانونی اور غیر قانونی نقل وحمل کے نقطۂ نظر سے نہایت اہم ہیں۔ مثلاً پنجاب اور سندھ سے متصل جنوبی بارڈر سے بیج سمیت تمام زرعی عوامل یا مداخل اور چھوٹی بڑی دوسری ہر قسم کی مصنوعات آسانی سے ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر آتی جاتی رہتی ہیں۔ اسی طرح کی کچھ آمدورفت ایران اور افغانستان سے ملحقہ سرحدوں سے بھی جاری رہتی ہے۔

فاصلہ

ایسے محسوس ہوا جیسے کہ پاکستان سیڈ انڈسٹری کے حوالے سے ہماری نمائندگی بے اثر نہیں رہی تھی۔ کیونکہ ہمارے مقالے پر اب تک کے اور بعد کے بھی تمام مقالوں کی نسبت سب سے زیادہ بحث وتمحیص ہوئی۔ ویسے بھی ہم نے اپنا مقالہ پروجیکٹر سلائیڈز کی مدد سے اپنے ایک گھنٹہ کے مقررہ وقت میں ہی ختم کرلیا اور اپنے پیش روؤں کی طرح پڑھنے میں زیادہ وقت نہ لیا۔ اور اس ہدایت پر پورا عمل کرنے کی کوشش کی جو ایک مرتبہ ایک ابلاغی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موضوع پر ایکارڈہ، شام (ICARDA, Syria) میں ہمیں دی گئی تھی۔ ہدایت کچھ یوں تھی کہ مقرر کو چاہیے کہ مقالہ حتی الوسع اوپر سے دیکھ کر نہ پڑھے بلکہ سلائیڈز وغیرہ کی مدد سے پیش کرے۔ اس سلسلہ میں ہمارا اپنا تجربہ بھی یہی ہے کہ پڑھا جانے والا مقالہ ہمارے جمعہ کے خطبوں کی طرح بڑا نیند آور ہوتا ہے اور سامعین وقتاً فوقتاً اونگھتے ہی رہتے ہیں۔ ابلاغی ہدایت کا دوسرا حصہ کچھ یوں تھا کہ سب سے پہلے سامعین کو خوش آمدید کہا جائے، اور سب سے آخر میں ان کا شکریہ ادا کیا جائے کہ صبر وسکون سے سنا اور یہ کوشش کی جائے کہ خوش آمدید اور شکریہ کے درمیان فاصلہ کم سے کم ہو۔ مقالہ پیش کرنے کے بعد ہمیں محسوس ہوا کہ فضا میں کچھ تبدیلی کے آثار ہیں۔ اس سے پہلے چند ایک غیر ملکی نمائندوں کے علاوہ میزبان ملک ہندوستان کے زیادہ تر نمائندوں نے تو ہمیں بالکل ہی نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔ کسی نے بھی خوشدلانہ بات چیت کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ چنانچہ ہم بھی چائے وغیرہ کے وقفوں میں اپنی وضع داری میں رہے اور صرف سری لنکا اور بھوٹان کے نمائندوں سے گپ شپ کرتے رہے۔ تاہم مقالہ پیش (Presentation) ہو چکنے کے بعد کافی بہتری کے آثار پائے گئے۔

ڈاکٹر پی کے اگروال

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں ایک اور ترکیب بھی سوجھی۔ جناب ڈاکٹر پی کے اگروال صاحب (Dr. P. K. Agarwal) ہندوستان کی سیڈ انڈسٹری کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان سے ہمارا غائبانہ تعارف ان کی سیڈ انڈسٹری پر لکھی جانے والی ایک کتاب کی وجہ سے تھا۔ یہ کتاب ہماری لائبریری میں بھی موجود تھی اور ہم یہ پڑھ بھی چکے تھے۔ سیڈ انڈسٹری سے متعلق ان کی لکھی ہوئی اور بھی کافی تحریریں ہماری نظر سے گزر چکی تھیں۔ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہاں سیمی نار میں ہم نے دیکھا کہ وہ بہت ہر دلعزیز ہیں اور ہر کوئی ان کی عزت کرتا ہے۔ ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ انہوں نے جس قدر خلوص اور محنت سے ہندوستان کی سیڈ انڈسٹری کی خدمت کی ہے اس کی بنا پر وہ اس کے حقدار بھی ہیں۔ اگلی صبح چائے کے وقفہ میں اس وقت زبردست خوشگوار حیرت ہوئی جب انہوں نے دوسری میز سے ہمیں ہاتھ کے اشارے سے آداب کہا۔ چنانچہ ہم بھی اپنا کپ اٹھا کر فوراً ان کے پاس چلے گئے انہوں نے کھڑے ہو کر بڑے تپاک سے ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا اور بتایا کہ کل آپ کا مقالہ (Presentation) کافی دلچسپ تھا۔ آپ کی کوشش کافی کامیاب رہی اور ہال میں کچھ جان سی پڑ گئی تھی (You tried to enlive the proceedings) ہم نے اس پر ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہماری اس وقت کی حاضری کا مقصد کچھ اور ہے۔ انہوں نے کچھ تجسس کا اظہار کیا اور کہا کہ فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ عرض کیا کہ ہم تو آپ کے لیے ڈھیروں شکریہ لائے ہیں۔ انہوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے استفسار کیا کہ کس سلسلہ میں؟ بتایا کہ آپ کے سیڈ ٹیکنالوجی (Seed Technology) پر ایک اچھی کتاب لکھنے کی وجہ سے۔ کیونکہ یہ کسی غیر گورے کی لکھی ہوئی ہے پہلی مکمل کتاب ہے۔ اور جو کافی حد تک سارک (SAARC) کے تمام علاقوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئے۔

اس کے بعد کے دنوں میں ہر وقفہ میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ آداب کا تبادلہ کرتے، ہاتھ ملاتے اور اسی دوران کسی نہ کسی موضوع پر تبادلہ خیال بھی ہو جاتا۔ وہ چونکہ انڈین سیڈ انڈسٹری کے بڑے گورو سمجھے جاتے تھے اس طرح ہمیں بھی کسی حد تک گورو کا پاکستانی دوست سمجھا جانے لگا۔ اس کے بعد تقریباً تمام ہی نمائندے ہمارے ساتھ آداب کا تبادلہ اور عام موضوعات پر بات چیت کرنے کے مشتاق پائے گئے۔ اس طرح سیمی نار کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ماحول مجموعی طور پر ہمارے لیے کافی دوستانہ ہوگیا۔

تاج ایکسپریس میں سفر کرتے ہوئے گو ہماری آج کی منزل تاج محل آگرہ تھی مگر ذہن گاڑی کی کھڑکیوں سے باہر گزرتے ہوئے پینوراما کو دیکھ کر بار بار اس کا تقابل پاکستان سے کرنے لگ جاتا یا بیجوں کے حوالے سے سیمی نار کی کارروائیوں میں کھو جاتا۔ لیکن یہ شکر تھا کہ تاج ایکسپریس ہماری طرح کی ذہنی سوچ نہیں رکھتی تھی اس لیے یکسوئی سے اپنی منزل کی طرف پوری رفتار سے رواں دواں تھی۔ اور اس طرح ہم لمحہ بہ لمحہ آگرہ شہر کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں کہ تاج محل ہمارا منتظر تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

متھرا سے آگرہ

تاج ایکسپریس چھوٹے موٹے سٹیشنوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی سرپٹ دوڑتی جا رہی تھی اور ہم کھڑکی سے باہر گزرتے ہوئے سیر بین سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور ساتھ ساتھ ریلوے لائن کے دونوں اطراف خشک سالی کی شاکی فصلوں کا زرعی نقطہ نظر سے جائزہ بھی لیتے جا رہے تھے۔ ایکو سسٹم میں تبدیلیوں کے واضح اشارے اور بارش میں کمی کی پیشگویوں کی وجہ سے دل میں بار بار یہ اندیشہ ابھر رہا تھا کہ شاید حیاتیاتی بقا کے لیے مستقبل کا سب سے بڑا مسئلہ پانی اور صرف پانی ہوگا۔ ذہن میں یہ سوچ بھی آ رہی تھی کہ ہم نے سورہ یوسف سے کوئی سبق نہ سیکھا جس میں یہ واضح اشارہ کیا گیا ہے کہ اچھے دنوں جو چیز وافر ہو اس کا مناسب ذخیرہ کرو تاکہ برے دنوں کام آسکے۔ ان خیالات کے ساتھ ساتھ سیمی نار میں پیش ہونے والے مقالوں کی بازگشت بھی سنائی دے رہی تھی جو دماغ میں ابھی تازہ تھے۔

سارک کے شرکاء

دراصل سارک کے اس سیمی نار میں اس کے تمام سات کے سات ممبر ممالک کے نمائندوں نے شرکت کرنا تھی لیکن بنگلہ دیش اور مالدیپ کے نمائندے شریک نہ ہو سکے۔ دوسرے ممالک پاکستان، سری لنکا، بھوٹان اور نیپال، سے ایک ایک دو دو نمائندوں نے شرکت کی، جبکہ میزبان ملک ہندوستان کے تقریباً تیس پینتیس نمائندے شرکت فرما رہے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان سب ہندوستانی نمائندوں کا ٹارگٹ صرف ہم ہی تھے۔ کیونکہ بھوٹان، نیپال اور سری لنکا وغیرہ تو اتنے بڑے ممالک نہیں اور زرعی رقبہ کے لحاظ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو ان کا شمار عام طور پر چھوٹے ممالک کی فہرست میں ہوتا ہے۔ اسی بنا پر یہ ممالک بیج کی مانگ کے سلسلہ میں کوئی بڑی منڈیاں بھی نہیں بن سکتے۔ مزید براں فی الوقت یہ ممالک اپنی بیج کی زیادہ تر ضروریات ہندوستان سے ہی پوری کر رہے ہیں۔ اس لیے لے دے کر پاکستان اور بنگلہ دیش ہی بچتے ہیں جو زرعی لحاظ سے قابل ذکر رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں اور بیج کی کھپت کے لیے کافی بڑی منڈیاں بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ یہ دونوں ممالک اپنی بیج کی ضروریات پورا کرنے کے لیے اپنے وسائل کو ترقی دے کر اس معاملہ میں نہ صرف خود کفیل ہونا چاہتے ہیں بلکہ دوسرے ممالک کو برآمد بھی کرنا چاہتے ہیں۔

سکھوں کو مبارکباد

کچھ اس لیے کہ کوئی بنگلہ دیشی بھائی شریک محفل نہ تھا اور خاص طور پر پاکستانی ہونے کی وجہ سے مقامی نمائندوں کی توجہ ہم پر مبذول رہی۔ ہر ایک نے ہم سے ملاقات کر کے اپنے اپنے شعبہ کا تعارف کرایا اور اپنی کامیابیوں کے بلند وبانگ دعوے بھی کیے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ ہم تو چاند پر پہنچ چکے ہیں اور تم ابھی تک زمین سے چمٹے پڑے ہو۔ مقامی نمائندوں کا اس طرح اپنے ملک کا تعارف کرانا اور ایک پاکستانی کو مرعوب کرنے کے لیے اپنی کامیابیوں کی اس طرح تشہیر کی کوشش کرنا ہمیں برا نہیں لگا بلکہ ہم نے اس طرح کی ہر کوشش کا خیر مقدم کیا اور ہر شعبے کے متعلق ان کی کارکردگی جاننے کی کوشش کی۔ مگر ہم ان کی بتائی ہوئی کامیابیوں سے کچھ زیادہ مرعوب بھی نہ ہوئے کیونکہ گندم، چاول اور کپاس وغیرہ میں ہماری اقسام ان کے برابر یا بہتر تھیں۔ ہاں مشرقی پنجاب میں گندم کی پیداوار ہمارے ہاں کی نسبت بہتر تھی جس کے لیے ہم نے مشرقی پنجاب کے محنتی اور جفاکش سکھ کسانوں کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خدمت میں مبارکباد پیش کی۔ جس پر ہمیں کچھ ایسا احساس ہوا جیسے ہمارا اس انداز سے سکھوں کو مبارکباد پیش کرنا انہیں کچھ بھایا نہیں۔

ہائبرڈ سیڈ

ان کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ ہم کپاس کا ہائبرڈ بیج (Hybrid seed) بناتے ہیں اور لاکھوں ایکڑ زمین پر ہائبرڈ کپاس ہی اگاتے ہیں۔ ہم نے جواباً کہا کہ یہی چیز اس بات کی مظہر ہے کہ آپ کے ہاں بے کاری، بے روزگاری اور غربت بہت ہے جس کی وجہ سے مزدوری وافر اور بہت سستی ہے۔ اس بنا پر کپاس کا ہائبرڈ بیج بنانا اور فصلوں کی گوڈی، جڑی بوٹیوں کی صفائی اور دیکھ بھال وغیرہ بھی آسان ہے، نتیجۃً آپ پیداوار بھی نسبتاً زیادہ اٹھاتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود پاکستان میں کپاس کی عام اقسام کی فی ایکڑ اوسط پیداوار آپ کے ہاں کے ہائبرڈ سے زیادہ ہے۔ ہندوستان میں قائم شدہ بین الاقوامی کمپنیوں کے نمائندوں نے بھی ہمیں ملاقات کا شرف بخشا اور خاص طور پر مکی اور باجرہ کے ہائبرڈ بیج مہیا کرنے کی پیشکش کی۔ یہ وضاحت کرنے کی بھی ضرورت محسوس کی گئی کہ ہندوستان میں تیار کردہ ہمارے بیج امریکہ سے درآمد کیے جانے والے بیجوں سے بہت بہتر اور سستے ہوں گے۔

کپاس کا دوغلہ یعنی ہائبرڈ بیج بنانے سے متعلق یہ بتاتے چلیں کہ یہ ایک مشکل اور نازک کام ہے اور بہت زیادہ انسانی مزدوری کا متقاضی ہے۔ صرف تربیت یافتہ مزدور ہی اسے صحیح طریقہ سے انجام دے سکتے ہیں۔ کپاس کے ہر مادہ پھول پر دوسرے کسی نامزد نر پھول سے اکٹھا کیا گیا زیرہ ہاتھوں سے ڈالنا پڑتا ہے۔ یہ کام عام طور پر تربیت یافتہ عورتیں اور بچے کرتے ہیں۔ ہائبرڈ کپاس کا بیج زیادہ تر ساؤتھ میں تیار کیا جاتا ہے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کاشت کے لیے اس کا استعمال زیادہ تر مشرقی پنجاب میں ہوتا ہے۔ جس کا سیدھا سادھا مطلب یہ ہے کہ مشرقی پنجاب میں لوگوں کی اقتصادی حالت نسبتاً بہتر ہے جس کی وجہ سے وہاں عورتوں اور بچوں پر مشتمل مزدوری کم دستیاب ہے۔ جبکہ جنوبی ہندوستان کے ان علاقوں میں جہاں عام طور پر کپاس کا ہائبرڈ بیج بنایا جاتا ہے وہاں کبھی کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ کپاس کے کھیتوں میں پھولوں پر زیرہ پاشی کے لیے مزدوری اتنی سستی مل جاتی ہے کہ مزدور کو اپنی مزدوری کے عوض صرف کھانا ہی ملتا ہے۔ اقبال نے کیا سچ کہا ہے کہ

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

مگر پاکستان میں ایسے کام کے لیے زنانہ مزدور بھی پچاس روپے روزانہ سے کم میں نہیں ملتا۔ اس کے باوجود محدود پیمانے پر پاکستان میں بھی کپاس کے ہائبرڈ بیج پر کام ہو رہا ہے۔ سید صدیق اکبر بخاری کی سربراہی میں قائم الیمی سیڈ اینڈ ایگری سروسز، ملتان نے دو ہائبرڈ اقسام تیار کی ہیں جن کا ریشہ لمبا، باریک اور مضبوط ہے۔ عام اقسام سے مہنگا ہونے کے باوجود ان کے ہائبرڈ بیج کی مانگ روز بروز بڑھ رہی ہے۔ ہائبرڈ کپاس کی اقسام کے ریشے کی اچھی خصوصیات کی وجہ سے، ان کی ٹیکسٹائل انڈسٹری میں بھی بہت مانگ ہے۔ پہلے پاکستان اپنی ضروریات پورا کرنے کے لیے لمبے ریشے والی کپاس مصر اور سوڈان وغیرہ سے درآمد کرتا ہے اب یہ امید ہو چلی ہے کہ اعلیٰ ریشے کی ضروریات پورا کرنے کے لیے شاید یہ ہائبرڈ اقسام قبولیت عام حاصل کر لیں۔

ہائبرڈ بیج دراصل عام فصلات کا دوغلہ بیج ہوتا ہے اور یہ ہر فصل کی آپس میں زیادہ جینیاتی مناسبت رکھنے والی دو تین یا اس سے زیادہ اقسام کے صنفی اختلاط سے بنایا جاتا ہے۔ یہ بیج عام سادہ قسم کے بیج کی نسبت چالیس سے پچاس فیصد یا اس سے بھی زیادہ پیداوار دینے کا حامل ہو سکتا ہے، مگر اس کے استعمال میں مضمر سب سے بڑی خرابی یہ ہوتی ہے کہ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صرف ایک مرتبہ ہی کاشت کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر کسی ہائبرڈ فصل کا بیج دوبارہ کاشت کیا جائے تو وہ اگنے سے تو انکار نہیں کرتا مگر پیداوار پندرہ سے پچاس فیصد تک کم دیتا ہے جس کی وجہ سے زمیندار حضرات کو بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

معصوم بیج

ہائبرڈ بیج دراصل بیج کی کمپنیوں کے ہاتھ میں ایسا ہتھیار ہے جس کی بنا پر وہ مجبور کرتی ہیں کہ زمیندار ہر سال نیا بیج خریدیں۔ بین الاقوامی سیڈ کمپنیاں اور تحقیقاتی ادارے اپنے بیجوں کے کاروبار کو وسعت دینے کے لیے ہائبرڈ بیج پر انحصار کرتے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ نے پودوں میں خاص طور پر غذائی اجناس میں ایسی جینیاتی قوتیں ودیعت کر رکھی ہیں کہ اگر انہیں صحیح سمت میں استعمال کیا جائے تو ان اجناس کی زیادہ پیداوار دینے والی روایتی قسم کی ایسی اقسام تیار کی جا سکتی ہیں جن کے بیج بار بار بوئے اور کاٹے جا سکیں اور تیاری پر اخراجات بھی کم ہوں۔ مگر اب آثار ایسے نظر آ رہے ہیں کہ مستقبل میں ہماری ان فصلات کے بیج اتنے معصوم اور کسان دوست نہیں رہیں گے کہ جس کسی نے جہاں چاہا جیسے چاہا کاشت کر دیا۔ ان بیجوں نے کبھی کسان کو مایوس نہیں کیا اور ہمیشہ حق الخدمت سے زیادہ صلہ یعنی پیداوار دینے کی کوشش کی۔ لیکن یہ کمپنیاں اور بیج بنانے والے دوسرے ادارے اپنے تجارتی منادات اور زیادہ سے زیادہ منافع کی خاطر زمینداروں کو بار بار لوٹنے کے لیے اب صرف ہائبرڈ اقسام کے بیج بنانے کے پروگرام پر عمل پیرا ہیں۔ یہ کمپنیاں صرف اس طرح کے بیج بنانے پر ہی انحصار نہیں کر رہیں بلکہ ان بیجوں پر ایسے ماہرانہ حقوق (Patents and Plant Breeder's Rights) بھی حاصل کرنے کی زبردست مہم چلا رہی ہیں کہ ان کی اجازت کے بغیر ان بیجوں کو نہ تو کوئی تیار کر سکے اور نہ ہی کاشت کر سکے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خودکش اور غدار بیج

یہی نہیں اب تو یہ کمپنیاں اس سے بھی سو قدم آگے کا سوچ رہی ہیں۔ عام فصلات کے ایسے ایسے بیج ایجاد کر کے کاشت کے لیے زمینداروں کو دینے کے پروگرام بنائے جا رہے ہیں جو خودکش (Terminator technology) بھی ہو سکتے ہیں اور غدار اور دغا باز بھی (Traitor seeds)۔ خودکش بیج ایسے بدقسمت بیج ہوں گے جو صرف ایک ہی مرتبہ کاشت کیے جا سکیں گے اور اگر انہیں دوبارہ کاشت کی زحمت دی جائے گی تو اُگ نہیں پائیں گے کیونکہ بیجوں میں موجود نسل کش نامیاتی مادے اگنے کی ہر کوشش ناکام بنا دیں گے۔ چنانچہ بیج بے چارے بے جان مردوں کی طرح زمین میں پڑے پڑے گل سڑ جائیں گے۔ گندم، کپاس، مکی، چاول، دالیں، سبزیاں اور ہمارے زندہ رہنے کے لیے ازحد ضروری دوسری اجناس کے بیجوں کے لیے غدار اور دھوکے باز جیسے غیر معصوم سے نام من کو بالکل نہیں بھاتے مگر اس طرح کے نام ایسے چالاک اور مکار بیجوں کے لیے استعمال کیے جا رہے ہیں جو زمینداروں کے کھیتوں میں بوئے جانے کے بعد اپنی بڑھوتری اور پیداوار کے لیے کھادیں، سپرے کی دوائیاں اور دوسری ضروریات ایسی خاص اقسام کی طلب کریں گے جو کہ ان کی اپنی کمپنی کی بنی ہوئی ہوں گی۔ اس سے کمپنی کو یہ فائدہ ہوگا کہ زمینداروں کو خاص قسم کی ادویات اور کھادوں کی خرید پر مجبور کیا جا سکے گا اور ان کا زیادہ سے زیادہ استحصال کیا جا سکے گا۔

ایسے بیجوں کا نقصان صرف چند ایک زمینداروں تک محدود نہیں رہے گا، بلکہ اکیسویں صدی کے یہ ناخلف بیج ایٹم بموں اور نیوٹران بموں سے بھی زیادہ خطرناک سیاسی اور جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال ہو سکیں گے۔ وہ اس طرح کہ ہائبرڈ بیجوں کا کاروبار کرنے والی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملٹی نیشنل کمپنیاں یہ کوشش کریں گی کہ بتدریج زمینداروں کو مکمل طور پر صرف اپنے ہی بیج کے استعمال کا عادی بنایا جائے۔ اور جیسے جیسے زمینداران کے بیجوں کے عادی ہوں گے ویسے ویسے عام بیج بنانے والے کیا سرکاری اور کیا غیر سرکاری سب ادارے اپنی اہمیت کھو بیٹھیں گے اور بالآخر ناکارہ ہو جائینگے۔ انجام کار اس قابل نہیں رہیں گے کہ بوقت ضرورت بڑے پیمانے پر بیج تیار کر سکیں۔ ایسے میں کسی بھی وقت کوئی بھی سیاسی یا غیر سیاسی بہانہ بنا کر کسی بھی ملک کے خلاف اقتصادی، مواصلاتی اور تجارتی پابندیاں (Sanctions) عائد کی جائیں گی اور بیجوں کی ترسیل روک کر مصنوعی طور پر قحط برپا کیا جا سکے گا۔ دیکھیے آپ کی خدمت کے لیے ہمارے پاس کیا کچھ نہیں۔ گردنیں جھکا دو ورنہ بھوکوں مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

بیجوں کا مسئلہ اس طرح کے مکار اور منافق بیجوں کی ترویج پر ہی ختم ہوتا نظر نہیں آتا بلکہ اس سے بہت آگے کی باتیں سوچی جا رہی ہیں۔ ایسے بیجوں کی ایجادات ہو رہی ہیں جن کو کیڑا نہیں لگے گا، جن میں بیماریوں کے خلاف قوت مدافعت بہت ہوگی، سبزیوں اور پھلوں کا مزا نرالا ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ بسکٹوں کی طرح کرکرا، خستہ، کرنچی اور کرسپی بھی ہو، جن کی شیلف لائف لمبی اور غذائی اجزاء بہت زیادہ ہوں گے، جن کا رنگ و روپ بہت دلکش و خوبصورت ہوگا، اور جن کی خوشبو بھی مسحور کن ہوگی۔ مگر اس طرح کے نرالے اور اچھوتے بیجوں کے ساتھ ساتھ ایسے ناخلف اور آفت کے پرکالے بیجوں کی ایجاد پر بھی کام ہو رہا ہے جو صرف غریب اور ترقی پذیر ممالک ہی میں کاشت کے لیے دیے جائیں گے یا ان کی پیداوار ان غریب اقوام میں امداد کے طور پر تقسیم کر دی جائے گی۔ ان بیجوں کی فی ایکڑ پیداوار تو بہت ہوگی مگر خطرہ ہے کہ ان کے مضر اثرات نسل در نسل ظاہر ہوں گے۔ جس کی وجہ یہ ہوگی کہ ان میں ایسے جراثیم شامل کیے جائیں گے جو اس قوم کی آبادی کو کنٹرول کرنے میں مددگار ہو سکیں، یا اس قوم کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو نشانہ بنا سکیں۔ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سارے کا سارا منصوبہ کچھ اتنے غیر محسوس طریقے سے انجام پذیر ہوگا کہ کسی کو کان و کان خبر نہ ہوگی کہ اس کے ساتھ یا اس کے خاندان یا قوم کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے۔ یہ نئے بیج ہوں گے یا نرالی آفتیں؟ مسلمانوں کے لیے سور کے حرام کرنے کی ایک بڑی وجہ شاید اس کی بے حیائی بھی تھی۔ مگر اندازہ کیجئے کہ جب اس قسم کے نمک حرام، دھوکے باز اور غدار بیج انسانوں کی خوراک بنیں گے تو کیا ایسے بیج انسانی اخلاق و عادات پر اثر انداز نہ ہوں گے؟

جی ایم اوز

ایسے خطرناک بیجوں کو جی۔ ایم۔ اوز (Genetically Modified Organisms - GMOs) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ آفت کے پرکالے بیج جنیٹک انجینئرنگ کے ذریعے تیار کیے جا رہے ہیں۔ ایسے بیجوں کی ایجاد پر بھی انہی بین الاقوامی ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اجارہ داری ہے، جو پہلے ہی انسانی، حیوانی اور نباتاتی دوائیاں بنانے والے اداروں کی مالک ہیں۔ ایسے بائیوٹک بیجوں میں جو جینیاتی مادہ یعنی ڈی۔ این۔ اے (DNA) استعمال کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں وہ پودوں، کیڑوں مکوڑوں اور دوسرے جانوروں سے حاصل کیا جا رہا ہے۔ ایسے خطرے کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ کل کلاں جب ان جانوروں کا ڈی این اے اپنے اثرات و عادات اپنے ساتھ لائے گا تو درحقیقت انسانیت کا زوال اور حیوانیت کا اصلی ارتقا شروع ہوگا۔

یاجوج ماجوج

ہمیں تو کبھی کبھی یوں دکھائی دیتا ہے کہ جوں جوں انسان کمپیوٹر میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ڈال رہا ہے ویسے ویسے اس کی اپنی عقل ماری جا رہی ہے۔ ایک دن ایسا آ سکتا ہے کہ ہوتے ہوتے کمپیوٹر انسان سے زیادہ عقلمند ہو جائے اور آزادانہ سوچنے لگے۔ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے میں تمام کمپیوٹر انٹرنیٹ کے ذریعے اکھٹے مل کر سوچیں اور انسان کے جمع کیے ہوئے جینیاتی میٹریل سے اسی کا وضع کردہ طریق کار یعنی جنیٹک انجینیر نگ استعمال کر کے ایک سپر یا مافوق الفطرت مخلوق بنانے میں کامیاب ہو جائیں اور اس نئی مخلوق کا نام رکھیں یاجوج ماجوج۔ اس دنیا کو تباہ کرنے والی آخری مخلوق۔

حیوانی ارتقا

انسانوں، جانوروں اور نباتات میں مختلف ابناء جنس کی بقا کا انحصار جس جینیاتی مادے پر ہے اس کو سائنسدان ڈی۔این۔اے (Deoxyribonucleic acid - DNA) کہتے ہیں۔ انسانی بیماریوں کے علاج سے لے کر مال مویشیوں کی نسلی ترقی اور مختلف فصلات کے بیجوں کو بہتر بنانے تک اسی مادہ کو استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ مادہ اتنا مہین ہوتا ہے کہ طاقت ور سے طاقت ور خوردبین سے بھی نظر نہیں آتا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ اتنا پیچیدہ اور گنجلک بھی ہوتا ہے کہ ایک انسانی جینوم پر 3.2 بلین۔ ڈی۔ این۔ اے کے اجزاء تاج محل جیسی ایک مضبوط عمارت کی سلوں کی طرح آپس میں ایک دوسرے سے کچھ اس طرح پیوست ہوتے ہیں کہ ہمیشہ اپنی ترتیب اور وابستگی کو قائم رکھتے ہیں۔ ان کی ایک نوع سے دوسری نوع میں مصنوعی منتقلی میں ذرا سی بے احتیاطی آنے والی نسلوں میں کئی قسم کے ان دیکھے گل کھلا سکتی ہے۔ مثلاً بندروں سے لیا جانے والا ڈی این اے ہو سکتا ہے اگلی کسی نسل میں انسانی بچوں میں دم اگا دے، یا انسان اور بندر کے درمیان کی کوئی مخلوق وجود میں آجائے۔ اسی طرح باقی جانوروں کے متعلق قیاس کیا جا سکتا ہے۔ جب انسان کو ہوش آئے گا تو وہ اپنے آپ کو انسانی زوال (یعنی حیوانی ارتقا) کی ایسی منزل پر پائے گا کہ جہاں سے واپسی ناممکن ہوگی اور علاج بس سے باہر ہوگا۔ بلکہ یہ نئی انسان نما مخلوق بڑے بڑے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیمی نار اور سمپوزیئم کروائے گی کہ اصلی انسان کی نسل کو جرم پلازم (Germplasm) کی شکل میں کیسے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ یہ بالکل ایسے ہوگا جیسے آج کل امریکہ اپنے ریڈ انڈین (Red Indians) لوگوں کو، آسٹریلیا اپنے ایب اوریجن (Aborigines) باشندوں کو اور پاکستان اپنے کافرستانی کافروں کی نسل کو محفوظ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

تصدیق شدہ بیج۔ تقابل

متھرا کی مٹی کے نرم و نازک کپ کی چائے کی چسکی اور تاج ایکسپریس کی سبک خرامی کے ساتھ ساتھ ہم ریلوے لائن کے دونوں اطراف حد نظر تک پھیلے ہوئے کھیتوں کا جائزہ بھی لیتے جا رہے تھے اور دماغ کے کمپیوٹر میں اس کا موازنہ اپنے ہاں کے کھیتوں کے ساتھ خود بخود ہوتا جا رہا تھا۔ سیمی نار کا حاصل یہ تھا کہ ہمارے ہاں زرعی پیداوار اتنے دھچکوں (Setbacks)، نامناسب پالیسیوں اور صحیح منصوبوں کے فقدان کے باوجود اتنی زیادہ خراب نہیں ہے جتنی کہ یہ لوگ اس سیمی نار میں باور کرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مثلاً 1995-96ء کے دوران اعلیٰ قسم کا تصدیق شدہ بیج مہیا کرنے کے سلسلے میں اعداد وشمار مندرجہ ذیل تھے:

چاول کا تصدیق شدہ بیج پاکستان میں 7.2 فیصد مہیا کیا گیا جبکہ ہندوستان میں یہ 17.5 فیصد تھا۔ گندم کا اعلیٰ اقسام کا تصدیق شدہ بیج پاکستان میں 11.6 فیصد اور ہندوستان میں 8.0 فیصد مہیا کیا گیا۔ مکئی میں یہ حصہ ہندوستان میں 8.3 فیصد تھا اور پاکستان میں 5.8 فیصد، مگر کپاس میں پاکستان نے 47.4 فیصد تصدیق شدہ بیج دیا جبکہ ہندوستان نے صرف 15.3 فیصد۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشرقی پنجاب کی زرعی صورت حال ان کے اپنے اعداد و شمار کے مطابق باقی ملک سے کافی بہتر تھی بلکہ مشرقی پنجاب اپنے زرعی وسائل کو ترقی دینے اور زرعی سہولتوں کی عام فراہمی کی بنا پر ہمارے ہاں سے بھی کافی بہتر ہے۔ مجموعی طور پر ہندوستانی تحقیقاتی ادارے اور زرعی یونیورسٹیاں زرعی تحقیق کے حوالے سے پاکستان سے خاصے آگے ہیں مگر جہاں تک پورے ملک میں ہر شہری کے لیے خوراک کی فراہمی یعنی (Food securtiy) کا تعلق ہے یہ ہندوستان کی نسبت پاکستان میں اللہ کے کرم سے بہت بہتر ہے۔ اس بات کا اعتراف ایک دفعہ ہندوستان سے آنے والے ایک وفد نے اسلام آباد میں بڑے دلچسپ انداز میں کیا:

ہندوستانی سائنسدانوں کا یہ وفد چند سال پہلے زرعی تحقیقات کے سلسلہ میں پاکستان زرعی تحقیقاتی کونسل، اسلام آباد (Pakistan Agricultural Research Council-PARC) کے کسی سیمی نار میں شرکت کے لیے آیا تھا۔ ایک دن اس وفد کے شرکاء میں سے ایک صاحب کہنے لگے کہ ایک بات ہماری سمجھ میں نہیں آرہی کہ زرعی رقبہ ہمارے ملک کا آپ سے بڑا، اور اس کا استعمال بھی ہم خوب کرتے ہیں، زرعی وسائل ہمارے وسیع اور ترقی یافتہ، زرعی یونیورسٹیاں ہمارے ہاں زیادہ اور تعلیمی معیار بھی بین الاقوامی سطح کا، ایم ایس سی اور پی ایچ ڈی (M.Sc اور Ph.D) کی سطح کے سائنسدانوں اور محقق ڈاکٹروں کی پوری فوج ہر قسم کے مسائل پر تحقیق کے لیے ہر دم تیار، زرعی تحقیقاتی ادارے اور تجربہ گاہیں ہیں کہ پورے ملک میں ان کا ایک جال بچھا ہوا ہے، یہ تحقیقاتی ادارے نہ صرف مختلف النوعی (Multi-disciplinary) ہیں بلکہ ہر قسم کے سازوسامان سے لیس اور پوری طرح فعال بھی، مزید براں تحقیقات کا معیار بھی بہت ترقی یافتہ، زرعی تحقیق و توسیع کے لیے بجٹ بھی ہمارا زیادہ، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں ہر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فصل کی ترقی دادہ اقسام ایک سے ایک بڑھ کر اور بہتر بنائی جا رہی ہیں اور کم سے کم وقت میں زمینداروں کے کھیتوں تک پہنچائی جا رہی ہیں۔

ہندوستان میں کسانوں کے لیے بجلی اور زرعی سہولتیں آپ لوگوں سے کہیں زیادہ، زرعی توسیع کا محکمہ ہمارا بڑا اور زیادہ فعال، اور تو اور ہماری عورتیں اور بیویاں کھیتوں میں زیادہ کام کریں اور زرعی پیداوار بھی ہماری زیادہ ہو، لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ کھاتے آپ لوگ ہم سے اچھا ہو، رہن سہن آپ کا ہم سے اچھا ہے۔ شام کے اوقات میں جدھر سے بھی گزرو بازاروں میں بکرے لٹک رہے ہوتے ہیں، تکے اور کباب بن رہے ہیں خاندان کے خاندان صرف منہ کا ذائقہ بدلنے کی خاطر ایک آدھ بکرا چٹ کر جاتے ہیں۔ آخر معاملہ کیا ہے۔ ہم ان کے اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ کیونکہ وہ سچ ہی تو کہہ رہے تھے۔ جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ ہم تو من وسلویٰ کھا رہے ہیں اور یہ صرف قادر مطلق کی مہربانی ہے ورنہ ہماری محنتیں اور کوششیں ایسی نہیں ہیں کہ جن کا ہمیں اتنا میٹھا اور وافر پھل مل سکے اور نہ ہی ہمارے اعمال اتنے اچھے ہیں کہ ان کی برکت سے ہمارے رزق میں فراوانی ہو۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچائے، ہمیں صحیح راستے کی ہدایت دے اور ہمارے رزق میں اور کشادگی عطا فرمائے۔ آمین! احمد ندیم قاسمی نے کیا خوب دعائیہ اشعار کہے ہیں ۔

خدا کرے کہ میری ارض پاک پر اترے
وہ فصل گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

یہاں جو سبزہ اگے وہ ہمیشہ سبز رہے
اور ایسا سبز کہ جس کی کوئی مثال نہ ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حقوق کی جنگ

تاج ایکسپریس سے سفر کرتے ہوئے ریلوے لائن کے دونوں طرف عام قسم کی فصلات دیکھتے ہوئے ہمارے ذہن میں یہ سوچ آ رہی تھی کہ کیا چند سال بعد روایتی قسم کے یہ بیج ختم ہو جائیں گے اور ان کی جگہ نجی سیکٹر کے بنائے ہوئے ایسے بیج آ جائیں گے جو پیٹنٹ یا دانشورانہ ملکیتی حقوق یافتہ ہوں گے؟ اس خیال کا پس منظر کچھ یوں تھا کہ سیمی نار کے آخری دن ایک نشست میں ہمیں زرعی ماہرین کے حقوق (Plant Breeder's Rights) کے موضوع پر بھی اظہار خیال کی دعوت دی گئی تھی۔ اصل میں یہ موضوع ایجنڈے میں شامل تو نہیں تھا مگر اس کی جدت، اہمیت، WTO اور TRIPS کے معاہدے اور بین الاقوامی پریشر کی وجہ سے ہر سائنسدان اس میں دلچسپی کا اظہار کر رہا تھا۔ سیمی نار کے دوران مختلف مجلسوں میں مقامی اور بیرونی نمائندوں کے ساتھ یہ موضوع بھی زیر گفتگو رہا اور مختلف انداز سے اس پر تبادلہ خیال بھی ہوتا رہا۔

ٹرپس

حقوق کا مسئلہ بھی عالمی تجارتی نظام ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO) کے بین الاقوامی شکنجے کی ذیلی پابندیوں کا شاخسانہ ہے جس کو ٹرپس (Trade Related Aspects of Intellectual Property Rights-TRIPs) کا نام دیا گیا ہے۔ دنیا کے تقریباً ہر ملک کے لیے لازمی ہے کہ وہ ٹرپس کو اپنے عوام پر نافذ کرے۔ WTO کے متعلق تو کہا گیا کہ یہ ایک آزادانہ تجارت کا معاہدہ ہے جس کے تحت ہر ملک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنی مصنوعات دوسرے ملک کو برآمد کرسکتا ہے مگر درآمد پر پابندی نہیں لگا سکتا اور کسٹم ڈیوٹی وغیرہ بھی 15 فیصد اور غیر معمولی حالات میں 35 فیصد سے زیادہ نہیں لگا سکتا۔ اصل میں یہ آزاد تجارت کے نام پر چند طاقت ور ممالک کی عالمی منڈیوں پر اجارہ داری (Monoply) قائم کرنے کا معاہدہ ہے کیونکہ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ کسی بھی آزاد نظام میں طاقت ور کو کمزور کی نسبت زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ ممالک اپنی سیاسی، معاشی اور صنعتی قوت استعمال کر کے کمزور ممالک کو کمزور سے کمزور تر کر دیتے ہیں۔ مگر یہ ٹرپس جس پر پاکستان سے بھی دستخط کرائے گئے ہیں WTO کا انتہائی خطرناک بغل بچہ ہے۔ یہ ایک ایسا معاہدہ ہے جو تخلیقی علوم کی قانونی ملکیت سے متعلق قوانین پر مبنی ہے۔ یہ دانشوروں، فنکاروں، تخلیق کاروں، کاریگروں اور سائنسی ماہرین کو ان کے شہ پاروں، ایجادوں یا تیار شدہ اشیاء کا مالک قرار دیتا ہے۔ TRIPS ٹرپس کے تحت کسی بھی ملک کا شہری اگر کسی اور کی تخلیق یا تحقیق یا ایجاد بغیر اجازت استعمال کرتا ہوا پایا گیا اور اس ملک کی حکومت نے متعلقہ ملزم شخص کو سزا نہ دی تو اسکی سزا اس کے ملک کو بھگتنا پڑے گی جس کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ اس ملک کے خلاف بین الاقوامی اقتصادی اور دوسری پابندیاں لگائی جاسکیں گی۔ دیکھا اس قانون کے تحت فرد کو کتنی اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ یاروں کو تو پابندیاں (Sanctions) لگانے کا بہانہ چاہیے۔ اس قانون کو پورے طور پر نافذ ہولینے دیں پھر دیکھیے گا ہمارے ہاتھ۔

ٹرپس TRIPS میں بظاہر تو کوئی قباحت نظر نہیں آرہی۔ اس بات پر سبھی متفق ہیں کہ جس کسی کی بھی محنت ہے اسے اس کا جائز صلہ ملنا چاہیے مگر جب سے طب اور زراعت کو بھی اس کے تحت رکھا گیا ہے اس وقت سے تشویش شروع ہوگئی ہے۔ پیٹنٹس اور کاپی رائیٹ وغیرہ(Patents, Copy Rights and Trademarks)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ ساتھ اب حقوق ماہرین نباتات (Plant Breeder's Rights) بھی قانون کا حصہ بنا دیے گئے ہیں۔ ہمارے یہ ترقی یافتہ ممالک بظاہر معصوم سے ان قوانین کو ایسے ایسے طریقے سے استعمال کر رہے ہیں کہ استحصال اور ناجائز منافع خوری کی نئی نئی راہیں کھولی جا رہی ہیں۔

زمینداروں میں جو اشیاء مثلاً بیج، پھلوں اور پھولوں کے پودے، اچھی نسل کی گائے بھینس یا کوئی دوسری بریڈ وغیرہ سب معاشرہ کی مشترکہ ملکیت تصور کی جاتی تھیں اب وہی چیزیں مختلف کمپنیوں یا اداروں کی ملکیت تصور ہونگی اور زمینداروں کو ان کے استعمال پر کوئی اختیار نہ ہوگا بجز اس کے جس کی اجازت کمپنی دے گی۔

جی ایم اوز

نظام حیات میں جبری جینیاتی تبدیلیوں (Biotechnology/Genetic Engineering) کے ذریعے پودوں اور جانوروں کی ایسی اقسام بنائی جا رہی ہیں جنہیں جی ایم اوز (Genetically Modified Organisms-GMOs or Transgenic Organisms) کہتے ہیں۔ ان اقسام کی ترویج میں چونکہ ایسے جین (Genes) استعمال ہوتے ہیں جو دوسرے پودوں، جانوروں یا کیڑے مکوڑوں سے حاصل کیے گئے ہوتے ہیں۔ اس بات کا شدید خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ انسانی استعمال کے لیے بنائے جانے والے جانوروں اور پودوں کے اثرات بد انتہائی دوررس، نوع بنوع اور تہ بہ تہ ہوں گے۔ مختصراً ہم انہیں چار بڑے گروپوں میں تقسیم کرتے ہیں یعنی ماحولیاتی اور حیاتیاتی عدم توازن، انسانی صحت پر ناقابل علاج برے اثرات، نظریاتی ٹکراؤ اور سوشل اختلافات، اور اجارہ دارانہ معاشی ناہمواری۔ ہمارا عالمی حیاتیاتی نظام ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہایت مربوط نباتاتی اور حیوانی توازن کا مرہون منت ہے مگر جینیک انجنیئر نگ کے بگاڑے ہوئے جی ایم پودے اور جانوراسے بہت بری طرح متاثر کریں گے۔ ان کے اثرات بدانسانی صحت کو ہی نہیں بلکہ اگلی نسلوں تک کو متاثر کریں گے، خنزیر اور کتے وغیرہ کا ڈی این اے استعمال کرنے کی شکل میں مذہبی اور نظریاتی تصادم ہوگا اور یہ معاشی ناہمواری اوراجارہ داری کی راہ بھی ہموار کریں گے۔ ہاں کتے کا ڈی این اے حکام بالا کے سامنے دم ہلانے میں بہت مدد دیگا، ساتھیوں، ماتحتوں اور عوام پر بھونکنے میں آسانی رہے گی اور دوستانہ لڑائیوں میں ریبیز (کتے کا پاگل پن) جراثیمی ہتھیار کا کام دیگا اور مزید فائدہ یہ ہوگا کہ پولیس کو جاسوسی کتے رکھنے کی ضرورت نہیں رہے گی وغیرہ وغیرہ۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس طرح ان اقسام کی مالک کمپنیاں زمینداروں کا زبردست استحصال کرینگی کیونکہ خدشہ ہے کہ ان جدید طریقوں کا استعمال انسانی بھلائی کے لیے کم اور منافع خوری کے لیے زیادہ ہوگا۔ زمیندار مالک کی بجائے ایک بے کس مزارع کی شکل اختیار کر لے گا جو اپنی آزاد مرضی سے اپنی زمین کاشت کر سکے گا اور نہ ہی کاٹی ہوئی فصل کو استعمال یا بیچ سکے گا بلکہ یہ سب کچھ بیجوں کی مالک کمپنیوں کی اجازت سے ہوگا۔

جی ایم خوراک بنانے والی کمپنیاں کہتی ہیں کہ یہ انسانی صحت کے لیے مضر نہیں جبکہ اس کے مخالفین کا کہنا ہے کہ اتنی تھوڑی مدت میں جی ایم خوراک کے اثرات کا پتہ نہیں چل سکتا چونکہ اس خوراک میں کیمیائی اجزا (Chemicals) کے بجائے جینیاتی اجزاء استعمال ہوتے ہیں اس لیے ہوسکتا ہے کہ ان کا ردعمل سالوں بعد یا اگلی نسلوں میں ہی ظاہر ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ گائے کے پاگل پن کی بیماری (Mad Cow Disease) یا ایڈز (AIDS) کی طرح ان کے نقصان دہ اثرات ظاہر ہونے میں کئی سال لگ جائیں۔ گائے کے پاگل پن کی بیماری کے اثرات ظاہر ہونے میں تقریباً 12 سے 15 سال لگتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور ایڈز کے اثرات بھی ظاہر ہونے کے لیے 3 سے 5 سال کا عرصہ درکار ہوگا۔

علمی ڈاکہ زنی

اس جنگ کا دوسرا رخ جو ترقی پذیر اور غریب ممالک سے متعلق ہے وہ انتہائی تاریک اور نامنصفانہ ہے۔ اس کا جو پہلو ہمارے جیسے ممالک کے لیے زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہے وہ ہے ہمارے قدرتی حیاتیاتی ذخیرہ (Genetic Biodiversity) پر شب خون مارنا۔ ہمارے علاقوں سے ہر نوع کے مختلف اقسام کے جنیاتی مادے (Genes) اپنے جینیاتی بنکوں (Germplasm Banks) میں محفوظ کر لیے اور اس کے ساتھ ساتھ ہمارے ہزاروں برس کے علم و تجربہ کے ذخیرے پر علمی ڈاکہ زنی بھی شروع ہے۔ نیم، ہلدی، اسبغول وغیرہ کے کئی طبی نسخے اپنے ملکوں میں اپنے ناموں سے پیٹنٹ کروائے جا رہے ہیں۔ اور تو اور اس قسم کی سب سے بڑی دیدہ دلیری کی مثال ایک امریکن کمپنی (Rice Tec) کی طرف سے ہمارے صدیوں پرانے روایتی ورثے ''باسمتی'' کے خوشبودار اور دلآویز نام پر ناجائز قبضہ کی کوشش بھی تھی۔

ٹریس کے نتیجے میں ظاہر ہونے والے اس قسم کے خطرناک پس منظر میں زرعی ماہرین کے حقوق PBRs کی بات ہو رہی تھی۔ اس سلسلہ میں یہ بات پیش نظر رہے کہ پاکستان اور ہندوستان کا حیاتیاتی ذخیرہ چونکہ ملتا جلتا ہے اور تحقیقاتی نظام بھی تقریباً ایک ہی طرح کا ہے اس لیے مسائل بھی تقریباً یکساں ہیں۔

زمینداروں کے حقوق

اس سیمی نار میں ماہرین اور محققین کی گفتگو کا رخ خصوصی طور پر دو مسائل کی طرف تھا۔ پہلا مسئلہ تو ماہرین کا اپنے حقوق سے متعلق تھا اور دوسرے کا تعلق زمیندار طبقہ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حقوق سے تھا۔ محققین نباتات ان حقوق میں زیادہ دلچسپی اس لیے لے رہے تھے کہ ان قوانین کے نفاذ سے بریڈرز حضرات کو یہ حق ملنا تھا کہ وہ اپنی بنائی ہوئی اقسام پر کچھ رائلٹی لے سکیں۔ پاکستان اور ہندوستان میں زرعی تحقیقات کا زیادہ تر کام سرکاری شعبہ میں قائم شدہ تحقیقاتی اداروں میں ہوتا ہے۔ اس لیے ماہرین اس بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے کہ ان اداروں میں بنائی گئی نئی اقسام سے انہیں بھی کوئی مالی فائدہ پہنچ سکتا ہے یا نہیں۔ جہاں تک زمیندار طبقہ کے موروثی حقوق (Farmer's Traditional Rights) کا تعلق ہے تو اس معاملہ میں سب ماہرین کا اتفاق تھا کہ زمینداروں کے حقوق کا تحفظ ضروری ہے۔ زمینداروں کو یہ حق ملنا چاہیے کہ وہ اپنے کھیتوں میں پیدا کردہ بیج اگلی فصل کے لیے بچا رکھیں۔ خود استعمال کریں، دوستوں کو تحفہ دیں، دوسرے زمینداروں کو بیچیں یا ایک دوسرے کے ساتھ بیج کا تبادلہ کریں۔ لیکن انہیں اس بات کی اجازت نہیں ہونی چاہیے کہ وہ یہ بیج اپنے طور پر تجارتی بنیادوں پر منڈی میں بیچیں۔ بلکہ جس کمپنی سے معاہدہ ہے صرف اسی کمپنی کو ان سے بیج واپس لے کر مارکیٹ میں لانے کا اختیار ہو۔

سرکاری شعبہ کے ماہرین

سرکاری شعبہ میں زرعی محققین کو اپنی بنائی ہوئی اقسام پر مالی منفعت اور رائلٹی کا حق دار بنانا کافی گھمبیر مسئلہ ثابت ہو رہا تھا۔ اس معاملہ میں دو طرح کی رائے پائی جاتی تھی۔ کچھ تو اس حق میں تھے کہ انہیں مالی فائدہ ملنا چاہیے اور کچھ اس کے خلاف۔ ہمارا نقطہ نظر یہ تھا کہ ان کو ان کی بنائی ہوئی اقسام پر مالی فائدہ ملنا چاہیے۔ تاہم مختلف نمائندوں سے اس موضوع پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ ہمارے دلائل چونکہ ماہرین کے حق میں جا رہے تھے اس لیے زیادہ تر مقامی نمائندوں کی یہ خواہش تھی کہ یہ تجویز ان کی وزارت کے پالیسی ساز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

افسران کے علم میں بھی لائی جانی چاہیے۔ چنانچہ ہم نے سیمی نار کے دوران کوئی مناسب موقع ملنے پر بات کرنے کی ہامی بھر لی۔ آخری سیشن جو مباحث و تجاویز مرتب کرنے کے لیے وقف تھا اس میں منسٹری کی بھرپور نمائندگی تھی۔ اس موقعہ پر ہمیں پی بی آر (PBR) پر مختصراً اظہار خیال کے لیے کہا گیا۔

ہم نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ ترقی پذیر ممالک میں عام طور پر زرعی تحقیقات اور ترقی دادہ اقسام کی تیاری سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کی مرہون منت ہے۔ ان ممالک میں نجی شعبہ ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔ جبکہ مغربی ممالک میں تقریباً تمام ترقی دادہ اقسام نجی شعبہ میں تیار ہوتی ہیں۔ اس لیے وہاں ماہرین کے حقوق کی نوعیت اور ہوگی اور ہمارے یہاں اور۔ ہم نے تجویز کیا کہ سرکاری اداروں کو اپنی تیار کردہ اقسام کے بیج کی فروخت پر رائلٹی کا حق ملنا چاہیے تاکہ یہ ادارے خود کفیل ہو سکیں اور تحقیقی منصوبوں کی تکمیل میں بجٹ کی کمی آڑے نہ آنے پائے۔ مزید یہ کہ اس رائلٹی کا کچھ حصہ ماہرین کی خدمت میں پیش کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ بھی اور جوش و جذبہ سے اعلیٰ تحقیقاتی کام کریں۔

ہم سے سوال کیا گیا کہ بریڈرز حضرات تو سرکاری ملازم ہیں اور اداروں سے تنخواہ لیتے ہیں۔ تحقیق کرنا اور نئی ترقی دادہ اقسام دریافت کرنا ان کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ اس کام کی انہیں باقاعدہ تنخواہ دی جاتی ہے۔ ہم نے وضاحت کی کہ بے شک یہ بات درست ہے اور اصولی طور پر ایسا ہونا بھی چاہیے مگر عام طور پر ایسا ہوتا نہیں ہے۔ مراکز تحقیقات ہوں یا دوسرے ادارے، تمام کارکنوں کو خواہ وہ کم کام کریں یا زیادہ معاوضہ یکساں سکیل کے حساب سے ملتا ہے۔ کچھ کارکن بہت اچھے درکر ہوتے ہیں اور کچھ اس کے برعکس۔ اچھے اور اچھوتے کام کا اعتراف کرنا چاہیے۔ ویسے بھی کچھ دوسرے ہم عصر محکموں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں اپنے کارکنوں کو کئی قسم کی مراعات دی جاتی ہیں۔ مثلاً ڈاکٹروں کو پرائیویٹ پریکٹس کی اجازت ہے، بجلی کے پیداواری محکمے یا واپڈا کے کارکنوں اور ان کے رشتہ داروں کے استعمال سے بچ جانے والی بجلی عوام میں تقسیم کر دی جاتی ہے،، ریلوے اور پی آئی اے کے عملہ سے فالتو سیٹیں دوسرے مسافروں کے حصے میں آتی ہیں۔ مگر زرعی شعبہ اس معاملہ میں بالکل کورا ہے۔ اس لیے ہم نے تجویز پیش کی کہ کیوں نہ ایسا انتظام کیا جائے کہ زیادہ اور اچھا کام کرنے والے محققین کو ان کی اعلیٰ کارکردگی اور مفید کام کے لحاظ سے مناسب مالی فائدہ بھی پہنچایا جا سکے تاکہ وہ بھی اس قابل ہو سکیں کہ اس معاشرے میں باعزت طور پر اپنا گزارہ کر سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی تیار کردہ نئی اقسام سے ملک وقوم کروڑوں بلکہ اربوں کا فائدہ اٹھائے۔ پلانٹ بریڈرز کے حقوق سے متعلق یہ گفتگو تقریباً 15 منٹ تک جاری رہی۔ اس کے بعد کچھ ٹیکنیکل قسم کے سوالات بھی اٹھائے گئے۔ صاحب صدر کی طرف سے ہلکی سی تالیوں پر ہمیں اپنی گفتگو ختم کرنا پڑی۔ لیکن اس نشست کے آخر میں منسٹری کے ایک اہم نمائندے نے ہماری گفتگو پر تبصرہ کرتے ہوئے جو کلمات کہے ان سے ہماری کافی حوصلہ افزائی ہوئی۔ ان کا تبصرہ تھا کہ (You gave tongue to our Breeders) آپ نے ہمارے بریڈرز کے منہ میں زبان ڈال دی ہے۔

بے زبان مخلوق

ان الفاظ سے ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے دنیا بھر کے تمام بریڈر حضرات واقعی بے زبان مخلوق ہیں۔ ان کی محنت اور کوششوں سے تیار ہونے والی نئی نئی ترقی دادہ اقسام سے کروڑوں اور اربوں کا فائدہ یا تو ان کا ملک اٹھاتا ہے یا ان کی کمپنی جس کے لیے وہ کام کرتے ہیں۔ پاکستان کی حد تک ان کے حصے میں صرف تعریفی اسناد آتی ہیں اور بہت زور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مارا تو سائنسدانوں کو صدارتی تمغہ حسن کارکردگی سے نوازا جاتا ہے۔ یہ وہی تمغہ حسن کارکردگی ہے جو باری باری ہر گویے یعنی گلوکار بلکہ اس کا ساتھ دینے والے ہر بانسری نواز یا طبلہ نواز کی خدمت میں بھی پیش کیا جاتا ہے، جیسے صرف وہی قوم کے محسن اور بڑے فنکار ہیں۔ ان تمغوں سے اب تک جو فنکار محروم ہیں وہ شاید بے چارے ڈھول بجانے والے ڈھولچی ہیں۔ ہمارے خیال میں انہیں بھی اپنا ڈھول ذرا اور اونچا بجانا چاہیے تاکہ کسی فن شناس اور قدردان کی توجہ ان کی طرف بھی مبذول ہو سکے۔ واہ ری حسن کارکردگی۔ فصلات کی نئی نئی ترقی دادہ اقسام کے اعلیٰ قسم کے بیج کوالٹی میں بہتری اور خوراکی اجزاء میں اچھے اور زرعی پیداوار میں افزائش کے ضامن ہوتے ہیں۔ ایک نئی ترقی دادہ قسم کی تیاری میں 10 سے 15 سال لگتے ہیں، لاکھوں روپے کے اخراجات اٹھتے ہیں اور اس میں بریڈر حضرات اور ان کے ساتھیوں کو خوب محنت کرنا پڑتی ہے۔ اس طرح بریڈرز حضرات اور ان کے ساتھی ماہرین ملک اور قوم کے محسن ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان کی محنتوں اور خدمات کا اعتراف صرف خالی خولی اسناد اور تمغوں سے نہ کریں بلکہ ان کی مالی خدمت میں بھی بخل سے کام نہ لیں۔

جرم ضعیفی کی سزا

پی بی آر (PBRs) حقوق ماہرین ایک طرح کے حقوق ملکیت دانشوری (Intellectual Property Rights) ہیں اور آج کل ان کا بہت چرچا ہے۔ بلکہ ان حقوق کے حصول کے لیے ایک جنگ عظیم برپا ہے۔ اس جنگ میں ایک فریق ترقی یافتہ اور ٹیکنالوجی میں مالا مال امریکہ اور اس کے دوسرے حلیف مغربی ممالک ہیں جن کا مقابلہ غریب ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک سے ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان حقوق میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بے چارے بریڈر حضرات کا اتنا زیادہ مفاد نہیں جتنا کہ بین الاقوامی تحقیقاتی کمپنیوں اور اداروں کا ہے۔ ان بریڈرز کے نام پر بڑی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنے ذاتی مفاد کی خاطر حقوق کی جنگ لڑ رہی ہیں اور یہ حقوق ہیں کہ مانگے نہیں جا رہے بلکہ دوسری اور تیسری دنیا میں سیاسی اور معاشی دھونس سے نافذ کرائے جا رہے ہیں۔ اس دھونس کی پشت پر جو ادارے فعال کردار ادا کر رہے ہیں ان میں سرفہرست Asian Bank, World Bank اور IMF وغیرہ ہیں۔ پاکستان اور اسی طرح کے بہت سے دوسرے ترقی پذیر اور غیر ترقی پذیر ممالک ہیں جو جرم ضعیفی کی سزا بھگت رہے ہیں۔ ان تمام ممالک کو قرضہ جات ہی ان شرائط پر دیے جا رہے ہیں کہ فلاں چیز پر ٹیکس لگا دو، فلاں سہولت عوام کی پہنچ سے باہر کر دو۔ روٹی ابھی تمہارے ہاں سستی ہے اور بجلی کے بل کا جھٹکا ابھی قابل برداشت ہے اور فلاں قانون اپنے غریب عوام پر نافذ کر دو تو قرضہ ملے گا ورنہ ہم ٹھینگا دکھا دیں گے وغیرہ وغیرہ۔

طبقاتی استحصال

حقوق کی اس نفسا نفسی میں ایسا لگتا ہے جیسے ہر طبقہ دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ اس کا استحصال کیا جا رہا ہے مگر حقیقت میں ہر طبقہ دوسروں کے حقوق غصب کر کے خود استحصال کرنا چاہتا ہے۔ عام طور پر حقوق کی یہ خوف ناک جنگ خصوصاً اسی طبقہ کے خلاف لڑی جا رہی ہے جو اس کی بقا کا ضامن ہے۔ مثلاً تحقیقاتی کمپنیاں اور ان کے بریڈرز کی جنگ کسان کے خلاف ہے اگر کسان نہ ہو تو ان کے وجود کی کوئی ضرورت ہی نہ پڑے مگر یہ جنگ بے چارے زمینداروں کے ہی خلاف لڑی جا رہی ہے اور اس انداز سے لڑی جا رہی ہے جیسے یہ ایک دوسرے کے ازلی اور ابدی دشمن ہوں۔ صدیوں سے زمیندار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرات اس طریقہ کار پر عمل پیرا تھے کہ اپنی فصل سے اچھے بیج کا انتخاب کر کے اگلی فصل کے لیے رکھ لیتے اور اس طرح کم خرچ بالانشین والا معاملہ ہوتا۔ مگر اب ان خود غرض کمپنیوں نے بریڈر حضرات کے ساتھ مل کر ایسے ہائبرڈ بیج بنائے ہیں جو زمیندار دوبارہ استعمال نہیں کر سکیں گے اور انہیں ہر سال نیا بیج خریدنا پڑے گا۔ اس سے بھی ان کی تسلی نہیں ہو پا رہی اور وہ اس سے بہت آگے جانے کا سوچ رہے ہیں یعنی اب خودکش بیج بنانے کی کوششیں ہو رہی ہیں اور ان پر تحقیقات جاری ہیں۔

حقوق کی یہ خوفناک جنگ صرف زرعی ماہرین کے دانشورانہ حقوق، یا حقوق مصنفین، آرٹ یا موسیقی کے فن پاروں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس سلسلے میں نہایت عجیب وغریب قسم کی بے شمار انجمنیں اور این جی اوز (NGOs) معرض وجود میں آچکی ہیں جو مختلف طبقات کے سچے جھوٹے حقوق کے حصول کے لیے سرگرداں ہیں۔ جیسے کہ انجمن حقوق نسواں، انجمن حقوق بچگان، حقوق شوہراں، حقوق جنیناں ❶ (Rights of Unborn) حقوق جانوراں، حقوق کساناں وغیرہ وغیرہ۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں پچاس ہزار سے زائد این جی اوز مصروف پیکار ہیں۔ مگر سب سے کم توجہ جن حقوق کو دی جا رہی ہے ان میں سرفہرست حقوق اللہ اور حقوق العباد ہیں۔

دانشورانہ ڈاکہ زنی

دراصل حقوق کی ان جنگوں کے پیچھے کارفرما محرکات کی بنیادیں اخلاقی اقدار نہیں ہیں بلکہ صرف اور صرف مادی مفادات اور ذاتی اغراض ہیں مثلاً حقوق دانشوراں کے لیے ٹیکنالوجی کے مالک ادارے کمزور اور ترقی پذیر ممالک کو کسی بھی طرح تنگ کر سکتے ہیں۔ علم وامن اور انصاف کے یہ علمبردار ایشیائی اور افریقی ممالک میں صدیوں سے استعمال ہونے

❶ رحم مادر میں بچے کو جنین کہتے ہیں، اس سے "جنیناں"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والے خاندانی نسخہ جات (Community Medicines) کو اپنے ناموں سے پیٹینٹ (Patent) کروار ہے ہیں۔اس طرح یہ ادارے ان غریب ممالک، قوموں اور تہذیبوں کے صدیوں پرانے علم وفن پر دانشورانہ ڈاکہ ڈال کر انہیں اپنا دست نگر بنانا چاہتے ہیں۔کسی چیز کو اپنے نام سے پیٹینٹ کرانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایجاد، نسخہ یا چیز اسی کی ملکیت تصور ہوگی جس کے نام پر وہ پیٹینٹ کی گئی ہے۔اس کے علاوہ اگر کوئی دوسرا وہ چیز بنا لے تو جرم تصور ہوگا۔اب تک جو مشرقی نسخہ جات امریکہ اور جرمنی میں پیٹینٹ کرائے گئے ہیں ان میں سرفہرست فی الحال نیم اور ہلدی کے مرکبات وغیرہ شامل ہیں جو کہ پاکستان اور ہندوستان میں خون کی صفائی جلدی بیماریوں، زخموں، کپڑوں کی حفاظت اور کیڑے مکوڑے مارنے کے لیے کئی نسلوں سے استعمال ہوتے چلے آرہے ہیں۔امریکہ اس معاملہ میں سب پر بازی لے گیا۔وہاں ایسی ایسی چیزوں پر پیٹینٹس دیے جارہے ہیں جن کا پاک و ہند سے باہر وجود ہی نہیں تھا مثلاً سبزی پلاؤ بنانے کا طریقہ، سیلا چاول بنانے کا طریقہ اور تو اور چپاتی بنانے کے لیے آٹا گوندھنے کا طریقہ وغیرہ وغیرہ۔

ایک اور امریکی کمپنی نے نیم کے ان مرکبات کو جو ہماری دیسی اور یونانی طب کے بے شمار نسخوں کا اہم جزو ہیں کو اپنے نام سے پیٹینٹ (Patent) کرالیا ہے اسی طرح ہلدی اور کئی دوسری دیسی دوائیاں مختلف بین الاقوامی کمپنیاں اپنے اپنے ناموں سے پیٹینٹ (Patent) کروارہی ہیں۔ان کی اس بے اصولی اور علمی ڈاکہ زنی کے خلاف کوئی زور دار آواز نہیں اٹھ رہی۔اور اگر کہیں سے کوئی کوشش ہے بھی تو بالکل کمزور اور نحیف ونزار سی۔ جبکہ یہ مسئلہ بین الاقوامی سطح پر ٹھوس دلائل کے ساتھ اٹھائے جانے کے قابل ہے۔ان بڑی بڑی دیدہ دلیر اور حریص کمپنیوں کا طریقہ کار یہ بھی ہے کہ کسی بھی مشرقی علم وفن یا خاندانی نسخہ کو اپنے نام سے کسی بھی مغربی ملک میں پیٹینٹ کرا کر دوائی مارکیٹ کرنا شروع کر دیتی ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر کسی طرح پتہ چل جائے تو کہا جاتا ہے کہ عدالت سے رجوع کرو۔ اور وہاں جا کر یہ ثابت کرو کہ یہ نسخہ آپ کا اصلی نسلی اور خاندانی ہے اب کون بیچارا جائے مغربی ممالک کی عدالتوں میں اور اونچی اونچی فیسیں بھرے اور مہنگے مہنگے وکیلوں کا بندوبست کرے۔ یہ کام غریب اقوام کے بس کی بات نہیں۔ کتنی ہی ایسی دانشورانہ دولت ہے جو سرعام لوٹی جا رہی ہے۔ یہ لوٹ مار کرنے والے کون لوگ ہیں؟ سب سے زیادہ پڑھے لکھے اور جدید تہذیب یافتہ گورے اور اصولوں کے نام نہاد ٹھیکیدار۔

حقوق اطفال

اسی طرح کا معاملہ حقوق اطفال (Childrens' Rights) کا ہے اس سلسلہ میں جن حقوق کو سب سے زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے وہ بچوں کے اپنے والدین کے ساتھ تعلقات ہیں یعنی ان حقوق کی وجہ سے اب ماں باپ اپنے بچے کی تربیت کے لیے اسے ڈانٹ نہیں سکتے۔ فہمائش نہیں کر سکتے اور انہیں دبکا نہیں لگا سکتے۔ بچوں کو مختلف اداروں اور انجمنوں کی طرف سے مسلسل یہ پیغام دیا جاتا ہے اور باور کرایا جاتا ہے بلکہ اکسایا جاتا ہے کہ اگر کبھی بھول کر بھی آپ کے والدین اپنے آپ کو روایتی ماں باپ سمجھتے ہوئے ڈانٹ دیں تو تو فوراً مخصوص فون مثلاً ریسکیو 15 سے رجوع کریں۔ اور پھر دیکھیں کس طرح چند منٹوں میں آپ کے ماں باپ جیل کے اندر ہوں گے یا آپ کے پاؤں پڑے معافی مانگ رہے ہوں گے۔ اس سلسلہ میں سب سے دلچسپ واقعہ تو امریکی صدر رونلڈ ریگن کا بتایا جاتا ہے۔ ان کی لاڈلی بیٹی نے جب ایک عدد فحش ناول لکھا تو کسی اخبار نویس نے ریگن صاحب سے سوال کیا کہ آپ کی کوئی تمنا ایسی ہے جو پوری نہ ہوئی ہو؟ صدر ریگن نے جواب دیا کہ ہاں ایک تمنا ایسی ہے۔ پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ دل یہ چاہتا تھا کہ میں اپنی بیٹی کی پرورش

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصل ماں باپ کی طرح کرسکتا اگر وہ کوئی غلطی کرتی تو اسے سمجھاتا اگر وہ نہ مانتی تو اسے ڈانٹ سکتا اور ضرورت پڑنے پر ایک آدھ چپت بھی رسید کرسکتا مگر افسوس کہ میں ایسا نہ کرسکا۔ اس کے جواب میں ان کی فرمانبردار صاحبزادی نے یہ فرمایا کہ اگر پاپا کا یہ ارادہ ہے تو میرے ہاتھ بھی کوڑھے نہیں ہیں اور میرے ہاتھ کی مٹھی میں تھوڑی خارش بھی ہو رہی ہے۔ پاپا کو پتہ ہونا چاہیے کہ ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ ردعمل شدید تر ہو۔ لگتا ہے کہ شاید ریگن صاحب اس صدمے کو بھلانے کی کوشش میں ناکامی پر دماغی مریض بن گئے اور چل بسے۔

حقوق نسواں

حقوق نسواں کا سادہ الفاظ میں مطلب ہے عورتوں کا مردوں کے خلاف اعلان جنگ، ایک ایسی جنگ جس میں ہار یا جیت دونوں صورتوں میں استحصال بے چاری عورت کا ہوگا۔ لیکن ان مغرب زدہ اور گھربار سے فارغ خواتین کو اتنا شعور ہی نہیں کہ وہ حقوق کی جنگ مردوں کے خلاف نہیں بلکہ دوسروں کا آلہ کار بن کر خود اپنے ہی خلاف لڑ رہی ہیں۔ اس نسوانی جنگ آزادی میں مردوں نے کہیں تو اسے صابن کی ٹکیہ پر بٹھا دیا ہے، کہیں اس کے سر پر جوتا رکھ دیا ہے، کہیں اسے شیمپو کی بوتل میں بند کر دیا ہے، کہیں وہ لاٹری کے ٹکٹ بیچ رہی ہوتی ہے، کبھی سگریٹ کے اشتہار میں گھوڑے کے ساتھ جلوہ افروز ہے، مزے کی بات یہ ہے کہ یہی پتہ نہیں چلتا کہ سگریٹ کس کے لیے ہے۔ گھوڑے کے لیے یا خاتون کے لیے۔ کہیں وہ لال بیگ سے ڈر کر بھاگ رہی ہے اور کہیں ہاتھی پر سواری کر رہی ہے، کہیں ندیدی بن کر بسکٹوں پر مرمٹ رہی ہے، کہیں ایک ٹھنڈی بوتل کی خاطر نام و ناموس اور عزت کی دیواریں پھاند رہی ہے، غرضیکہ سیاسی، سماجی معاشی، معاشرتی یا تجارتی کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایسا شعبہ باقی نہیں بچا جس میں بیچاری کا استحصال نہ کیا جا رہا ہو اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اس بھولی بھالی مخلوق کو یہ بھی پتہ نہیں کہ ماڈلنگ کے نام پر اسے کتنا بیوقوف بنایا جا رہا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرہ میں عورت کی چار بڑی حیثیتیں مانی گئی ہیں یعنی وہ ماں ہے، بیوی ہے، بہن ہے اور بیٹی ہے مگر حقوق کی جنگ میں اس نے سب سے زیادہ نام نہاد کامیابیاں اور کامرانیاں جس حیثیت سے حاصل کی ہیں وہ صرف بیوی کی حیثیت سے ہیں اور وہ بھی زیادہ تر مغربی ممالک میں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان ممالک میں یار لوگوں نے شادی کرنا ہی چھوڑ دی کیونکہ شادی کے بعد بیوی کو بے پناہ حقوق دینے پڑتے ہیں۔ اب بے چاری خواتین ہر وہ کام کر گزرتی ہیں جو ایک بیوی کو کرنے پڑتے ہیں اور وہ کوشش کرتی ہیں کہ بیوی سے بھی زیادہ وفا شعار بنیں مگر ستم یہ ہے کہ ان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ بے یقینی کی اس کیفیت میں وہ سالوں معلق رہتی ہیں اور مرد ہیں کہ بھنورے بنے رہتے ہیں اور جب جی بھر گیا چھوڑ دیا اور آگے چل دیے۔ ظالم ہر کوئی اپنے آپ کو بل کلنٹن ہی سمجھتا ہے۔ امریکہ اور دوسرے ممالک میں خاندانی اور معاشرتی سروے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ امریکہ میں طلاق کی شرح 49 فیصد ہے جبکہ یہ شرح روس میں 65 فیصد، برطانیہ میں 53 فیصد، جرمنی اور ہالینڈ میں 41 فیصد، ڈنمارک میں 35 فیصد، کیوبا میں 75 فیصد، کینیڈا میں 45 فیصد، فرانس اور ناروے میں 43 فیصد، بلجیم میں 56 فیصد، چیکوسلوویکیہ میں 61 فیصد، جاپان میں 33 فیصد اور ترکی میں 6 فیصد ہے۔ اسی طرح کے ایک اور سروے کے مطابق آزاد تعلقات زن وشو کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچوں کی تعداد امریکی کالوں میں 70 فیصد اور گوروں میں 19 فیصد ہے اور 40 فیصد بچے ایسے ہیں جن کے باپ انہیں چھوڑ کر جا چکے ہیں اور وہ صرف ماؤں کے سہارے زندہ ہیں۔ کالوں میں ناجائز بچوں کی زیادہ شرح کی وجوہات ان کے کالے رنگ کے علاوہ کم تر معیار تعلیم،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کاری، سفید عصبیت، عدم تحفظ اور اونچی شرح پیدائش بتائی جاتی ہیں۔ شادی کے بغیر رہنے (Cohibition) کا رواج زوروں پر ہے اور اسی تناسب سے شادیوں کی تعداد میں کمی ہو رہی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق مختلف مغربی ممالک میں 40 سے 50 فیصد بچے بغیر شادی جوڑوں کی کارستانی ہیں۔

کیا عورت انسان ہے

حقوق نسواں کی بات ہو یا حقوق دانشوراں۔ اصل مسئلہ حقوق کے حصول کا نہیں بلکہ حقوق کے تعین اور اس کے بعد حصول کے طریقہ کار کا ہے۔ حقوق ایسے نہ حاصل کیے جائیں کہ ان سے دوسروں کے حقوق سلب ہو کر رہ جائیں اور عدم توازن کا سبب بنیں یا کسی ایک طبقہ کو حقوق دیتے وقت فطری مراتب اور تناسب کا خیال نہ رکھا جائے اور اس طرح پوری کی پوری معاشرتی اکائی کا نظام ہی تلپٹ ہو کر رہ جائے۔ جیسا کہ حقوق نسواں کے بارے میں نام نہاد لبرل دنیا ایک انتہا سے دوسری انتہا کو چھو رہی ہے۔ ابھی چند دہائیاں پہلے تک ان اقوام میں یہ عقیدہ ایمان کا درجہ رکھتا تھا کہ عورت نے حضرت آدمؑ کو جنت سے نکلوایا۔ عورتوں کے متعلق اس وقت کے بڑے بڑے علما اور سائنسدان مذاکرے اور سمپوزیم منعقد کرتے تھے کہ آیا یہ انسان بھی ہے کہ نہیں اور اگر یہ انسان ہے تو کیا اس میں روح بھی ہے یا نہیں۔ اپنی بیویوں اور مملوکہ عورتوں کو سزا دینے حتیٰ کہ قتل تک کر دینے کی اجازت تھی۔ عربوں میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا عام بات تھی۔ ایسے ماحول میں اسلام نے آ کر عورتوں کو اتنے حقوق دیے کہ آج کے دور میں بھی اس کی نظیر ملنا محال ہے۔ بلکہ جنت گم گشتہ کو ماں کے قدموں تلے رکھ دیا۔ اور اس میں پیغمبر اور عام مسلمان میں کوئی تمیز روا نہیں رکھی۔ عورت کی عظمت کی اتنی بڑی مثال کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ اندازہ کیجیے کہاں اتنی پستی اور کہاں اتنی بلندی۔ مگر حیف ہے اس ڈھٹائی پر کہ اسلام میں عورت کے لیے اس بلندی کو اب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پستی بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔

جن حقوق کے لیے آج کل مغرب زدہ طبقہ دن رات کوشاں ہے اس کا سب سے پہلا ہدف خاندانی نظام ہے۔ ان کے ہاں تو اب خاندان کا نظام ختم ہو چکا ہے اب وہ مختلف حیلے بہانوں سے ہمارے نظام کے درپے ہے۔ خاندان کا نظام ختم ہونے سے انسانیت خود ختم ہو جائے گی اور انسان نما مخلوق میں جو کچھ باقی بچے گا وہ صرف سوشل حیوان ہوگا جو خود آپ اپنا دشمن ہوگا۔ بہرحال انسانیت کی خودکشی کے لیے بہت ساری آپشنز موجود ہیں۔ امید واثق ہے کہ موجودہ نام نہاد ترقی یافتہ تہذیب ساری کی ساری تراکیب (Options) آزمائے گی اور آخرکار کسی نہ کسی طرح اپنا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو ہی جائے گی۔ الامان والحفیظ۔ علامہ اقبالؒ نے خوب فرمایا کہ:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہوگا

سفر کے دوران اس طرح کی ذہنی پنچایت سے ہم اس وقت باہر آئے جب ہمارے کمپارٹمنٹ کے کچھ مسافروں نے اپنا اپنا سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔ ہم نے بھی ایک صاحب سے کنفرم کیا تو اس نے بتایا کہ آگرہ کا سٹیشن آ رہا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں گاڑی آہستہ ہوتے ہوتے رک گئی۔ ہم بھی اپنی سیٹ سے اٹھے، اپنا سفری بیگ اٹھایا اور گاڑی سے اتر آئے۔ گیٹ پر ٹکٹ چیک کرانے کے بعد سٹیشن سے باہر آ گئے۔ یہ آگرہ کا ریلوے اسٹیشن تھا۔ وہی آگرہ جہاں تاج محل واقع ہے اور ساتھ ہی قلعہ اور موتی مسجد بھی ہے جن کی خوبصورتی اور ناموری ہمیں یہاں کھینچ لائی تھی۔ آگرہ کے اسٹیشن سے باہر آ کر ہم نے کھلی فضا میں سانس لیا اور اپنے آپ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ آگرہ ایک تاریخی شہر ہے بلکہ یہ وہ شہر ہے جو مسلم دور میں ایک لمبے عرصہ تک پورے ہندوستان کا پایہ تخت رہا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آگرہ

آگرہ ماضی میں آج کی طرح کا ایک عام شہر نہ تھا، بلکہ بہت عرصہ تک یہ پورے ہندوستان کا شہر اول رہا ہے۔ مختلف مغل بادشاہوں کے دور میں زیادہ تر آگرہ ہی صدر مقام رہا، اور یہیں سے سارے ہندوستان پر حکومت کی جاتی رہی۔ دہلی کو پایہ تخت بنانے کا سہرا تو قطب الدین ایبک کے سر بندھتا ہے جو کہ خاندان غلاماں کے پہلے فرمانروا تھے۔ آگرہ بھی دہلی کی طرح دریائے جمنا ہی کی گود میں واقع ہے۔ یہاں مغلوں کی بہت سی عالی شان اور تاریخی عمارات واقع ہیں جن میں تاج محل سرفہرست ہے، بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ تاج محل ہندوستان کیا پوری دنیا کے تاریخی عمارتی ورثے کا تاج ہے۔ دوسری قابل دید عمارت شاہ جہاں ہی کی تعمیر کردہ موتی مسجد ہے اور تیسری سب سے بڑی عمارت قلعہ آگرہ ہے جو کہ مغلوں کے دور میں زیادہ تر اقتدار کا اصل مرکز و منبع تھا۔ قلعہ آگرہ تقریباً تمام ہی مغل بادشاہوں کی مشترکہ تعمیری کاوشوں کا آئینہ دار ہے مگر اس کا زیادہ حصہ شہنشاہ اکبر نے بنوایا تھا۔

راوی

آگرہ کے ریلوے سٹیشن سے باہر کھلی فضا میں آ کر ہم نے اپنے تنفس کے غباروں میں پوری قوت سے ہوا بھری اور اس طرح یہ محسوس کرنے کی کوشش کی کہ کیا یہ وہی آگرہ ہے جو کبھی مسلم دور میں ہندوستان کا پایہ تخت تھا اور جس کی دھاک ایک زمانہ پر تھی۔ مگر سیاسی، ثقافتی اور سماجی پالوشن کی وجہ سے فضا کچھ اتنی آلودہ ہو چکی تھی کہ ہم کچھ بھی محسوس نہ کر سکے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوائے ہلکی کھانسی کے جو کہ گہرے سانس کا نتیجہ تھی۔ تاہم یہ خیال آیا کہ کیوں نہ دریائے جمنا سے بیتے دور کی داستان پوچھی جائے کہ کیسا تھا آگرہ اور کیسے تھے اس کے باسی؟ یہ خوبصورت محل اور مضبوط قلعے تو سب موجود ہیں مگر وہ کہاں گئے جنہوں نے یہ سب کچھ بنایا تھا۔ پھر اچانک ہم یہ سوچ کر رک گئے کہ اگر کسی نے پلٹ کر دریائے راوی سے یہ سوال پوچھ لیا کہ تو ہی بتا کہ مغلوں کے شالا ماری دور، اور سکھوں کے رنجیت سنگھی دور میں تجھ پر کیا بیتی تو شاید جواب یہ ہو کہ یہ سوال تو آپ کو اس اصلی راوی سے کرنا چاہیے جو کبھی لاہور کی جان تھی کیونکہ اب جو راوی ہے وہ تو صرف ایک فیلڈ مارشل کے آمرانہ اور جابرانہ دور کا نوحہ کر رہی ہے اور ایک دھندلاتی تصویر کی طرح موجود ہے جسے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کیسے دن تھے۔

دور ''عیوبی'' نے ایک راوی کیا پورے پاکستان کو ہی اپنے طے شدہ راستے سے ہٹا دیا اور جمہوریت کی سیدھی لائن پر پاؤں پاؤں چلتی گاڑی کا ایسا کانٹا بدلا کہ اب تک ہنوز روز اول کی سی بات ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ آمریت کی اس نامراد کوکھ سے ایسی خود غرض اور مکر مکا کی شوقین لیڈر شپ نے جنم لیا جس نے پاکستان ہی کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ پاکستان کو دو لخت کرنے کا جتنا سہرا شرابی اور بدکردار یحییٰ خان، اقتدار کے حریص ذوالفقار علی بھٹو اور موقع پرست اور سازشی شیخ مجیب الرحمٰن کے سر بندھتا ہے، اس سے زیادہ کے حق دار تو فیلڈ مارشل ایوب خان تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ فیلڈ مارشل ہی تھے جنہوں نے 1958ء میں جس پاکستان کو فتح کیا تھا وہ اس پاکستان سے کہیں زیادہ طاقت ور، مضبوط اور خوشحال تھا جو ان سے دس سال بعد بڑی مشکلوں سے واپس لیا گیا۔ اب اس پاکستان میں بقول خود ایوب خان گندی سیاست کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ ایوب خان کی اس گواہی کو ہم سو فیصد سچ سمجھتے ہیں کیونکہ وہ اس کے وعدہ معاف گواہ ہی نہیں موجد و معمار بھی تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مظلوم

یہ سیاسی گند بھی کچھ ایسا بے نظیر اور نرالا گند تھا کہ بعد میں اس کو صاف کرنے کی بجائے اس میں اضافہ ہی کیا جاتا رہا۔ اس دوران ملک میں نمبر دو جمہوریت نافذ رہی اور بہت سے بے قصور اشخاص کو آمر سیاستدانوں کے بھیانک ظلم وستم کا نشانہ بننا پڑا۔ ان میں سب سے زیادہ مظلوم تو وہ ناچنے والی، جاہل مطلق اور بے وقوف فلم ڈانسر تھی جس کا اچھا بھلا خوبصورت سازنانہ سرکاٹ کر اس پر مفکر اسلام، مفسر قران، رجل بے بدل۔ داعیٔ اسلام، سیرت سرور عالم علیہ صلی اللہ سمیت سو سے زائد اعلیٰ علمی کتب کے مصنف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا سرفٹ کیا گیا۔ بھلا اس بے چاری کا کیا قصور تھا جو اس کو اتنا عظیم الشان اور اتنا بڑا سر اٹھانے کی سزا دی گئی۔ اس بے مثال ناانصافی کی گواہی اس وقت شائع ہونے والے رسالے ''شہاب'' کے صفحات دیں گے۔ اور پھر اس دور میں ان لوگوں پر بھی ظلم عظیم ہوا جنہیں ڈاکٹر نذیر جیسے فولادی عزم کے مالک، عوامی فلاح و بہبود کے لیے ہمہ وقت مستعد کارکن اور غریبوں کے دکھ درد میں شرکت کے عادی مجرم کو شہید کرنے کا معرکہ سر انجام دینا پڑا۔ بقول جگر مراد آبادی ؎

منصور تو سر دے کے سبک ہو گیا لیکن جلاد سے پوچھے کوئی جلاد کا عالم

اور ان بے چارے، عقل سے کورے بدمعاشوں کا کیا قصور تھا کہ جن کے گناہوں کے انبوہ کثیر میں ایک اور شرمناک گناہ عظیم کا اضافہ کرنے کے لیے انہیں میاں طفیل محمد جیسے پاک باز اور بے باک راہنما پر جیل میں جبر کرنے پر مجبور کیا گیا۔ چوہدری ظہور الٰہی اور خواجہ رفیق بھی ایسی ہی ناروا کوششوں کی بھینٹ چڑھے۔ تفصیلات میں جائیں تو مظلوم بے شمار اور ظلم بھی ایک سے ایک نرالا۔ مگر اس کے بعد وہ مضبوط کرسی جو سرکنا شروع ہوئی تو سرکتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہی چلی گئی اور افسوس کہ ان طالع آزما، سیاسی رشوت ستانی کے ماہر عوامی لٹیروں نے پاکستان کی سیاست سے شرافت اس طرح غائب کر دی جس طرح ایوب خان نے راوی سے اس میں بہتا ہوا موج در موج پانی۔

راوی کی روانی تو اب ایک قصۂ پارینہ ہے۔ یہ تو اب صرف ایک بے آب سی خشک گزرگاہ ہے اور خشک گزرگاہ کی بے نم ریت کیا بتائے گی کہ شالاماری دور میں راوی کیسی تھی۔ بلکہ یہ مسئلہ تو اب لاہور سے پوچھنا چاہیے کہ اے لاہور تو ہی بتلا کہ بیتے دنوں تیری لاڈلی راوی کیسی تھی؟

اقبالؒ اور راوی

پیشتر اس کے کہ لاہور یا جمنا کوئی ایسا جواب دیں جو ہماری طبع نازک پر گراں گزرے ہم نے آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر ہمارے تخیل کی پرواز تھی یا ذہنی انٹرنیٹ کا کمال کہ فوراً ہی لاہور کی آواز سنائی دی کہ میری راوی کا ذکر چھیڑ کر جا کہاں رہے ہو؟ اب میری بات سن کر ہی جایو۔ اور ہمارا تجربہ یہ ہے کہ جب کوئی زبردستی اپنی بات سنانے پر اتر ہی آئے تو پھر فرار ناممکن، چنانچہ ہم ہمہ تن گوش ہو گئے۔ لاہور کی آواز آئی میں نے راوی کے کنارے آنکھ کھولی، راوی سے ہی کھیلتے اور اٹکھیلیاں کرتے کرتے پلا بڑھا اور جوان ہوا۔ میرے باسی راوی کنارے آتے، اس کی خنک اور پرسکون فضا میں کچھ وقت گزارتے اور پھر تازہ دم ہو کر واپس لوٹ جاتے۔ راوی اور میں ایسے تھے جیسے یک جان دو قالب، جیسے چاند اور چکور، پھول اور خوشبو بلکہ بلبل اور پھول۔ راوی کا پانی خراماں خراماں سارا سال بہتا اور لاہوریوں کے لیے رنگا رنگ دلچسپیوں کا سامان پیدا کرتا۔ کوئی اس میں نہاتا تو کوئی تیراکی کے کرتب دکھاتا، کشتیاں چلتیں اور بارہ دری آباد ہو جاتی، ٹیموں پہ ٹیمیں آتیں خوب مقابلے ہوتے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بچے تو بچے بڑے بھی جوق در جوق ادھر آتے، کوئی مچھلیاں پکڑنے کی کوشش کرتا تو کوئی پرندوں کا شکار کرتا، اور کوئی اس کے پانی کی روانی ہی سے لطف اندوز ہوتا۔ غرضیکہ راوی کسی کو بھی مایوس نہ کرتی اور ہر ایک کی دلچسپی کا کوئی نہ کوئی سامان موجود ہوتا۔ اور تو اور مفکر پاکستان علامہ اقبال جیسا فلسفی شاعر بھی کنار راوی موجوں کے تلاطم میں ایسا کھو جاتا کہ اپنی بھی خبر نہ ہوتی۔

سکوت شام میں محو سرود ہے راوی — نہ پوچھ مجھ سے جو ہے کیفیت مرے دل کی
سر کنارۂ آب رواں کھڑا ہوں میں — خبر نہیں مجھے لیکن کہاں کھڑا ہوں میں

اس کے ساتھ ہی انداز کچھ مزید جذباتی ہو گیا، اور کہا کہ تم نے علامہ کی روح کو تڑپا دیا اور راوی کو بیچ دیا، تم نے میری ماں کو بیچ دیا اور بیچا بھی کس کے ہاتھ، اپنے ازلی اور ابدی دشمن کے ہاتھ۔ میں تو اب راوی کے پانی کی روانی اور اس کی الھڑ لہروں کی سبک خرامی دیکھنے کو ترس گیا ہوں، اور شاید راوی بھی اب مجھ سے روٹھ گئی ہے۔ کیونکہ اب میری قسمت میں اس کی سدا بہار محبت اور پیار کی جگہ اس کا صرف غصہ ہی غصہ اور قہر ہی قہر رہ گیا ہے۔ برسات میں اب جو وہ کبھی جوبن میں آ کر بپھرتی ہے اور اس کی تند و تیز سیلابی موجیں بے قابو ہو کر قہرناکی میں بندوں، پشتوں اور کناروں سے اندھا دھند ٹکراتی ہیں تو دشمن ڈرتے ہوئے بے خبری میں اس کے دھانے کھول دیتا ہے۔ اس طرح اب تو صرف اس کا غیظ و غضب ہی میرے حصے میں آتا ہے، ورنہ سارا سال خشک ریت ہی ریت تکنے کو ملتی ہے۔ مگر آفرین ہے میرے بیٹوں پر کہ انہوں نے راوی کو بھلایا نہیں، وہ بے وفا نہیں اور نہ ہی احسان فراموش ہیں۔ وہ اس کی خشک اور چمکیلی ریت سے بھی پیار کرتے ہیں اور سر شام پھر بھی راوی کنارے نکل آتے ہیں۔ کچھ تو اس کی تہوں کو کریدتے ہیں اور اس کی خشک ریت چھانتے ہیں کہ شاید ادھر سونا ہے اور کچھ اپنی پرانی یادیں تازہ کرتے ہوئے سیر کرتے ہیں اور بارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دری کو رونق بخشتے ہیں۔ واہ ری راوی تیرے کیا کہنے۔

محرومیوں، مجبوریوں، بین الاقوامی سازشوں، اپنوں کی حماقتوں، قومی راہنماؤں کی ذہنی غلامی اور ان کے حد سے بڑھے ہوئے حرص و ہوس کی داستان الم ناک زیادہ طول کھینچتی معلوم ہوئی۔ بات تو صحیح تھی، دل بھی چاہتا تھا کہ مظلوم کی بات کو تفصیل سے سنا جائے مگر ہمارے پاس وقت بہت کم تھا۔ اس لیے بڑی مشکل سے اگلی فرصت تک معذرت کی، کیونکہ آگے تاج محل ہمارا منتظر تھا اور ابھی وہاں تک پہنچنے کے لیے کوئی سواری بھی ڈھونڈنا تھی۔

ٹرانسپورٹ سروس

ہمارا خیال تھا کہ آگرہ ریلوے سٹیشن سے تاج محل تک آنے جانے کے لیے کوئی باقاعدہ ٹرانسپورٹ سروس ہوگی اور دنیا کے ساتویں عجوبے تک پہنچنے کے لیے کوئی اعلیٰ انتظام ہوگا لیکن ریلوے سٹیشن کا ماحول سخت مایوس کن تھا۔ باہر کوئی ایسی سواری نظر نہ آئی جو تاج محل کے شایان شان ہو، اور نہ ہی کوئی ایسی سواری نظر آئی جس کا کنڈکٹر زور زور سے چلا کر کہہ رہا ہو کہ چلو چلو تاج محل چلو اور اپنے ہاں کی طرح لوگوں کو زبردستی پکڑ پکڑ کر اپنی ویگن میں دھکیل رہا ہو۔ لوگوں سے پوچھا تو بتایا گیا کہ آگے بڑھو اور سیدھے چلتے جاؤ پھر بائیں ہاتھ مڑ جانا، اس کے بعد دائیں مڑ جانا، اور آگے بڑھتے جانا۔ اگلے چوک پر مین روڈ ہے وہاں سے رکشا ٹیکسی یا بس مل جائے گی جو کہ فلاں سٹاپ تک جائے گی، جس سے آدھا کلومیٹر آگے تاج محل ہے۔ اس دوران ہم یہ سوچنے سے باز نہ رہ سکے کہ لاہور ریلوے سٹیشن سے کون سی باقاعدہ ٹورسٹ سروس مقبرہ جہانگیر، شاہی مسجد یا شالامار باغ کی طرف جاتی ہے۔

ایسے انتظامات کی قلت کی وجہ سے بعض مغربی تنقید نگار وقتاً فوقتاً اس بات کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ مغربی ممالک میں ٹورسٹ سروسز بہت کامیاب سمجھی جاتی ہیں اور اس کی بڑی وجہ ان کی علم دوستی، سیر و سیاحت اور تاریخی عمارات و عجائب گھروں کو دیکھنے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معلومات حاصل کرنے کا رجحان ہے۔ اس کے برعکس ترقی پذیر مشرقی ممالک میں یہ چیز عنقا ہے۔ اس طرح کی تنقید کرتے وقت ایسے لوگ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ ہمارے مشرقی ممالک کے تقریباً 90 فیصد عوام تو نان جویں کے پیچھے بھاگتے بھاگتے اپنی عمر عزیز گزار دیتے ہیں۔ غم روزگار ان لوگوں کا پیچھا چھوڑے تو یہ کچھ اور سوچیں۔ یہ سیر و سیاحت، تاریخی مقامات دیکھنے کی لگن اور عجائب گھروں کے تعلیمی دورے اس وقت سوجھتے ہیں جب تھوڑی بہت خوشحالی ہو اور نظام تعلیم بھی ایسا ہو جو ایسی چیزوں کی اہمیت کو اجاگر کرے۔ لیکن یہی لوگ جو اپنے آپ کو بہت مہذب خیال کرتے ہیں اپنے دور میں ہمارے ہاں کچھ ایسی بدانتظامی کا سامان کر گئے ہیں کہ پچاس، ساٹھ سال سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود کسی بہتری کے آثار نظر نہیں آ رہے۔

وی آئی پی سیٹ

دائیں بائیں گھومتے گھماتے ہم بالآخر مین روڈ کے چوک پر پہنچ گئے۔ یہاں سے پھر ہم نے تاج محل کا راستہ پوچھا تو ایک صاحب نے سامنے کھڑے ایک رکشے کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ ادھر ہی جائے گا اور یہ بھی بتا دیا کہ یہ رکشا فلاں چوک تک جائے گا اور وہاں سے نزدیک ہی تاج محل ہے۔ رکشے کے قریب پہنچے تو اس نے بھی تاج محل پہنچانے کی ہامی بھری اور اشارہ کیا کہ جلدی بیٹھیں دیر ہو رہی ہے۔ رکشے کا ایک نظر جائزہ لینے کے بعد ہم سوچنے لگے کہ اس میں بیٹھیں تو بیٹھیں کہاں کیونکہ رکشے میں پہلے ہی سے آٹھ دس سواریاں آپس میں گڈ مڈ ہو رہی تھیں۔ یہ ساری سواریاں مع رکشا، سراپا احتجاج تھیں۔ چنانچہ ہم نے اتنی سواریوں کے درمیان سینڈوچ ہونے سے معذرت کر لی۔ اسی دوران ہم نے ایک اور رکشا دیکھا جس میں ایک گورا اور ایک گوری دوسری سواریوں کے درمیان اسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح ٹھسے ہوئے تھے۔ اس سے ہمیں دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ ہماری سمت صحیح ہے اور دوسری کہ اگر رکشے کا تجربہ کرنا ہے تو اس طرح فٹ ہونا پڑے گا۔ تاہم رکشے والے نے ان سواریوں کے احتجاج اور ہمارے انکار کے پیش نظر موقعہ کی نزاکت کو سنبھالا اور ہمیں اپنے ساتھ والی وی آئی پی سیٹ پیش کر دی۔ ہمیں تو ایسے لگا جیسے کہ جمبو جیٹ کے پائلٹ نے ہمیں کاک پٹ میں بلا لیا ہو۔ اور یوں ہمارا رکشائی قافلہ عازم سفر ہوا۔ اس انداز سفر کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ آگرہ شہر اور اس کی سڑکوں کا پورا منظر (Full View) ہماری نظروں کے سامنے آ گیا اور ہم نے بھی اس کا بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

رکشے میں سوار ہو کر آگرہ کی مختلف سڑکوں پر سے گزرتے ہوئے یہ محسوس ہوا کہ سڑکیں زیادہ خراب نہیں ہیں بلکہ درمیانی سی ہیں لیکن صفائی کا معیار بہرحال قابل تعریف نہ تھا۔ کوڑے کرکٹ کی بہتات اور اڑتی ہوئی گرد وافر تھی۔ ٹریفک درمیانے درجے کی مگر ڈھیلی ڈھالی سی، دہلی شہر کی طرح منظم نہ تھی۔ ہمیں یہ بھی محسوس ہوا جیسے کہ آگرہ میں مسلمان کافی تعداد میں بستے ہیں۔ کیونکہ ایک سڑک پر سے گزرتے ہوئے ہم نے دیکھا کہ کافی سارے ذبح شدہ بڑے جانوروں کا گوشت لٹک رہا ہے اور خریداروں کا بھی کافی رش ہے۔ یہ بالکل پاکستان کے کسی شہر کا منظر لگا۔ ان گوشت کے جانوروں کا تعلق لامحالہ بھینس کے خاندان سے ہوگا، کیونکہ ہندوستان میں گائے کے ذبح کرنے پر تو سخت پابندی ہے۔ گائے ہندوؤں کا مقدس ترین جانور ہے تاہم گائے کا باپ بیٹا یعنی بیل اتنا مقدس نہیں ہے جتنی کہ گائے بذات خود۔ کیونکہ بیل بے چارے کو زمینداروں کے کھیتوں میں جس قسم کی مشقت انجام دینا پڑتی ہے اور ڈنڈے کا جس طرح بے تحاشہ استعمال ہوتا ہے اس میں کسی قسم کے تقدس کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ ٹریکٹر کے آنے سے بیل کی گلو خلاصی تو ہوئی ہے مگر اسی حساب سے اس کی نسل کشی میں بھی کمی ہو رہی ہے۔ یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ جس چیز کی مانگ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کھپت کم ہو جائے اس کی افزائش بھی کم ہو جاتی ہے۔ گائے ہندوستان میں مقدس ضرور ہے مگر تعداد بھینسوں کی زیادہ ہے اور یہ اس کے باوجود ہے کہ مسلمان اس کو ذبح کر کے کھاتے بھی ہیں۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ گائے اور بیل کا سب کچھ ایک ہونے کے باوجود گائے پوتر ٹھہرتی ہے اور بیل بیچارا سزاوار گردن زدنی۔ گائے تو اس قدر مقدس کہ اس کے ہر عضو کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کسی نہ کسی دیوتا کا مسکن رہا ہے۔ اس کا ہر بال متبرک اور اس کا ہر فضلہ پوتر (Hallowed) ہے۔ اس کا کوئی حصہ ناپاک نہیں جو کہ پھینکا جائے۔ اس کا پیشاب تمام متبرک پانیوں سے بہتر ہے۔ یہ گناہ دھونے والا مائع ہے جو ہر اس چیز کو پاک کر دیتا ہے جس سے یہ مس ہو۔ گائے کے گوبر سے بہتر کوئی چیز بھی پاک نہیں کرتی۔ ہر وہ جگہ جہاں گائے کا گوبر گر جائے ہمیشہ کے لیے پاک ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس کا لیپ کر دیا جائے تو وہ جگہ ہر قسم کی آلودگی سے مبرا ہو جاتی ہے اور اس کے گوبر کی راکھ جس گناہگار پر چھڑک دی جائے وہ سنیاسی بن جاتا ہے۔ ہندوؤں کی مقدس کتاب رگ وید کے مطابق گائے دیوی ہے بلکہ دیوتاؤں کی ماں ہے۔ اور اس کے پانچ اجزا یعنی دودھ، دہی، مکھن، پیشاب اور گوبر پاک کرنے والے ہیں۔ اور اسی لیے گناہ دھونے کی رسومات میں استعمال کیے جاتے ہیں۔

گاندھی جی گائے کو ہندوؤں کا متفقہ مرکزی نقطہ اور اس کے تقدس کو اپنی ملی وحدت کا نشان خیال کرتے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق گائے کی حفاظت انسانی ارتقا میں ایک زبردست واقعہ ہے۔ ان کے نزدیک گائے اور آدمی کے ذبح کرنے میں کوئی فرق نہیں اور جب تک ہندوستان میں ایک گائے بھی ذبح ہو گی ملک آزاد تصور نہیں کیا جائے گا۔ گائے کے فضلے کا تقدس ہندوؤں کے ایمان کا حصہ ہے۔ وہ اس کا پیشاب اور گوبر کا نچوڑ پیتے ہیں۔ ہندو لوگ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیہاتوں میں اپنے کچن اور عبادت کی جگہوں پر گائے کے گوبر کا لیپ باقاعدگی کے ساتھ کرتے رہتے ہیں۔ اگر کبھی کوئی مسلمان، ملیچھ یا شودر ہندوؤں کی ان جگہوں کو بھرشٹ کردے تو فوراً گائے کے گوبر کا لیپ یعنی پلستر کیا جاتا ہے اور وہ سب کچھ جو بھرشٹ ہو چکا تھا پوتر ہو جاتا ہے۔ اب بتائیے بھلا اشرف المخلوقات اور اسفل السافلین سے کیا مراد ہے؟

دہلی میں ہم نے اپنے ہوٹل سے کچھ فاصلے پر ایک بوڑھی گائے کو دیکھا جو کوڑے دانوں سے کوئی کھانے کی چیز تلاش کر رہی تھی۔ یہ کیسا تقدس ہے کہ جب گائے بیچاری بوڑھی ہو جائے اور دودھ دینے کے قابل نہ رہے تو اسے ذبح تو نہیں کر سکتے لیکن اسے بھوکا مرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح بعض اوقات بوڑھی گائیوں کا مسئلہ کافی گھمبیر ہو جاتا ہے۔ دل تو چاہتا تھا کہ رکشا روک کر ذرا غور سے دیکھا جائے کہ گوشت گائے کا ہے یا بھینس کا۔ مگر سواریوں کی طرف سے ہونے والے احتجاج کے پیش نظر رکشے والے کو رکنے کے لیے کہنے کی ہمت نہ پڑی۔ اس سے صرف یہ پوچھنے پر اکتفا کیا کہ ادھر گوشت کا بھاؤ کیا ہے۔ کہنے لگا کہ ہم نے کبھی نہیں کھایا یہ تو مسلمانوں کا کام ہے۔ مختلف سڑکوں پر بھرپور شور مچاتے ہوئے آخر کار ہمارا رکشا اس چوک تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گیا جس کا ہمیں بتایا گیا تھا کہ یہاں سے قریب تاج محل واقع ہے۔

میلہ

اس چوک پر کوئی مقامی میلہ لگا ہوا تھا اور خوب رونق تھی، بچوں کے جھولے تھے، سرکس تھے، اس کے علاوہ بے شمار عارضی طور پر قائم کی گئی دوکانیں اور سٹال بھی تھے۔ جن میں بچوں کے کھلونوں سے لے کر گھریلو استعمال کی کچن آئٹمز اور کپڑے وغیرہ تک سب شامل تھے۔ میلے میں خواتین کی نسبت مرد حضرات زیادہ تعداد میں گھومتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ زیادہ تعداد نزدیکی دیہاتوں سے آئے ہوئے لوگوں کی لگتی تھی، کیونکہ زیادہ تر لوگوں نے ہندوؤں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا عام لباس یعنی کرتا اور ایک خاص سٹائل کی دھوتی باندھ رکھی تھی۔ چنانچہ میلے کی بھیڑ بھاڑ اور شور وغل میں سے ہم راستہ بناتے ہوئے تاج محل کی طرف بڑھنے لگے۔

تاج محل کے مینار

تاج محل کی مغلئی شان وشوکت کا تصور اور اپنا تجسس لیے جب ہم آگرہ ریلوے سٹیشن سے باہر شہر کی حدود میں داخل ہوئے تھے تو اس وقت بھی ہم نے ادھر ادھر نظر دوڑائی کہ شاید تاج محل کے مینار نظر آ جائیں مگر ہماری یہ کوشش بے سود ثابت ہوئی۔ اس طرح سڑکوں پر ادھر ادھر مڑتے اور گھومتے ہوئے ہم نے مین روڈ کے چوک تک کئی بار ادھر ادھر سر گھما کر دیکھا کہ شاید تاج محل کی کوئی نشانی یا مینار وغیرہ ادھر سے ہی نظر دے جائے، جیسا کہ اسلام آباد میں فیصل مسجد اور لاہور میں شاہی مسجد کے مینار دور ہی سے نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں مگر یہاں ہمیں تاج محل کا کوئی نشان نظر نہ آیا۔ اب جب کہ ہم رکشے والے سے آزاد ہو کر، بقول لوگوں کے تاج محل کے بالکل قریب تھے تو بھی ہماری مینارے دیکھنے کی حسرت پوری نہیں ہو رہی تھی۔ ہمارا تجسس بڑھ رہا تھا۔ راستے کا پھر سے حتمی تعین کرنے کے لیے دوبارہ ایک صاحب سے پوچھا۔ اشارہ کر کے بتایا کہ وہ سامنے والا چوک جہاں ایک گورا اور ایک گوری کھڑے ہیں وہاں سے تاج محل کی حدود شروع ہو رہی ہیں۔ ہم جلدی جلدی چلتے ہوئے اس چوک تک پہنچ گئے جہاں وہ مغربی جوڑا ابھی تک اپنی تہذیبی روایات کی جھلکیاں سر عام پیش کیے چلا جا رہا تھا۔ ہم ہاروت اور ماروت کا انجام سامنے رکھتے ہوئے بادل نخواستہ آگے بڑھ گئے۔ اور پھر آسمان کی وسعتوں میں نظریں دوڑاتے ہوئے تاج محل کے مینار تلاش کرنا شروع کیے۔ مگر پھر بھی ناکامی ہوئی۔

بالآخر ایک بہت بڑی قلعہ نما فصیل نظر آئی۔ شکر کیا کہ مغلوں کی کوئی جھلک تو نظر آئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہر حال ہم آگے بڑھتے گئے۔ سامنے ایک بہت بڑا قلعہ نما گیٹ تھا۔ جس کے ایک کونے میں ٹکٹ کے لیے بوتھ بنا ہوا تھا۔ وہاں سے ہم نے 13 روپے کا ٹکٹ لیا اور آگے بڑھ گئے (ہمارے پاکستان واپس آنے کے بعد جلد ہی یہ ٹکٹ بیرونی سیاحوں کے لیے 28 ڈالر کا کر دیا گیا ہے)۔ قلعہ نما فصیل کے اندر داخل ہو کر ہم نے پھر وہی کوشش کی مگر ہماری نظریں پھر ناکام لوٹیں۔ اور ہم حیران رہ گئے کہ اب بھی تاج محل کا کوئی نام ونشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہمیں شاہ جہاں پر جھنجھلاہٹ سی ہونے لگی کہ اتنی زبردست اور عالیشان عمارت بنائی اور اتنی چھپا کر۔ اتنی مشہوری اور اتنی مستوری۔ مگر اشتیاق کچھ اتنا زیادہ تھا کہ ہم نے ان سے زیادہ تعرض نہ کیا اور آگے اور آگے بڑھتے گئے۔ آگے ایک اور مین گیٹ آیا۔ اس کے سائیڈ گیٹ کے سامنے سیاحوں اور مداحوں کی قطار لگی ہوئی تھی ہم بھی اس میں کھڑے ہو گئے۔

قطار زیادہ لمبی نہ تھی۔ ایک کارکن نے ہمارے بیگ وغیرہ چیک کیے اور بیگ میں کچھ کیلے اور بسکٹ دیکھ کر ہمیں بتایا کہ آپ صرف پانی کی بوتل اپنے ساتھ اندر لے جا سکتے ہیں کھانے کی کوئی چیز اندر لے جانے کی اجازت نہیں۔ دراصل آگرہ کے جس چوک پر ہمیں رکشا سے خلاصی ملی تھی وہیں پاس ہی پھلوں کی کچھ دکانیں تھیں۔ ایک دوکان میں کیلے بہت اچھے لگے اور آدھی درجن مل بھی صرف پانچ روپے میں گئے، یعنی ہمارے اسلام آباد کی نسبت چوتھائی سے بھی کچھ کم ریٹ پر۔ ہم نے کیلے اور بسکٹ فاسٹ لنچ کے لیے رکھے تھے۔ چونکہ اندر ساتھ لے جانے کی اجازت نہ ملی اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ لنچ ابھی کر لیا جائے۔ چنانچہ قطار سے باہر آ کر ایک درخت کی گھنی چھاؤں میں ایک پتھریلے بینچ پر بیٹھ کر فاسٹ لنچ کیا اور دوبارہ قطار میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں ہماری باری آ گئی۔ ان لوگوں نے دوبارہ بیگ چیک کیا اور ہاتھ کے اشارے سے اندر جانے کی اجازت دے دی۔ ہم خوش خوش آگے بڑھ گئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاج محل

دل میں شوق دید لیے ہم قطار میں لگے قدم بہ قدم چلتے ہوئے دوسرے بڑے گیٹ سے اندر داخل ہو گئے۔ اس گیٹ کو حجاب گیٹ بھی لکھا جاتا ہے۔ نظریں اٹھا کر جو دیکھا تو تاج محل ہماری نظروں کے سامنے تھا۔ ایک لمحہ کے لیے ہمیں یقین نہیں آیا کہ یہ وہی تاج محل ہے جسے دیکھنے کی کشش ہمیں اتنی دور سے یہاں کھینچ لائی ہے۔ ہم نے ادھر ادھر کا جائزہ لیا، ارد گرد کا ماحول اور شائقین کی خاصی تعداد کی موجودگی سے ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ اصلی تاج محل ہی ہے۔ چنانچہ اب ہم نے بھرپور نظر سے تاج محل کی طرف دیکھا۔

تاج محل انسانی محبت کے لازوال جذبوں، پرخلوص کوششوں اور دن رات کی ان تھک کاوشوں کے امتزاج سے معرض وجود میں آنے والا ایک حسین ترین اور عظیم ترین شاہکار ہے، اسم بامسمیٰ، نہایت خوبصورت، دلآویز اور پرشکوہ، انسانی ذوق تعمیر کی اوج۔ یہ ایک بے مثال مقبرہ ہے جو لگتا ہے کہ اینٹ گارا جوڑنے والے معماروں نے نہیں بلکہ ہیرے جواہرات کے باکمال ماہر جوہریوں نے تعمیر کیا ہے۔ پتھر کے ٹکڑوں کو نگینوں کی طرح جوڑ کر زمین کی جبیں پر تاج محل کا جھومر سجا دیا۔ یہ مقبرہ ممتاز محل کے نام سے تعمیر ہوا لیکن بعد میں بدلتے بدلتے تاج محل کے نام سے مشہور ہو گیا۔ ارد گرد کا ماحول مغلوں کے طرز تعمیر اور ذوق نظر کی بھرپور عکاسی کر رہا تھا۔ پھولوں کی خوبصورت تختیاں، درمیان میں چلنے کے لیے صاف ستھری روشیں، چھم چھم چلتے فوارے، رنگ برنگی روشنیاں، ہرے بھرے خوبصورت درخت سب چیزیں تقریباً ویسے ہی انداز میں محسوس ہو رہی تھیں جیسے کہ شالا مار باغ لاہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں لیکن تاج محل میں ان کی شان ہی کچھ اور دکھائی دے رہی تھی ہے۔

تاج محل کا تعمیری تناسب، اس کی اساسی انفرادیت، اس کے گنبد اور میناروں کے شرمیلے پن کی منظرکشی کے لیے مناسب الفاظ کی تلاش ایک بہت مشکل کام لگا، اس لیے ہم نے فیصلہ کیا کہ ہماری طرف سے لغت میں جتنے بھی اچھے اور موزوں الفاظ کسی عمارت یا کسی حسین ترین شاہکار کی تعریف وتوصیف اور مدح سرائی میں کہے جاسکتے ہیں وہ سب تاج محل کی نذر۔

یہ تاج محل جو آج ہمارے سامنے ہے ہندوستان کے مغل شہنشاہ شاہ جہاں نے اپنی زندگی کی ساتھی ملکہ ارجمند بانو بیگم کی وفات پر بنوایا تھا جو ۱۶۳۰ء میں ۳۹ سال کی عمر میں ہی اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ ان کی وفات کے ایک سال بعد ۱۶۳۱ء میں اس مقبرہ کی تعمیر شروع ہوئی اور 1643ء تک گیارہ سال میں اس کا ڈھانچہ مکمل ہوگیا، مگر اس کی تزئین و آرائش مزید ۲۲ سال تک جاری رہی۔ تعمیری کام میں تقریباً 20,000 لوگوں نے حصہ لیا۔ عمارتی ساز وسامان ہندوستان اور وسطی ایشیا کے ممالک سے لایا گیا اور بار برداری کے لیے ایک سو ہاتھیوں کا دستہ دن رات کام میں جتا رہا۔ اس کی تعمیر پر اس وقت کے مطابق صرف ۵۰ لاکھ روپے صرف ہوئے۔ جب کہ ملکہ نے وفات پر اپنے ترکہ میں زیورات کے علاوہ ایک کروڑ روپے نقد چھوڑے تھے۔ تاج محل پر ہونے والا یہ خرچہ تخت طاؤس پر اٹھنے والے اخراجات کا نصف تھا مگر بعد کے حکمرانوں کے حرص ولالچ اور ان کی لوٹ مار کی وجہ سے تخت طاؤس کا دھڑن تختہ ہوگیا اور وہ اپنی اصل حالت میں قائم نہ رہ سکا۔ جب کہ تاج محل اس طرح کی لوٹ کھسوٹ سے محفوظ رہا۔ ویسے شاہ جہاں کی حکومت کے سالانہ محاصل تقریباً 9 ارب روپے تھے۔ ان کے دور کے آخر میں شاہی خزانہ میں 24 کروڑ کے علاوہ 16 کروڑ روپے کا سونا چاندی اور جواہرات موجود تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملکہ ارجمند بانو بیگم شہنشاہ جہانگیر کی مشہور ملکہ نور جہاں کی بھتیجی تھیں۔ ان کی شادی شہزادہ خرم سے 1612ء میں ہوئی۔ اس وقت شہزادہ خرم کی عمر 15 سال اور ارجمند بانو کی عمر 19 سال تھی اور یہ خرم کی دوسری شادی تھی۔ شہزادہ خرم شاہ جہاں کی حیثیت سے 1628ء میں ملکہ نور جہاں کی شدید مخالفت کے باوجود انہی کے بھائی اور اپنے خسر آصف خان کی مدد سے تخت نشین ہوا۔ ملکہ ارجمند بانو بیگم شاہ جہاں کے چودہ شہزادوں اور شہزادیوں کی ماں تھیں اور زچگی کے دوران فوت ہوئیں۔ ان میں سے چار بیٹے اور تین بیٹیاں زندہ رہیں اور باقی بچے بچپن میں ہی وفات پا گئے۔ ملکہ کی یاد میں شاہ جہاں نے تاج محل کی تعمیر کا سوچا۔ جو تکمیل کے بعد چوتھی صدی میں آج بھی ہمارے سامنے اسی طرح تروتازہ اور نکھرا نکھرا دکھائی دے رہا ہے جیسے ابھی ابھی مکمل ہوا ہو۔

تاج محل 142 ایکڑ رقبے پر محیط ہے جو دریائے جمنا کے دائیں کنارے واقع ہے۔ اصلی مقبرہ سطح زمین سے ۲۲ فٹ بلند ہے۔ یہ مغلوں کے طرز تعمیر کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ مغلیہ دور کی عمارتیں جیسا کہ ماہرین تعمیرات بتاتے ہیں ایک اکائی کی صورت میں بنی ہوتی ہیں، یعنی ان میں نہ کسی وسعت کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ کوئی حصہ کم کرنے کی۔ دونوں صورتوں میں عمارت عدم توازن سے دوچار ہو کر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو سکتی ہے۔ تاج محل کی تعمیر میں اس کے باکمال معماروں نے اپنے تعمیراتی اور جمالیاتی فن کا اظہار اس انداز سے کیا، کہ بے مثل قرار پایا۔ معماروں نے اپنے فن میں یکتا جوہریوں کی طرح سفید سنگ مرمر کے ٹکڑوں کو کچھ اس طرح سے جوڑا گویا کہ عمارت کے حسن و جمال کو چار چاند لگا دیے۔ سفید سنگ مرمر سے بنائی گئی اصل عمارت کے مختلف بیرونی حصے ایسے زاویوں سے چنے گئے ہیں جو سورج اور چاند کی روشنی کے انعکاس کے تناسب سے دن اور رات کے مختلف اوقات میں مختلف قسم کی شعائیں مختلف انداز سے منعکس کرتے ہیں اور کرنوں کی رنگارنگی اور بوقلمونی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے ایسے لگتا ہے جیسے عمارت کا حسن و جمال ہر لمحہ ایک نیا رنگ و روپ اختیار کر رہا ہو۔ خصوصاً طلوع و غروب کے اوقات میں تو سنا ہے کہ تاج محل کے بدلتے ہوئے رنگ (Hues) ● دیدنی ہوتے ہیں۔ صبح کی روپہلی کرنوں کے جلو میں یہ عمارت عارض گلگوں کا منظر پیش کرتی ہے، شام ڈھلے دودھ کی طرح سفید چادر اوڑھ لینا اس کی عادت ہے اور پورے چاند کی راتوں میں تو گویا سنہری جھومر پہن لیتی ہے۔ اس طرح دن ہو یا رات، رات چاندنی بکھیر رہی ہو یا گھپ اندھیری، دن میں سورج سر پر ہو یا بادلوں کی اوٹ میں یہ عمارت اپنا حسن اور آب و تاب قائم رکھتی ہے۔ دیکھنے میں نظروں کو ایسے بھاتی ہے کہ نظریں نہ تو چندھیا جائیں اور نہ ہی تھکن محسوس کریں۔

جواب

تاج محل کے مشرق کی جانب سنگ سرخ سے بنی ہوئی ایک نہایت خوبصورت مسجد ہے اور اس کے سامنے بالکل دوسری جانب اسی سنگ سرخ سے بنی ہوئی اتنی ہی بڑی ایک اور عمارت ہے جسے معماروں نے جواب کا نام دیا جو شاید صرف توازن قائم رکھنے کے لیے بنائی گئی مگر بعد میں مہمان خانہ کے طور پر استعمال میں لائی گئی۔ عمارت یہ بھی بہت خوبصورت ہے۔ صدر دروازے سے دیکھیں تو سرخ پتھر سے بنی ہوئی یہ مسجد اور جواب کی عمارتوں کے عین درمیان سفید براق سنگ مرمر سے بنی ہوئی تاج محل کی عمارت بہت خوبصورت منظر پیش کرتی ہے۔ ایک عجب سماں بندھ جاتا ہے۔ مسجد اور جواب نے پوری عمارت کے حسن کو دوبالا کر رکھا ہے۔ نیلے آسمان کی پنہائیوں میں سرخ و سفید متناسب عمارتوں کا یہ حسین امتزاج خوب کھلتا ہے اور نظروں کو بہت بھاتا ہے۔ ذرا وسیع تناظر میں نظر بھر کر دیکھیں تو کچھ ایسے لگتا ہے جیسے دونوں طرف سنگ سرخ سے تعمیر شدہ عمارتوں کے

● Hues، روشنی سے بننے والے سات رنگ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

درمیان ید بیضاء کی طرح حسن بکھیرتی ہوئی تاج محل کی عمارت شرماسی رہی ہو۔

تاج محل کی عمارت انجنیر حضرات کے نزدیک ایک زبردست اکائی ہے یعنی نہ اس عمارت میں کچھ اضافہ کیا جاسکتا ہے اور نہ کمی اور یہ صفت مغلوں کے طرز تعمیر کی بنیاد ہے۔ تاج محل کے چیف معمار لاہور کے باسی جناب استاد احمد تھے جنہیں شاہ جہاں نے نادرالعصر کے خطاب سے نوازا۔ہم بھی انہیں اوران کی محنتی ٹیم کو تاج محل جیسا شاہکار تخلیق کرنے پرخراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

تاج محل اوراس کے ماحولیاتی جائزے سے ہمیں پورا یقین آ گیا کہ یہ مغل بھی اسی آدمؑ کی اولاد میں سے تھے جنہیں فرشتوں نے جنت سے رخصت کیا تھا کہ وہ جا کر اللہ کے خلیفہ کی حیثیت میں زمین کو بھی جنت نظیر بنائیں۔اور یہ بھی کہ مغلوں کی یادداشت بہت تیز تھی اور جنت کا ناک نقشہ ان کے ذہنوں میں محفوظ تھا۔اسی لیے جب بھی اور جہاں بھی موقع ملا انہوں نے اپنی رہائش کے لیے،اپنے مرنے والے اعزا کے لیے حتیٰ کہ اپنے پالتو جانوروں تک کو دفنانے کے لیے ایسی شاندار عمارات ایسے منفرد انداز سے تعمیر کرائیں اور باغ و بہار سے سجا کر ماحول ایسا بنانے کی کوشش کی کہ قرآن وحدیث میں بیان کردہ جنت نظاروں کا گمان گزرتا ہے۔

حیا

صاف اور شفاف روشوں پر خوبصورت پھولوں کی تختیوں کے درمیان ہولے ہولے چلتے ہوئے ہر چیز کو بغور دیکھتے رہے۔اسی طرح احتیاط سے قدم بقدم چلتے چلتے اوراپنی بصری قوتوں کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے ہم آگے تاج محل کی طرف بڑھتے رہے۔دور سے مینار وغیرہ نظر نہ آنے کا شکوہ جاتا رہا۔کیونکہ تاج محل کے اس طرح یک دم سامنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آجانے سے دل ودماغ میں جو تاثر ابھرا وہ شاید دوسری صورت میں عنقا ہی رہتا۔ شاہ جہاں کے ذوق تعمیر اور اسلامی حس کی پاسداری کی داد دینا پڑی کہ دنیا کی حسین ترین عمارت بھی بنائی اور ایسے لگا جیسے حیا کے پردے میں چھپا انتہائی دلآویز موتی۔ شوق دید میں آگے بڑھتے ہوئے محل کی دہلیز تک جا پہنچے، اوپر جانے والے زینوں کے پاس جوتے اتارنے کا اشارہ نظر آیا جس سے صفائی اور شاید ادب بھی مقصود ہو۔ جوتے اتار کر موجود عملہ کے سپرد کیے، ٹوکن لے کر جیب میں رکھا اور آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر تاج محل پہنچ گئے۔

تاج محل کی یگانۂ روزگار خوبصورتی، اس کے مختلف حصوں کی متناسب بناوٹ اور انسانی کاریگری کے اعلیٰ ترین معیار کا بغور جائزہ لیتے ہوئے ہم نے اس کے گرداگرد ایک چکر لگایا، اور اسی محویت کے عالم میں دوسرا چکر لگایا اور پھر تیسرا چکر لگاتے ہوئے ذہن میں خیال آیا کہ انجانے میں یہ کہیں طواف کی نقل تو نہیں بن رہی۔ پھر سمت کا تعین کرنے پر معلوم ہوا کہ ہمارے چکر لگانے کا رخ واقعی طواف والا (Anti Clock Wise) ہی ہے۔ چنانچہ ہم نے رخ بدل کر (Clock Wise) گھومنا شروع کر دیا۔ اور پہلے چکروں کے جواب میں الٹے رخ مزید تین چکر لگائے۔ اس کو آپ یک نہ شد دو شد کہیں یا عذر گناہ بد تر از گناہ، بہرحال ہم نے اپنی طرف سے حساب برابر کر دیا۔

گنبد

تجسس کو قائم رکھتے ہوئے ہم نے گنبد کے اندر کا بھی جائزہ لیا۔ گنبد کے اندر ایک دوسرا جہاں آباد دیکھا جو باہر کی نسبت کہیں زیادہ خوبصورت اور پر شکوہ تھا۔ آیات قرآنی کا انتخاب، خطاطی کا انداز، کاشی گری، مختلف کمالات کا آپس میں تناسب اور تسلسل، زیب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وزینت اور آرائش جمال ہر چیز لاجواب محسوس ہوئی۔ مختلف آیات قرآنی سیاہ سنگ مرمر سے نہایت ہی خوبصورت انداز سے لکھی ہوئی نظر آئیں۔ آیات کے فن تحریر اور انداز خطاطی کی داد نہ دینا سخت زیادتی ہوگی۔ خط ثلث میں طرز تحریر کا کمال کہ نیچے سے اوپر گنبد کی چھت تک پڑھتے جائیں تحریر کی جسامت میں فرق محسوس نہ ہوگا۔ فن خطاطی کی ندرت اور جدت کہ جوں جوں بلندی بڑھتی جائے انسانی بصارت کی مناسبت سے الفاظ کی بناوٹ بڑی ہوتی جائے تاکہ پڑھنے میں دقت نہ ہو اور دیکھنے میں تحریر کا آپس میں تسلسل اور ربط (Symmetry) قائم رہے۔

جمنا اور نالہ لئی

کچھ تھکن سی محسوس ہوئی تو دریا کی سمت ہو لیے کہ تاج محل کی دلآویز رعنائیوں کے ساتھ ساتھ جمنا کی موجوں کا بھی نظارہ کریں کہ وہ کس طرح تاج محل کے پاؤں چومتی ہوئی آگے بڑھ جاتی ہے۔ اس طرح ہمارا ارادہ تھا کہ شاہ جہاں کے ذوق تعمیر کی داد بھی دیں اور کچھ سستا بھی لیں۔ مگر دریا کی سمت منڈیر کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے ہی کچھ ایسا منظر سامنے آیا کہ سارا مزہ ہی کرکرا ہو کر رہ گیا۔ کچھ یوں محسوس ہوا کہ جیسے اپنے راولپنڈی میں نالہ لئی کے پل پر کھڑے ہوں۔ کہنے کو تو یہ پوتر جمنا تھی مگر عملاً بالکل گندے نالے یا نالہ لئی کی مثل۔ وہی گندہ پانی، وہی بے جان لہریں اور ویسی ہی گندی بدبو جو اردگرد کی فضا کو بھی مکدر کر رہی تھی۔ ویسے تو یہ جمنا کی ہمت ہے کہ دلی، متھرا اور آگرہ جیسے بڑے بڑے شہروں کی آلائشیں اپنے اندر سمیٹتے ہوئے آگے احمد آباد کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں اس نے دریائے گنگا کے ساتھ مل جانا ہے۔ دریائے گنگا اور جمنا کا سنگم ہندوؤں کا سب سے متبرک اور مقدس مذہبی مقام ہے۔ اس مقام پر یوں تو ہر سال ہی ایک بہت بڑا میلہ لگتا ہے مگر ہر بارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سال بعد جنوری اور فروری میں تو بہت ہی بڑا میلہ لگتا ہے جس کو کنبھ کا میلہ کہتے ہیں۔ اس میں لاکھوں کی تعداد میں مرد وزن یہاں آتے ہیں اور اپنے گناہوں کو دھونے کے لیے برہنہ ہو کر اس پوتر پانی میں اشنان (غسل) کرتے ہیں اور اپنے مردوں کی راکھ بھی اس میں بہاتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جس کی راکھ یہاں پانی میں بہادی جائے وہ بخشا جاتا ہے۔ مگر اس طرح راکھ بہانے اور لاکھوں لوگوں کے رہنے اور نہانے وغیرہ سے اس کے پانی کے پورے طور پر پوتر ہونے کی رہی سہی کسر بھی نکل جاتی ہے۔ بہر حال زیادہ وقت نالہ لئی کے ماحول میں گزارنے کی بجائے ہم دوسری سمت جا کر چکنے، شفاف اور چمکدار فرش پر بیٹھ گئے اور تاج محل کی خوبصورتی سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ آنے جانے والے سیاحوں کا بھی جائزہ لینے لگے۔

سیاح

آہستہ آہستہ سیاحوں کا رش بڑھ رہا تھا اور ہمارے ریلوے سٹیشن والے تاثر کو غلط ثابت کر رہا تھا کہ سیاح زیادہ نہیں ہوں گے۔ مگر یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ شائقین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ مختلف سکولوں اور کالجوں کی کلاسیں آ جا رہی تھیں، Arranged Tour بھی کافی لگ رہے تھے۔ سیاح ہر قسم کے تھے ملکی بھی اور غیر ملکی بھی۔ پادریوں کے ساتھ ننوں کی بھی ایک بڑی تعداد آئی ہوئی تھی۔ ہماری طرح اکیلے دوکیلے سیاح تو بہت زیادہ تھے۔ ہندوستان کے محکمہ ٹورازم کے اندازوں کے مطابق ہر سال جتنے بھی سیاح بیرونی ممالک سے ہندوستان آتے ہیں ان میں سے ایک تہائی (تقریباً آٹھ لاکھ) کو صرف تاج محل کی کشش کھینچ لاتی ہے۔ اس کے علاوہ ہر سال آٹھ کروڑ سے زائد مقامی باشندے بھی تاج محل سے اپنی عقیدت کا اظہار کرنے آتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ستانے کی غرض سے ہم ایک مینار کے سائے میں بیٹھ گئے اور آنے جانے والے سیاحوں کا جائزہ لینے لگے۔ ان میں دو جوڑے ایسے نظر آئے جو خاصے منفرد لگے اور جنہیں دیکھ کر کچھ تعجب بھی ہوا۔ یہ دونوں جوڑے سکھ تھے۔ سردار صاحبان کو دیکھنے سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ تو شاید اپنے پانچ ککوں (Ks) میں سے چار ککوں یعنی کیس، کچھا، کڑا اور کنگھا کے ساتھ ساتھ پورے طور پر مغربی لباس میں ملبوس تھے (پانچواں K کرپان کا ہے جس کا رکھنا آج کل ممنوع ہے)۔ مگر ان کی خواتین چہرے کے علاوہ دوہرے تہرے دبیز پردہ دار لباس پہنے ہوئے تھیں۔ سکھوں میں بابا گورونانک کی تعلیمات اور ارشادات کا یہ بہت ہی نمایاں اثر ہے کہ سکھ خواتین کا لباس بہت ساتر اور حیادار ہوتا ہے۔ اور یہ بھی شاید ان کے حضور پاک ﷺ کے روضہ مبارک پر حاضری اور اسلامی تعلیمات سے متاثر ہونے کی ہی ایک علامت ہو۔ ان خواتین کے مقابلے میں چند ایک غیر ملکی مغربی خواتین ایسی بھی تھیں جن کے جسم پر مصنوعی لباس قدرتی لباس کے مقابلے میں مات کھا رہا تھا۔

پروردگار کی شان

نماز ظہر کا وقت گزرتا جا رہا تھا اس لیے سوچا کہ اب شاہ جہاں اور تاج محل کو الوداع کہا جائے اور نیچے جا کر تاج مسجد میں نماز ادا کی جائے۔ مگر شاہ جہان کے تاج محل بنانے والی اس حرکت سے ہمیں بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ اس نے اپنی ایک مرحومہ بیگم جو کہ اس کے چودہ بچوں کی ماں تھی پر اتنی مہربانی کیوں کی اور دوسری بیگم کے لیے ایسا کیوں نہ کیا۔ کیا دوسرے بادشاہوں کو اپنی بیگمات سے محبت نہ تھی اور کیا عام انسانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ بھی اپنی محبت کا ثبوت مقبرے بنا کر ہی دیں ورنہ بے مہر قرار پائیں گے۔ اور پھر دو چیزوں کا خیال آنے پر یہ تلخی کچھ کم ہوگئی۔ ایک تو شاہ جہاں کا یہ کہنا کہ اس نے ''اس عمارت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو زمین پر اس کے پروردگار کی شان بیان کرنے کے لیے بنایا ہے' اور دوسرے یہ کہ شاہ جہاں نے یہ سب کچھ اورنگ زیب عالمگیر کی ماں کے احترام میں کیا ہے۔ مزید تنقید کی بجائے ہم نے کہا کہ چلو درگزر کرتے ہیں۔ پھر بھی دل میں یہ خیال آیا کہ چلتے چلتے شاہ جہاں سے دو چار باتیں کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔ کیونکہ ایسے مواقع بار بار ہاتھ نہیں آتے ہیں۔ مگر شاہ جہاں کے شاہی دربار میں ان کے رعب اور دبدبے کا خیال آتے ہی کچھ خوف سا محسوس ہوا اور ارادہ بدل دیا۔ دو قدم واپس سیڑھیوں کی طرف بڑھائے ہی تھے کہ اپنے ہی من نے بزدلی کا طعنہ دیا۔ چنانچہ ہم واپس ہو لیے اور مصمم ارادہ کر لیا اور ہر چہ بادا باد کے مصداق کہ خواہ کچھ ہی ہو جائے جاتے جاتے شاہ جہاں سے دل کی بات ضرور کہنا ہے۔

دل کی بات

یہ خیال آتے ہی ہم نے گنبد کا ایک چکر اور لگایا۔ اپنے خیالات کو ترتیب دیا، پھر اپنی ذہنی اور جسمانی قوتوں کو مجتمع کیا، لمبی لمبی ایک دو سانسیں لیں اور پوری تیاری کے ساتھ دوبارہ محراب کے اندر داخل ہو گئے۔ تعویذوں کے نیچے جہاں کہ شاہ جہاں کی اصلی قبر ہے کی طرف رخ کر کے خیال ہی خیال میں پوری آواز کے ساتھ شہنشاہ شاہ جہاں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے دل کی بات عرض کر دی کہ اے شاہ جہاں، اے شہنشاہ ہندوستان، اے مغلوں کے نمائندے، اکبر اعظم کے پوتے، شہنشاہ جہانگیر کے بیٹے، اے اورنگزیب عالمگیر کے باپ اور اے تاج محل کے خالق اور موجودہ باسی! بندہ عاجز آپ کی خدمت میں صرف یہ بتانے کے لیے حاضر ہوا ہے کہ اے بہادر مغلو! اے تیمور کے بیٹو! اللہ نے تمہیں حکومت عطا کی اور بہت بڑی حکومت عطا کی تھی۔ مگر تمہیں عمارتیں بنانا تو خوب آیا لیکن مسلمانوں کی طرح حکومت کرنا نہ آیا۔ اگر تھوڑی سی توجہ ادھر بھی دے دیتے تو آج تمہارے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جد امجد کی تعمیر کردہ بابری مسجد کا یہ حال نہ ہوتا۔

اپنے تئیں شاہی دربار میں کلمہ حق کہہ کر ہم فوراً محراب سے باہر نکل آئے اور جلدی جلدی سیڑھیاں اترنے لگے۔ کوشش یہ تھی کہ بیشتر اس کے کہ بادشاہ سلامت شاہی جلال میں آجائیں اور درباری محافظوں کو حکم دیں کہ پکڑو اس شاہی آداب سے عاری بے ادب کو، ہم ان کی پہنچ سے دور نکل جائیں۔ مگر ایسا نہ ہوسکا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے محسوس ہوا جیسے شاہی آواز گونج رہی ہے، ہم سہم گیے۔ شاہی آواز آئی اے بندہ خدا اس طرح بات لڑھکا کر بھاگ جانا کم ہمتی کی نشانی ہے۔ اگر ہمت ہے تو ذرا ٹھہرو اور جواب لے کر جاؤ۔ مگر اب ہمت جواب دے رہی تھی۔ اس لیے حتی الوسع اپنی اندرونی پریشانی کا اظہار کیے بغیر اور سنی ان سنی کرتے ہوئے سیڑھیاں اترتے رہے۔ مگر شاہ جہاں کی آواز تھی کہ بلند سے بلند تر ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ایسے لگا جیسے وہ کہہ رہے ہوں کہ سنو! ہم مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بڑی وسیع سلطنت عطا کی تھی مگر ہم صحیح مسلمانوں کی طرح حکمرانی نہ کر سکے۔ اور اسی لیے ہم نے خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین ہونے کا دعویٰ بھی کبھی نہیں کیا۔ مذہبی رواداری ہماری حکومت کی بنیاد رہی۔ ہم میں سے تو صرف ہمارے دادا اکبر اعظم نے مذہب میں دخل اندازی کی کوشش کی جسے ہم نے بالکل پسند نہ کیا۔ اور اپنے دور میں اپنے دادا حضور ظل الٰہی کے دین الٰہی سمیت تمام تر لادینی مظاہر و مفاسد کو مسدود کر دیا۔ اور پھر اپنی پوری کوشش کی کہ صحیح اسلامی عقاید اور تصورات کا احیاء ہو۔ آپ کو آج جو عمارتیں مغلیہ دور کی یاد دلاتی ہیں ان پر جتنی محنت کی گئی اس سے کئی گنا زیادہ محنت ہم نے دین الٰہی کی بیخ کنی اور اسلامی تصورات کی آبیاری میں صرف کی۔ اس کے علاوہ ہم نے تمام مذاہب کے ساتھ پوری رواداری کا مظاہرہ کیا اور کبھی جبر سے کام نہ لیا۔ رہا بابری مسجد کا سانحہ تو اس کے ذمہ دار ہماری نسبت تم لوگ زیادہ ہو۔ تمہاری بزدلی اور بے حمیتی نے یہ دن دکھائے جیسے تمہارے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے پسندیدہ شاعر جگر مرادابادی نے کہا ہے کہ ؎

جہل خرد نے دن یہ دکھائے گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے

ناکامی

اس جواب پر ہم سے چپ نہ رہا گیا اور ہولے سے، کہہ ہی دیا کہ اگر رواداری اسی کا نام ہے تو گوالیار کے قلعے کے مہمان کا کیا قصور تھا؟ فوراً جواب آیا کہ یہ تو مجھ سے پہلے کی باتیں کر رہے ہو۔ میں مانتا ہوں کہ ہمارے بڑوں سے غلطیاں ہوئیں مگر اورنگزیب کی صورت میں ہم نے اس کی تلافی کرنے کی بھی تو پوری کوشش کی۔ بے شک اورنگ زیب نے میرے ساتھ اتنا اچھا سلوک نہیں کیا اور اس کی اصل وجہ خاندان تیمور میں اقتدار کی پرامن منتقلی کے نظام کا فقدان تھا۔ مگر ہم میں کیڑے نکالنے والے، اور ہم پر ناروا تنقید کے نشتر چلانے والے ذرا ٹھہرو اور یہ تو بتاؤ کہ تم نے خود نصف صدی سے زائد عرصہ میں کیا تیر مارا ہے! تم لوگ تو بہت تہذیب یافتہ تھے، پڑھے لکھے جدید علوم وفنون سے خوب بہرہ ور اور جمہوریت کے دلدادہ تھے۔ پھر تم نے بڑی کوششوں اور قربانیوں سے لا الہ الا اللہ کے نام پر ایک اچھا خاصا بڑا اور نہایت خوبصورت ملک پاکستان بھی حاصل کیا تھا۔ تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس سے ہماری روح کو کتنی خوشی ہوئی تھی کہ چلو جو کام ہم نہ کر سکے وہ اب تمہارے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔ مگر وائے افسوس کہ تمہاری ناکامی نے ہمارے دل توڑ دیے۔ بتاؤ کیا اس ناکامی کے ذمہ دار ہم ہیں؟ کیا تم اس کا انکار کر سکتے ہو کہ تم نے نئے گوالیار تعمیر نہیں کیے؟ اور ان میں حق بات کہنے والوں کو زبردستی کے مہمان نہیں بنایا؟ ہم نے تو مطلق العنان بادشاہ بلکہ شہنشاہ ہونے کے باوجود اتنی آسانی اور اتنی بے دردی سے اپنے دشمنوں کو بھی کبھی قتل نہیں کیا جیسا کہ تم اپنے ہی مسلمان بھائیوں کو قتل کرتے پھرتے ہو۔ ہمارے دور میں کسی کی مجال تھی کہ کسی بھی مذہبی عبادت گاہ کا تقدس پامال ہو۔ مگر تمہارے خاص مسلمانوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے ملک میں تمہاری مساجد اور امام بارگاہوں میں دہشت گردی اور قتل و غارت گری کیا ہم کروا رہے ہیں؟

اے ہم پر انگلیاں اٹھانے والے سادہ لوح پاکستانی بھائی ذرا سوچو تو سہی کہ ہم تو تمہاری نظر میں مطلق العنان اور جابر بادشاہ تھے پھر بھی ہم نے مسلمانوں، ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کے درمیان مذہبی رواداری اور امن وامان کو قائم رکھا۔ مگر تم لوگوں نے کیا کیا۔ تمہیں تنقید کے لیے ہم ہی ملے ہیں؟ کیا تمہیں اپنے اردگرد کے ہلاکو خان نظر نہیں آتے؟ کیا حسن البنا، سید قطب اور ڈاکٹر نذیر جیسے خدا ترس اور نامور علما کے ناموں کے ساتھ شہید کے لفظ کا اضافہ ہم نے کیا یا یہ آپ کا اپنا کارنامہ ہے؟ اور یہ بھی بتاتے جاؤ کہ شام، عراق، مصر اور الجزائر وغیرہ جیسے اسلامی ممالک میں ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کا خون ناحق ہم نے بہایا ہے یا یہ بھی آپ ہی کی مہربانیوں کا نتیجہ ہے!

ہماری خواہش تو تھی کہ اب شاہ جہاں کچھ مزید ارشاد نہ ہی فرمائیں تو بہتر ہے۔ لیکن ان بادشاہوں اور حکمرانوں نے کب ہم جیسے درویشوں اور عوام الناس کی بات پر کان دھرا ہے جو آج ہماری بات سن لی جاتی۔ پھر آواز آئی کہ اے پاکستانی مہمان، ہماری ایک بات اور سنتے جاؤ۔ ہم تو ٹھہرے قبائلی اور ہمارا پس منظر بھی قبائلی ہی تھا، تیمور اور ہلاکو خاں جیسے بادشاہ ہماری پہچان تھے اور اس دور میں رائج الوقت اصول جس کی لاٹھی اس کی بھینس تھا۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا کرم تھا کہ جو اس نے ہمیں کلمہ گو ہونے کا شرف بخشا۔

ہم تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں اتر رہے تھے کہ پھر آواز سنائی دی کہ اگر تاریخ سے تمہیں تھوڑا بہت شغف ہے تو خلافت راشدہ کے چند سال اس میں سے نکال دو اور اس کے بعد کے تقریباً تمام ادوار سے ہماری حکومت اور ہمارے انتظام کا موازنہ کر کے دیکھ لو ہمارے ادوار میں امن وامان اور خوشحالی کسی دوسرے دورِ حکومت سے کم نہ ملے گی بلکہ ہمیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہت سوں سے بہتر پاؤ گے۔ یہ آخری ڈانٹ نما فہمائش تھی جو بہت حد تک درست تھی۔ اس کے بعد ہم نے عجلت میں دو روپے ٹوکن ادا کر کے اپنا جوتا واپس لیا اور جلدی جلدی مسجد کا رخ کیا۔ مسجد میں پہنچے تو ایسے محسوس کیا جیسے واقعی گوالیار سے ابھی ابھی نجات ملی ہو۔ مگر اس بات کی حسرت ہی رہی کہ تاریخ سے زیادہ واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے شاہ جہاں سے کھل کر پوری باتیں نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ صاحب مقبرہ اور ان کی بیگم کی مغفرت کرے۔ آمین۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قلعہ آگرہ

مسجد پہنچنے پر وضو کا ارادہ کیا تو پانی ندارد۔ وضو کا کوئی با قاعدہ انتظام بھی نہ پایا۔ مسجد کی طرف کے فوارے اور حوض وغیرہ خشک تھے۔ خادم کو تلاش کیا تو اس نے مہربانی کرتے ہوئے وضو کے لیے آدھا جگ پانی مہیا کر دیا۔ وضو کے بعد جگ واپس کرتے ہوئے شکریہ کے ساتھ ساتھ دس روپے کا ایک نوٹ بھی ساتھ دیا۔ یہاں ہم نے ظہر اور عصر کی قصر نماز ایک ساتھ ادا کی۔

نماز ادا کرنے کے بعد ہم نے ایک چکر جواب یعنی مہمان خانے کا لگایا۔ پھر ساتھ ہی بنائے گئے میوزیم کو دیکھنے چلے گئے۔ مغلوں کے عہد کی کافی چیزیں مثلاً فرامین، مسکوکات اور ظروف وغیرہ بہت سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں۔ مگر تاریخ کو تفصیلاً کھنگالنا ہمارا مقصد نہ تھا۔ تمام نوادرات کو سرسری طور پر دیکھنے تک محدود رہے۔ وقت کم محسوس ہو رہا تھا، دن بہت تیزی سے ڈھلتا جا رہا تھا، اور ہم نے ابھی قلعہ کی سیر بھی کرنا تھی۔ اسی لیے جلدی جلدی میوزیم کو خیر باد کہا اور تاج محل کے احاطے سے گزرتے ہوئے قلعہ کی طرف کھلنے والے مین گیٹ سے باہر آ گئے۔ باہر آتے ہوئے دعا کی اے اللہ تاج محل کے بانیوں اور باسیوں کی لغزشوں سے درگزر فرما اور انہیں اپنی بے پایاں بخششوں سے نواز۔ آمین!

شٹل سروس

قلعہ آگرہ تاج محل سے تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے جمنا ہی کے کنارے واقع ہے۔ فضائی آلودگی سے تاج محل کی حفاظت کے پیش نظر اس کے اردگرد دو تین کلومیٹر کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علاقہ آلودگی سے پاک (Pollution Free Zone) قرار دیا گیا ہے اور اس علاقے میں پبلک گاڑیاں لانے کی اجازت نہیں ہے۔ پرائیویٹ گاڑیاں ٹورسٹ بسیں البتہ آتی جاتی رہتی ہیں مگر وہ بھی ایک کلومیٹر قطر سے باہر ہی رہتی ہیں۔ اسی طرح تاج محل کے دس سے پندرہ کلومیٹر کے علاقے میں کوئی دھواں دینے والی فیکٹری یا مل قائم نہیں ہو سکتی۔ یہ سب احتیاطیں حکومت ہند کی جانب سے ان رپورٹوں کے بعد اختیار کی گئیں جو بین الاقوامی ایجنسیوں نے مرتب کیں کہ گاڑیوں اور ملوں سے خارج ہونے والی کثافتیں تاج محل کی شفاف سطح پر دھبے ڈال رہی ہیں۔ اور اس طرح تاج محل کی خوبصورتی ماند پڑنے کا خطرہ ہے۔ چنانچہ اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں تاج محل کا حسن گہنا نہ جائے تاج محل سے قلعہ آگرہ تک آلودگی سے پاک (Pollution Free) ایک شٹل سروس چلائی گئی ہے جو پٹرول کی بجائے بیٹریوں کی برقی طاقت سے چلتی ہے اور رفتار بھی اس کی مناسب ہی ہے لیکن کرایہ قدرے زیادہ۔ سیٹیں البتہ آرام دہ ہیں۔ شٹل میں اوورلوڈنگ نہیں کرتے۔ ورنہ بیٹریاں زیادہ وزن اٹھانے سے انکار کر دیتی ہیں۔ چنانچہ اسی شٹل بس میں ہم قلعہ پہنچ گئے۔

اردو شاعری کا تاج محل

آگرہ اس لحاظ سے بہت خوش قسمت ہے کہ اردو شاعری کے تاج محل جناب اسد اللہ خان غالب نے یہیں جنم لیا۔ مزید برآں آگرہ میں تاج محل جیسے شاہ نسل شاہکار کے علاوہ بھی چند ایک عظیم الشان عمارتیں ہیں۔ جنہیں بڑے بڑے شہنشاہوں نے تعمیر کروایا۔ وہ عمارتیں بھی ایسی نادر روزگار ہیں کہ چار صدیاں گزرنے کے باوجود اپنی شان و شوکت اور آب و تاب قائم رکھے ہوئے ہیں مگر ساتھ ساتھ نشان عبرت بھی ہیں کہ اپنے خالقوں کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بے ثباتی اوران کے فانی ہونے کا پیغام دیتے ہوئے فریاد کناں ہیں کہ: ؎

تخت زمیں پہ سیکڑوں آئے چلے گئے

آگرہ شہر کی بنیاد دریائے جمنا کے کنارے سولھویں صدی کے اوائل میں سکندر لودھی نے رکھی۔ شہر کی حفاظت کے لیے یہ قلعہ بھی اسی نے تعمیر کروایا مگر اس وقت اس کی تعمیر انیٹ، پتھر اور چونے سے کی گئی تھی۔ یہ علاقہ اس صدی کے وسط میں جب مغلوں کے زیر اقتدار آیا تو اکبر اعظم نے سنگ سرخ سے اس کی دوبارہ تعمیر کا حکم دیا۔ یہ قلعہ سات سال کے عرصہ میں تعمیر ہوا اور اس پر اس وقت کے حساب سے کل بیس لاکھ روپے خرچ آیا۔ اکبر اعظم ہی نے اس قلعہ میں سنگ سرخ سے ہی ایک مسجد بھی تعمیر کروائی۔ بعد ازاں اکبر اعظم کے بیٹے شہنشاہ جہانگیر نے اس میں ایک محل بنوایا۔ جس کو جہانگیری محل کا نام دیا گیا۔ جہانگیر کے بعد اسی قلعہ کے احاطہ میں شاہ جہاں نے سفید سنگ مرمر سے ایک نہایت خوبصورت مسجد بنوائی جس کو موتی مسجد کہتے ہیں۔ سفید موتی مسجد آج بھی سنگ سرخ سے بنے ہوئے قلعہ اور جہانگیری محل کے مقابلے میں انتہائی نمایاں، پرشکوہ اور نہایت حسین دکھائی دیتی ہے۔

مغل اعظم

شٹل بس سے اتر کر ہم قلعے کی طرف بڑھے قلعے کا بڑا دروازہ جسے دہلی گیٹ کہا جاتا ہے کافی بلند اور ہیبت ناک ہے کہ اس میں سے لدے پھندے پورے کے پورے ہاتھی گزر جائیں۔ ٹکٹ بوتھ سے ہم نے دوبارہ 13 روپے کا ٹکٹ لیا اور قلعہ کے اندر داخل ہو گئے۔ اندر آنے پر احساس ہوا کہ قلعہ کتنا وسیع ہے۔ سرخ رنگ کی مضبوط اور تقریباً چالیس فٹ اونچی دیواروں کے ساتھ یہ بہت وسیع اور خوف ناک لگ رہا تھا۔ یہاں آ کر یہ بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معلوم ہوا کہ اکبر اعظم نے قلعہ آگرہ کی اس مسجد کے علاوہ آگرہ سے بیس پچیس کلومیٹر دور فتح پور سیکری میں ایک اور عظیم الشان مسجد بھی تعمیر کروائی تھی جس کے بڑے دروازے کو بلند دروازہ کہا جاتا ہے۔ اور جو شاید اب تک کسی بھی مسجد کا سب سے بڑا اور پر شکوہ دروازہ ہے۔ یہ پتہ نہ چل سکا کہ یہ مسجد کس مغل اعظم نے بنوائی تھی۔ یقیناً یہ مسجد ابتدائی دور کے اس اکبر اعظم کی ہی تعمیر کردہ ہوگی جو ایک بہت اچھا مسلمان تھا، علما کا بہت قدردان تھا، ان کی خدمت فراخ دلی سے کرتا تھا اور ان کے جوتے تک سیدھے کرنے کو اپنی نیک بختی خیال کرتا تھا۔ نماز باجماعت کی پابندی تو ایک طرف اکبر خود اذان دیتا، امامت کرتا اور مسجد میں جھاڑو دیتا تھا۔ کیونکہ یہ مسجد اس اکبر اعظم کی تعمیر کردہ تو ہو نہیں سکتی جو بعد میں چند کوتاہ نظر علما، فریبی مصاحبوں، خود غرض اور ملحد ہندو نورتنوں کی سازشوں میں آ کر تفرقہ بازی اور مناظروں پر اتر آیا، رفتہ رفتہ گمراہی کے راستے پر چل نکلا اور آخر کار اتنا دور نکل گیا کہ اس کے ایمان پر ہی شک کیا جانے لگا۔ شاید اس کی مسلمانوں پر سختیاں اور غیر مسلموں پر اندھا دھند نوازشات ہی کی وجہ سے غیر مسلم تاریخ دان اس بے دین اکبر کے گن گاتے ہیں۔ اور اس کو مغل اعظم اور اکبر اعظم جیسے ناموں سے یاد کرتے ہیں اور اس کی اسلام اور مسلمان دشمنی پر پردے ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مجدد الف ثانیؒ

اکبر کی گمراہی اور اسلام دشمنی کے باوجود بعد کے بادشاہوں میں اسلامی عقیدے کا سفر جہانگیر اور شاہ جہاں سے ہوتا ہوا اورنگزیب تک پہنچا۔ اکبر کے دین الٰہی کے فتنہ کے بعد اسلامی اقدار کا احیاء جان جوکھوں کا کام تھا مگر آفرین ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے نادر روزگار ساتھی علما ہر طرح کی تکالیف برداشت کرتے ہوئے یہ عظیم الشان کارنامہ انجام دینے میں کامیاب ہو گئے۔ نیز انہوں نے ویدانتی اور وحدت الوجودی فتنوں کا بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تزکیہ کیا۔ مغلیہ خاندان کے منظر سے ہٹ جانے کے باوجود یہ انہی کی کوششوں اور قربانیوں کا صلہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمان اور اسلام پہلے سے بھی زیادہ طاقت ور ہو گئے اور انہوں نے انگریزی استعمار کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اورنگ زیب عالمگیر ایک نہایت خدا ترس اور پرہیزگار بادشاہ تھے۔ انہوں نے حکومت کو اسلامی طرز پر چلانے کی ان تھک کوششیں کیں۔ ان کی ان کوششوں کی وجہ سے ان پر مذہبی جبر کا الزام بھی لگا۔ انہیں متعصب بھی کہا گیا مگر صحیح تاریخی واقعات کے تناظر میں یہ الزام باطل نکلا۔ کیونکہ ان کے دربار میں بھی متعدد ہندو فوجی اور درباری عہدوں پر متعین تھے۔ لیکن وائے افسوس کہ اورنگ زیب عالمگیر کے بعد پورا مغلیہ خاندان اچانک ہی بیٹھ گیا۔ وجوہات کچھ بھی ہوں لیکن ایک چیز یقینی اور متعین ہے کہ ع ''ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں''۔ کل من علیھا فان۔ ویبقٰی وجھہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

ولی عہد

اکبر اعظم کی گمراہی اور مذہبی دیدہ دلیری کی وجوہات پر غور کیا جائے تو بہت حد تک اس کی ذمہ داری اس کے ابتدائی حالات زندگی اور بچپن کی صحیح رخ پر تربیت کے فقدان پر ڈالی جا سکتی ہے۔ ہمایوں، شیر شاہ سوری کے ہاتھوں شکست کے بعد وہ دوبارہ تخت کے حصول کے لیے مارا مارا پھر رہا تھا اس دوران اکبر جو کہ ابھی صرف چند سال کا بچہ تھا اپنے چچا شاہزادہ کامران مرزا کے پاس ایک قیدی کی حیثیت سے پرورش پا رہا تھا۔ کیونکہ کامران ہمایوں کا دشمن بن گیا تھا اور جب ہمایوں ایران کی طرف فرار ہوا تو کامران نے ہمایوں کی لشکرگاہ پر حملہ کر کے سب کچھ لوٹ لیا اور اکبر کو کابل کے قلعے میں پہنچا دیا تھا۔ اس لیے اکبر کی مناسب تربیت کا انتظام نہ ہو سکا اور وہ بالکل ان پڑھ ہی رہا۔ ہمایوں تقریباً 15 سال بعد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوبارہ تخت نشیں ہوا پھر جلد ہی لگ بھگ ایک سال بعد فوت بھی ہوگیا۔ یہ سارا دورا کبر کا بچپنا ہی تھا۔ ہمایوں کی وفات پر کسی نے کیا خوب کہا کہ ''وہ ایسا وسیع ملک چھوڑ کر گیا جو ابھی فتح نہیں ہوا تھا، ایسا ولی عہد چھوڑا جو ابھی بالغ نہیں ہوا تھا، ایسی بادشاہت قائم کی جو ابھی جمی نہ تھی''۔ پھر بچپن ہی میں صرف 12 سال کی عمر میں اکبر پنجاب کا گورنر بنا اور صرف 13 سال کی عمر میں ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔

کہا جاتا ہے کہ اکبر کی گمراہی میں اس وقت کے چیف قاضی صدر الصدور عبدالنبی کے تحکمانہ رویہ کا بھی کچھ دخل تھا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ پورے طور پر صحیح نہ ہو مگر پھر بھی اس سے حکمت تبلیغ کی اہمیت تو ظاہر ہوتی ہے کہ ذرا سی بے احتیاطی اکبر کو الحاد کے راستے پر ڈال سکتی ہے۔ واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے بھرے دربار میں اکبر کو زعفرانی رنگ کا لباس پہننے پر بہت گستاخانہ انداز میں ڈانٹا۔ اکبر نے اس کا بہت برا منایا اور اپنی ماں سے بھی شکایت کی جو کہ قاضی صاحب کی بہت مداح تھیں۔ اکبر نے یہ بات دل میں رکھی اور بعد میں اس نے ان کے مخالف علما بالخصوص ابوالفضل اور فیضی برادران کو دربار میں قاضی صاحب کی بہ نسبت زیادہ اہمیت دی۔ یہ دونوں علما ایک طرف تو نظریہ وحدت الوجود کے قائل تھے جسے جمہور علما رد کر چکے تھے اور دوسری طرف دین حنیف کے سخت مخالف اور اکبر کے دین الٰہی کے خاص مرتبین میں سے تھے۔ ابوالفضل اس تاریخی فقرے کے بھی خالق ہیں جو بعد میں ہر موقع پرست کا نشان بن گیا۔

مانوکر مردی ایم ۔۔۔۔ نوکر بادنجان نیم

(میں ایک آدمی کا نوکر ہوں کسی بینگن کا نہیں)

درباری مناظرے

اکبر نے ذہن تو رسا پایا تھا مگر ناپختہ عمری میں بے پناہ اختیارات اور اسلامی تربیت کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کمی کی وجہ سے ناعاقبت اندیش مصاحبوں، چالاک وعیار نورتنوں اور موقع پرست اور چانکیائی ہندو درباریوں کی سازشوں کا شکار ہو گیا۔ پہلے تقریباً 28 برس تک راسخ العقیدہ مسلمان رہا۔ اس نے تقریباً پورے ہندوستان کو فتح کر کے اسلامی حکومت کو مستحکم کیا۔ صنعت وحرفت کو ترقی دی، ملک میں امن وامان قائم کیا، نظام حکومت اور خصوصی طور پر زرعی نظم ونسق ایسا بنایا کہ آج تک نافذ العمل ہے۔ اس نے مسجدیں بنوائیں، مزارات پر حاضریاں دیں اور حج کا ارادہ بھی ظاہر کیا مگر بعد میں ان علمائے سو نے چن چن کر ایسے ایسے موضوعات اور واقعات پر مباحثے اور مناظرے کرائے کہ جن کی وجہ سے امت مسلمہ پہلے ہی افتراق وانتشار کا شکار رہی ہے۔ مسلم ہندو، مسلم عیسائی اور شیعہ سنی مناظرے اور مباحثے خوب زور پکڑتے گئے اور ایسے مواقع پر راست فکر علما کو کم ہی بلایا جاتا اور اس طرح اکبر کے سامنے صحیح حقائق کی نشان دہی نہ ہو پائی۔ جس کی وجہ سے وہ عقیدۃً اور عملاً بے راہ روی اور گمراہی کا شکار ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ بہت حد تک اسلام سے ہی برگشتہ ہو گیا۔ اس نے صدر الصدور عبدالنبی اور ان کے ساتھی صحیح العقیدہ علما کو چن چن کر شہید کرایا یا ملک بدر کر دیا۔

اس دور کے بعض مسلمان مؤرخین اکبر کو مرتے وقت کلمہ پڑھاتے نظر آتے ہیں۔ مگر اس کی بدقسمتی کہ دفناتے وقت باوجود کوشش کے اس کا چہرہ کعبۃ اللہ کی طرف نہ موڑا جا سکا کیونکہ اس نے اپنا مقبرہ اپنی زندگی میں خود ہی ایسا بنوایا تھا کہ چہرے کا رخ چڑھتے سورج کی طرف رہے کیونکہ وہ سورج کو مہا دیوتا سمجھتا تھا اور اس کی پرستش کرتا تھا۔ ہندوؤں پر اتنی نوازشات کے باوجود مغلوں کے دور آخر میں ہندو جاٹوں نے اس کے مقبرے کو تاراج کیا، چاندی کے دروازے لوٹے اور اس کی ہڈیاں تک نکال کر جلا دیں۔ اللہ مغفرت کرے عجیب آزاد بادشاہ تھا۔ اس کے برعکس شیواجی کا بیٹا اورنگزیب کے مزار پر خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے حاضر ہوا۔

www.kitabosunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ" اکبر"

اس وقت کے چند شاطر درباریوں اور ہندو نورتنوں نے اکبر کے دماغ میں یہ بٹھلا دیا کہ وہ "مظہر حق ہے، منبر راہنمونی یعنی ہادی" ہے، دوسرے دیوتاؤں کی طرح وہ بھی ایک "اوتار" ہے اور شہنشاہ ہونے کی حیثیت سے رعایا کی بھلائی کے لیے مذہبی عقائد کے اختلافات کو ختم کرنا بھی اسی کا فرض ہے۔ ایسا کرنے سے رعایا پر اس کا بڑا احسان ہوگا اور اس کام کے لیے یہ ضروری ہے کہ تمام مذاہب کے اچھے اچھے احکامات لے کر ایک نیا دین بنا دیا جائے اور تمام رعایا کو حکم دیا جائے کہ وہ اس کی پابندی کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ اکبر کی گمراہی میں اضافہ کرنے کے لیے اس کے دماغ میں یہ بھی ڈالا گیا کہ تکبیر اللہ اکبر میں اکبر کا لفظ (نعوذباللہ من ذالك) اکبر کے لیے ہے۔ چنانچہ اتنی زبردست دلیل کی موجودگی میں اکبر کا دماغ بھی خراب ہوگیا اور الٹی سمت چل نکلا جس کا نتیجہ دین الٰہی کی شکل میں ظاہر ہوا جس کو اس وقت "آئین راہنمونی" کہا جاتا تھا۔

سرزمین ہند میں کسی نئے دین کا ظہور کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ یہ جگہ اس طرح کے دینی اور مذہبی ملغوبے (Mixtures) بنانے میں بہت زرخیز ہے۔ مختلف ادوار میں ایسے بہت سے ملغوبے بنانے اور چلانے کی کوششیں کی گئیں اور ان کوششوں کی نمایاں ترین مثالیں بدھ مت، جین مت، آریہ سماج، سکھ مت، مرزائیت اور اسلامی سوشلزم وغیرہ وغیرہ ہیں۔ آج کل بھی بہت سے لوگ بلکہ بہت سی حکومتیں اس غم میں گھلی جا رہی ہیں کہ اسلام کو کسی طرح مغرب کے لیے قابل قبول بنایا جائے۔ ان دنوں کچھ اس قسم کی فکری اصطلاحیں وضع کی جا رہی ہیں کہ قائداعظم کا اسلام، اقبال کا اسلام، روشن خیال، اعتدال پسند اور لبرل اسلام وغیرہ وغیرہ۔ ایسی تمام کوششوں میں ناکام ترین مثال دین الٰہی ہی کی رہی۔ کیونکہ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دین اکبر کی موت کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ خس کم جہاں پاک۔ مگر اکبر کی ناکامی کی کسر انیسویں صدی کے آخر میں مغلوں ہی کی نسل کے مرزا غلام احمد آف قادیان (1845-1908ء) نے پوری کر دی۔ مرزا صاحب نے انگریزوں کی مدد سے نبی (کاذب) ہونے کا دعویٰ کر کے امت مسلمہ کے لیے ایک بہت بڑا فتنہ کھڑا کر دیا۔

دین الٰہی:

اکبر کے دین الٰہی کی خاص خاص غیر اسلامی دفعات میں گائے کی قربانی پر پابندی، ڈاڑھی منڈانے کا حکم، بادشاہ کو سجدہ ضروری، 12 سال کی عمر تک ختنے پر پابندی، مسجدیں بنانے پر پابندی، نمازیں بے فیض، روزے اندھا پن، حج ممنوع، گائے کا گوبر پاک، زرتشت پر ایمان اور آگ کی پوجا، شراب کی اجازت، اواگون پر یقین، دن میں چار مرتبہ سورج کی پوجا، سور اور کتے پاک، عربی پڑھنے اور سیکھنے پر پابندی وغیرہ شامل تھیں۔ اکبر پیشانی پر تلک لگا کر، گلے میں صلیب پہن کر سورج کی پوجا کرتا اور اسلامی تہواروں کی بجائے تمام ہندو تہوار بڑے اہتمام سے مناتا۔ کلمہ طیبہ کی جگہ لا الہ الا اللہ اکبر خلیفتہ اللہ اور بسم اللہ کی جگہ اللہ اکبر لکھا جانے لگا۔ اکبر کی آٹھ بیویوں میں سے کچھ ہندو راجوں مہاراجوں کی بیٹیاں تھیں جو بظاہر تو مسلمان ہو گئی تھیں مگر انہوں نے ہندو رسم و رواج نہیں چھوڑے تھے۔ وہ صبح صبح وشنو دیوتا کے ایک اوتار سور کی زیارت کو باعث برکت خیال کرتی تھیں اس لیے انہیں محلات میں سور رکھنے کی اجازت تھی۔ ان تمام خرافات میں سے کچھ تو جہانگیری دور میں ختم ہو گئیں اور باقی کو شاہ جہاں نے ختم کیا۔ اللہ جزا دے۔

اکبر کے دین الٰہی کی ناکامی پر اظہار اطمینان کرتے ہوئے ہم قلعہ میں آگے بڑھے۔ مغلوں کے تعمیر کردہ تمام قلعے تقریباً ایک ہی طرح کا نقشہ پیش کرتے ہیں ایک ہیبت ناک قسم کا بڑا دروازہ جس میں سے شاہی ہاتھی مع سواری آرام سے گزر جائے، ایک مضبوط، کافی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چوڑی اوراونچی فصیل، دیوان عام، دیوان خاص، محلات، سیر گاہیں، خوبصورت فوارے اور پھولوں کی روشیں، پھلوں کے باغات اور بیرکیں وغیرہ وغیرہ۔ آگرہ دہلی اور لاہور کے مشہور قلعے سب کے سب تقریباً ملتی جلتی عمارتیں ہیں۔

جہانگیری محل

آج اتوار کا دن تھا اور عام چھٹی تھی۔ شاید اس لیے یا پھر تاج محل کے ہمسائے کی وجہ سے ایسے لگا جیسے قلعہ کو دیکھنے کے لیے بھی کافی لوگ آتے ہیں۔ کیونکہ سیاحتی رہبر (Tourist guides) کافی تعداد میں موجود تھے۔ اندر ایک طرف چند دوکانیں بھی تھیں جہاں پانی کی بوتلیں اور سیگریٹ وغیرہ دستیاب تھے۔ قلعہ کی عمارتیں سرسری طور پر دیکھتے ہوئے ہم جہانگیری محل میں آگئے۔ یہ ایک خوبصورت محل ہے۔ ایک ایک چیز نہایت سلیقے سے تعمیر کردہ ہے۔ یہ محل شہنشاہ جہانگیر نے اپنی ایک اور بیوی ملکہ مریم زمانی کے لیے بنوایا تھا جو ہندو راجہ موتھ کی بیٹی تھی۔ قلعہ میں محل کے ساتھ ہی ایک قد آدم پتھر کا پیالہ رکھا ہے جو ایک ہی چٹان کو کاٹ کر بنایا گیا ہے اور مشہور ہے کہ ملکہ نور جہاں اس میں عرق گلاب ڈال کر غسل کیا کرتی تھی۔ محل کی خوبصورتی کی داد دیتے ہوئے ہم موتی مسجد کی طرف بڑھ گئے۔

موتی مسجد

مسجد کیا تھی واقعی موتی کے مانند۔ سفید، خوبصورت اور تعمیر میں یکتا اور نہایت متناسب، یہ مسجد بھی دیکھنے کی چیز ہے۔ موتی مسجد کافی بلندی پر واقع ہے۔ اوپر پہنچتے ہی آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ یہ کتنی عظیم الشان، سحر انگیز اور ممتاز عمارت ہے جس میں شاہانہ انداز کے ساتھ ساتھ نزاکت، سادگی، اعلیٰ ذوق اور خوشگوار لطافت بھی پائی جاتی ہے۔ جس کسی نے کہا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوب کہا کہ ''یہ مسجد مساجد کا موتی ہے''۔ یہ مسجد سات برس کے عرصہ میں شاہ جہان کے حکم پر تین لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر ہوئی۔ اس میں چھ سو نمازیوں کی گنجائش ہے اور خواتین کے لیے باپردہ بغلی کمرے ہیں۔ گویا کہ مغلوں کے عہد تک خواتین باقاعدہ مساجد میں آتی تھیں۔ بعد میں مساجد میں خواتین کے لیے علیحدہ جگہ بنانا بند کر دیا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب وہ اپنی مساجد علیحدہ بنانے اور خود امامت کرانے پر اتر آئی ہیں۔ ہمارے خیال میں مسجد نبوی ﷺ کی طرح عام مساجد میں بھی خواتین کو فجر اور عشا کی نماز ادا کرنے کی سہولت مہیا کی جانی چاہیے۔

پورے تاریخی پس منظر کی تفصیل جانے بغیر اور بغیر کسی مستند گائیڈ کے اس طرح کی تاریخی عمارتوں کی سیر ایسے ہی ہے جیسے کوئی ان پڑھ کتابوں کا قدردان کسی لائبریری میں چلا جائے اور کتابوں کی الماریوں کی ترتیب اور جلدوں کا رنگ دیکھ کر ہی خوش ہوتا پھرے۔ یہاں سے بھی تاج محل سامنے ہی نظر آ رہا تھا۔ بہتے ہوئے دریا کے کنارے، کشش اتنی کہ دیکھتے ہی جائیں۔ تاہم وقت کی کمی کی وجہ سے ہماری اب یہ کوشش تھی کہ تاج محل کی طرف سے نظریں ہٹا کر کچھ وقت کے لیے قلعے کی ان دیواروں کی داستان بھی سنیں جن کے درمیان شاہ جہاں نے اپنی زندگی کے آخری چند سال اپنے ہی بیٹے کے ایک معزز قیدی کی حیثیت میں گزارے تھے۔

انتقال اقتدار

ہم شاہ جہاں سے پوچھنا تو یہ چاہتے تھے آپ کے تخت شاہی پر متمکن ہونے کے باوجود اقتدار کی جنگ کیسے شروع ہو گئی۔ آپ نے اتنی اصلاحات کیں، اتنے ضابطے بنائے، اتنے اچھے اور پرامن انداز سے حکومت کی کہ اپنے تو اپنے غیر بھی مان کر دیتے ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مگر حیرت تو اس بات پر ہوتی ہے آپ پر امن تبدیلی اقتدار کے لیے کوئی ضابطہ نہ بنا سکے۔ ہماری مجبوری دیکھیے کہ ہم اب یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ امریکی سازش تھی کیونکہ امریکہ اس وقت کسی گنتی میں نہ تھا۔ کیا آپ دارا شکوہ کو اقتدار دینا چاہتے تھے اور بھائیوں میں جنگ اقتدار شروع ہوگئی۔ ہمارے خیال میں اورنگزیب عالمگیر نے سخت زیادتی کی تھی کہ اس نے آپ جیسے اچھے باپ سے اقتدار چھین کر قلعے میں بند کر دیا کہ اپنے باپ دادا کے بنائے ہوئے وسیع محل کے اندر جا کر رہیں اور اپنی بنائی ہوئی مسجد میں عبادت کر کے اپنی بخشش کا سامان کریں۔ عالمگیر کی باپ اور بھائیوں سے سلوک کی حمایت نہیں کرتے مگر یہ اس کا عظیم احسان ہے کہ دارا شکوہ کی شکل میں ایک دوسرے اکبر کو ملک پر مسلط نہیں ہونے دیا۔ دارا شکوہ وحدۃ الوجودی تھا جس کے نزدیک بھگوت گیتا اور قران میں کوئی فرق نہیں تھا بلکہ خود قران مجید نعوذ باللہ ہندو ''اپنیشدوں'' سے ماخوذ تھا۔

ایک عرض تو ہم بہر حال کر سکتے ہیں کہ یہ کہیں اسی غلطی کا دوسرا رخ تو نہیں ہے جو کبھی آپ نے بھی کرنے کی کوشش کی تھی۔ ہم مانتے ہیں کہ آپ کی اپنے بابا جہانگیر کے خلاف بغاوت میں زیادہ ہاتھ آپ کی دوسری والدہ ملکہ نور جہاں اور دوسرے خود غرض درباریوں کا تھا اور ہمیں یقیناً اس سے بہت خوشی ہوئی کہ اپنی راست فکری اور باپ کے ادب کی وجہ آپ بہت جلد راہ راست پر آ گئے۔ ویسے آپ کے درباری حالات سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اکبر کے عہد سے ہی شاہی دربار میں اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز ہندو راجوں، مہاراجوں اور نورتنوں کا عمل دخل اتنا زیادہ تھا کہ وہ بادشاہ گر بن بیٹھے تھے۔ اور اس وجہ سے پر امن انتقال اقتدار کی جگہ عام طور پر خونی انتقال اقتدار ہی ہوتا تھا۔ یہ باتیں سوچتے ہوئے ہم نے شہنشاہ اکبر یا شاہ جہاں سے دوبارہ مکالمہ کرنے کی کوشش نہ کی کہ مبادا شہنشاہ اکبر ہم سے اپنے لاڈلے بیٹے سلیم (جہانگیر) اور شاہ جہاں اپنے والدین شہنشاہ جہانگیر اور ملکہ نور جہاں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے حالات پوچھنے بیٹھ جائیں اور ہمیں وہاں نور جہاں کا اپنا شعر سنا نا پڑ جائے ؎

برمزار ما غریباں نے چراغے نے گلے ‏ نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

مقبرہ نور جہاں

پھر ہمیں یہ بھی بتانا پڑ جائے کہ سکھوں کے رنج بخش دور میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس بے چراغ اور بے گل قبر کو بھی نہ بخشا۔ اسے اکھیڑ کر تابوت باہر نکالا اور اسے اس امید پر توڑا کہ شاید اس میں سے نور جہاں کے زیورات اور ہیرے جواہرات برآمد ہوں۔ عام لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ تابوت سونے کا ہے اور ملکہ کے زیورات ساتھ دفن کیے گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ رنجیت سنگھ کو کوئی ذاتی غصہ بھی ہو۔ مگر سکھ تو ہندوؤں کی طرح عورت کو کمتر ذات نہیں سمجھتے اور مردہ لاش کی بے حرمتی تو ویسے ہی بہادری کے خلاف ہے۔ مگر برا ہو لالچ کا کہ قبر اور تابوت کی بے حرمتی اور بدنامی کے علاوہ مہاراجہ کے حصے میں کچھ اور نہ آیا۔ وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ مزید براں انہوں نے اسے پھر ایسے ہی چھوڑ دیا۔ بعد میں انگریزی دور میں مرمت کی گئی۔

مغلوں سے متعلق ایسے ہی غیر ذمہ دارانہ سے خیالات لیے ہم بے دھڑک قلعہ میں گھومتے رہے۔ شام ہو رہی تھی اور وقت پر آگرہ ریلوے سٹیشن بھی پہنچنا تھا اس لیے واپسی کا سوچا اور آخر میں ایک سرسری سی الوداعی نگاہ چاروں طرف ڈالی اور دوبارہ اسی بڑے دہلی گیٹ سے باہر نکل آئے جہاں سے داخل ہوئے تھے۔ یہ خیال ذہن میں آتا رہا کہ اگر اتنے بڑے بڑے اور مضبوط قلعے بنا کر رہنے والے بادشاہ بلکہ شہنشاہ نہ رہے اور فنا کے گھاٹ اتر گئے تو ہم کس باغ کی مولی ہیں جو سب کچھ محسوس کرتے اور دیکھتے ہوئے بھی سبق نہیں لیتے اور عبرت نہیں پکڑتے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آگرہ ریلوے سٹیشن

قلعے سے واپسی پر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ہم تھوڑی ہی دیر میں اسی جگہ پہنچ گئے جہاں صبح ہمیں رکشے والے نے اتارا تھا۔ میلے کی رونق اس وقت صبح کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ ہر طرف شور ہی شور تھا۔ آسمان پر بادلوں کی بکھری بکھری ٹکڑیاں ادھر ادھر متحرک تھیں۔ ہم بھی رکشا وغیرہ کی تلاش میں ابھی آگے بڑھ ہی رہے تھے کہ اچانک ایک بدلی کا موڈ بدلا اور موٹے موٹے چھینٹے پڑنے لگے اور جلد ہی بارش کی شکل اختیار کر گئے۔ بارش چونکہ کچھ تیز تھی اس لیے ہم نے پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کی کہ کپڑے بھیگنے سے بچ جائیں۔ قریب ہی چند کیکر کے درخت نظر آئے جن میں سے ایک نزدیک ترین درخت کو عارضی پناہ گاہ کے طور پر چنا اور اس کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ مگر جلد ہی ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور فوراً درخت کے نیچے سے باہر نکل آئے۔

کیکر

کیکر کا درخت ویسے ہی بڑا چندرا اور کم ظرف سا لگتا ہے۔ اس کا سایہ بھی بالکل معمولی اور ملگجا سا۔ مگر اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ بڑا صابر اور شاکر درخت ہے پانی بہت کم مانگتا ہے اور موسم کی سختیوں کا زیادہ گلہ کرتا بھی نظر نہیں آتا۔ خشک علاقوں میں بھی اپنے چھوٹے چھوٹے پیلے پھولوں، گرہ دار پھلیوں اور نوکیلے تیز کانٹوں کے ساتھ خشک سالی کا مردانہ وار مقابلہ کرتا رہتا ہے۔ اس کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ یہ گاؤں میں جوتے بنانے والے موچی کا بڑا خیر خواہ ہے۔ کیونکہ اگر اس کے کانٹے پاؤں میں چبھنے کا خوف نہ ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو گاؤں کے لوگ جوتے کم ہی پہنیں۔ گاؤں میں عمارتی استعمال، سادہ فرنیچر اور جلانے کی لکڑی کی ایک بڑی مقدار کے علاوہ نمازیوں کے لیے مسواک فراہم کرنا بھی کیکر کی ایک بڑی ذمہ داری ہے۔ مگر آگرہ میں تاج محل کے زیر سایہ خشک سالی کا مارا ہوا کیکر کا یہ درخت جس کے نیچے ہم بارش سے پناہ لینے کی کوشش کر رہے تھے کچھ زیادہ ہی بے مروت نکلا۔ جسامت ایسی جیسے ابھی ابھی ایتھوپیا کے قحط زدہ علاقے سے وارد ہوا ہو، پتے چولستان میں اگنے والے پودوں سے بھی کم، اور کانٹے ایسے کہ چین سے آبادی کا مقابلہ جیت لیں۔ بس کیا تھا فوراً ہی ٹپکنا شروع ہو گیا۔ اس سے ٹپکنے والے چند قطرے جو ہمارے سفید لباس پر گرے تو ایسے لگا جیسے گہرے خاکی رنگ کا پینٹ گر رہا ہو۔ اس لیے ہم نے سوچا کہ اس کیچڑ کا سپرے کرنے والی چھتری سے تو باہر بارش میں بھیگنا ہی بہتر ہے۔ بعد میں پتا چلا کہ آگرہ میں اس غیر متوقع بارش سے لوگ بہت خوش ہیں کیونکہ یہ بارش کافی عرصہ کی خشک سالی کے بعد ہوئی اور یوں آج یہ درخت بھی دھل کر اپنی گرد اور میل کچیل اتار پھینکنے کے چکر میں تھا۔

کچھ ہی دیر میں بارش تو ہلکی ہو گئی لیکن اس دوران کپڑے بھیگ گئے اور کچھ خنکی بھی محسوس ہوئی لیکن بارش سے فائدہ یہ ہوا کہ کپڑوں پر سے کیکراتی میل کچھ تو دھل گیا اور باقی پھیل کر یک رنگ سا ہو گیا۔ اب لباس ایسے تو نہیں لگ رہا تھا جیسا کہ کالج کے سنہرے زمانہ میں برساتی دن (Rainy day) مناتے ہوئے سینئر لڑکوں کے ہاتھوں فرسٹ ائیر والوں کا ہوتا ہے۔ لیکن کپڑوں کا رنگ اب خاکستری سا لگ رہا تھا جو زیادہ میلے ہونے کا تاثر دے رہا تھا۔

شہر کی طرف چلے تو تھوڑی دور آگے ایک چھپر نما قہوہ خانہ نظر آیا۔ خنکی تو محسوس ہو ہی رہی تھی اس لیے گرما گرم چائے کے دو کپ نوش جاں کرنا پڑے۔ عام طور پر تو ایک کپ پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہی اکتفا کیا جاتا ہے مگر یہ کپ جس میں ہمیں چائے پیش کی جا رہی تھی اتنی انوکھی شکل کا تھا کہ اسے کپ کہنا ہی زیادتی ہوگا۔ یہ شیشے کی ایک کیف نما گلاسی (Pigglet) تھی جو نیچے سے بہت تنگ اور اوپر سے قدرے کم تنگ تھی۔ اس میں بمشکل دو گھونٹ ہی چائے آتی ہوگی۔ بہر حال ہم نے اس کو غنیمت جانا اور چائے کے ساتھ ساتھ واپسی کے لیے معلومات بھی حاصل کیں۔ بتایا گیا کہ سٹیشن تک جانے کے لیے لوکل بس سب سے مناسب رہے گی۔ چنانچہ ہم نے فیصلہ کیا کہ واپسی کے لیے لوکل بس سے بھی سفر کا مزہ چکھا جائے۔ بارش کی وجہ سے ہم نے سٹاپ پر جانے کی بجائے وہیں پر ہاتھ کھڑا کر کے بس روکنے کا پوچھا تو بتایا گیا کہ ایسا ممکن نہیں کیونکہ یہاں بسیں سٹاپ کے بغیر نہیں رکتیں خواہ کتنی ہی سواریاں کھڑی ہوں۔ آپ کو بس سٹاپ پر جانا ہوگا بس خود بخود رکے گی۔ بس سٹاپ اگرچہ زیادہ دور نہ تھا مگر سڑک اتنی خراب اور کیچڑ زدہ تھی کہ وہاں تک جاتے جاتے ہمارے جوتے کیچڑ میں لت پت ہو گئے۔

مساوات

بس سٹاپ پر کھڑے ابھی چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ بس آ پہنچی۔ یہ ایک عام سی بس تھی۔ اس کے آگے بڑے بڑے انگریزی حروف میں ٹاٹا (TATA) لکھا ہوا تھا۔ ہم نے کنڈکٹر سے کہا کہ ریلوے سٹیشن جانا ہے تو اس نے ہمیں اوپر چڑھنے کا حکم دیا۔ ہم نے اپنے اسلام آباد میں روٹ نمبر 104 اور 113 پر سفر کے تجربے کی بنیاد پر کنڈکٹر کے حکم کا بالکل برا نہیں مانا اور چپ چاپ بس میں سوار ہونے میں ہی عافیت سمجھی۔ بس میں بیٹھنے کا ذکر ہم نے اس لیے نہیں کیا کیونکہ ہمیں اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی اور آگرہ کے ریلوے سٹیشن تک رش بڑھتا ہی گیا بس میں خواتین بھی خاصی تعداد میں تھیں۔ مرد و زن کی کوئی تمیز نہ تھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور نہ ہی صنفین کے آپس میں بچنے بچانے کی کوئی خاص احتیاط کی جارہی تھی۔ خواتین مسافروں کو بھی مردوں ہی کی طرح کبھی آگے اور کبھی پیچھے دھکیلا جارہا تھا۔ آخر مساوات مرد وزن بھی تو کوئی چیز ہے اور آج کل ایک دل پسند اور مشہور نعرہ بھی۔ کنڈکٹر اتنی ہی بے خوفی اور بدتمیزی سے چلا چلا کر بات کررہا تھا جیسا کہ ہمارے ہاں عام طور پر اوورلوڈ بس میں مسافروں خاص طور پر مرد مسافروں اور طالب علموں سے کی جاتی ہے۔ کنڈکٹر پنجابی ہی کی قسم کی کوئی زبان بول رہا تھا مگر اس کی گفتگو زیادہ تر ناشائستہ اور سخت الفاظ پر مشتمل تھی۔ تقریباً پون گھنٹہ کھڑے بے یارومددگار مگر یادگار سفر کے بعد ہمارا مطلوبہ سٹاپ آگیا اور ہم نے بس سے نجات پا کر سکھ کا سانس لیا۔ شاید ایک سواری اترنے پر بس کے تاثرات بھی ہم سے ملتے جلتے ہوں۔ اس کے بعد ہم اسٹیشن کی طرف چلے تاکہ وہاں پہنچ کر تھوڑی دیر کے لیے کہیں بیٹھ کر ستالیں۔

پلیٹ فارم

پلیٹ فارم تک پہنچتے پہنچتے نماز مغرب کا وقت ہوگیا۔ وضو کیا اور موقع غنیمت جان کر اپنے کیچڑ زدہ جوتے بھی دھوڈالے۔ اس کے بعد ہم نے مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی ادا کیں۔ نماز کی ادائیگی کے بعد کوئی انتظارگاہ تلاش کرنے کی بجائے باہر پلیٹ فارم پر ہی ایک بنچ پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر ستانے کے بعد ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ معلوم ہوا کہ آگرہ کا یہ پلیٹ فارم کافی بڑا ہے اور کچھ کچھ پررونق بھی ہے۔ ہم نے سوچا کہ چلو پلیٹ فارم کا جائزہ تو لیں اور کچھ دیر چہل قدمی کریں۔

پلیٹ فارم کافی لمبا تھا اور اس کے ایک کنارے سے میوزک کی آواز مسلسل آئے جارہی تھی۔ ہم بھی اسی طرف ہولیے کہ دیکھیں کیا ہورہا ہے۔ ہم ابھی چند قدم ہی چلے تھے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ اتنے میں سامنے والے دوسرے پلیٹ فارم پر چند بندر نظر آئے جو چوری چوری ایک مسافر کے سامان کی تلاشی لے رہے تھے۔ اس مسافر کو بھی جلد ہی بندروں کی کارستانی کا پتہ چل گیا اور اس نے بندروں کو ایک چھڑی سے ڈرا کر بھگا دیا۔ وہ بندر بہت ہی ڈھیٹ نکلے۔ ذرا سی دیر میں پھر آدھمکے۔ اسی طرح بندروں کو بھگاتے بھگاتے وہ بے چارہ زچ ہو کر رہ گیا۔ آخر کار اس نے چھڑی پکڑی اور اٹھ کر بندروں کے پیچھے بھاگا مگر بندر نہایت پھرتی سے ستونوں کے راستے اوپر چھت پر چڑھ گئے۔ ایسے لگا جیسے مسافر نے سکھ کا سانس لیا ہو۔ وہ واپس اپنے سامان کی طرف آیا مگر بندروں کی پھرتی کہ وہ اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے آموجود ہوئے۔ مسافر اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اتنی دیر میں کچھ اور مسافر بھی آ گئے اور بندروں کی شکارگاہ میں وسعت پیدا ہو گئی۔ ہم میوزک کی آواز کی سمت جانے کے بجائے وہیں بیٹھ کر مسافروں اور بندروں کی آنکھ مچولی کا تماشہ دیکھنے لگے۔

مداری اور بندر

دراصل مداری کی ڈگڈگی بندر اور ریچھ کا ناچ اور جادو کے چھوٹے موٹے کھیل آج کل کے جدید کھلونوں مثلاً، ٹی وی، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ وغیرہ کے آنے سے پہلے بچوں کی کمزوری ہوا کرتے تھے۔ ادھر مداری نے ڈگڈگی بجائی ادھر بچے گھروں سے نکل بھاگے کہ چلو چل کر دیکھیں بندر اور ریچھ کا ناچ۔ ہم بھی بچپن میں مداری اور بندر کا تماشا بڑے ذوق و شوق سے دیکھا کرتے تھے اور ان دنوں تماشا کرنے والے مداری اور گانے والے میراثی کہلاتے تھے اور یہ لوگ ابھی فنکار نہیں بنے تھے۔ یہ مداری لوگ ہر گاؤں میں باری باری چکر لگاتے تھے۔ مداری کسی کھلی جگہ پر اپنا بوریا بچھاتا اور مجمع لگانے کے لیے ڈگڈگی بجانا شروع کر دیتا۔ بندر اور ریچھ کے تماشے سے ہم محظوظ تو بہت ہوتے تھے مگر ساتھ ساتھ ان پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترس بھی بہت آتا۔ ادھر مداری نے خاص انداز میں ڈگڈگی بجائی اور کبھی کبھی بانسری سے کوئی دھن نکالی اور ادھر بندر نے اپنا ڈانس شروع کیا، تھوڑی دیر بعد ریچھ کو بھی حکم ملتا کہ تم بھی بندر کے ساتھ اس اچھل کود ڈانس میں شامل ہو جاؤ۔ ترس اس بات پر آتا کہ تماشے کے آخر میں مداری کی نقل کرتے ہوئے بندر بھی اپنے پیٹ پر ہاتھ مار کر کھانے کے لیے کوئی چیز مانگتا تھا۔ بندر کو تو بچے شوق سے مکئی اور چنوں کے بھنے ہوئے دانے اور چاولوں کی پھلیاں ڈالتے اور وہ خوش ہو جاتا مگر ریچھ بے چارہ بچوں کے التفات سے محروم ہی رہتا اس کے حصے میں عام طور پر باسی اور خشک روٹیاں ہی آتیں۔

اپنے دیس میں بعض اوقات ہم نے بار برداری والے ٹرکوں پر بھی بندر کو بندھا ہوا پایا۔ یہ بندر سامان کی رکھوالی کے لیے باندھے جاتے ہیں۔ ٹرک ڈرائیور بتاتے ہیں کہ بعض چور اور ڈاکو اتنے ماہر ہوتے ہیں کہ وہ کسی موڑ وغیرہ پر سے جہاں ٹرک کی رفتار کم ہو ٹرک پر سوار ہو جاتے ہیں اور چلتے ٹرک سے سامان نیچے پھینکتے جاتے ہیں جو ان کے ساتھی اٹھاتے جاتے ہیں۔ ایسے واقعات کو روکنے کے لیے آدمی کے بجائے بندر بہترین چوکیدار ثابت ہوتا ہے۔ اس بندر پر بڑا ترس آتا ہے کہ سخت جاڑے کی ٹھٹھرتی سردی میں تیز رفتار ٹرک پر یخ بستہ ہواؤں کے سخت زناٹوں میں بے چارے بندر پر کیا بیتتی ہوگی۔ مگر شاید یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ آج کل محکمہ حقوق جانوراں اور جنگلی حیات (Wild Life) والوں نے بندروں کے اس طرح کے استعمال پر پابندی لگا رکھی ہے۔ یہ تو تھا بیچارے پاکستانی بندروں کا حال مگر یہاں دہلی آ کر یہ معلوم ہوا کہ ادھر والے ہندوستانی بندر ہمارے یہاں کے بندروں کی طرح کے بندر نہیں ہیں بلکہ ان کی بڑی ٹور ہے اور وہ باقاعدہ دیوتا مانے جاتے ہیں۔ ان کی بڑی آؤ بھگت اور خوب عزت و تکریم کی جاتی ہے۔

صبح کے وقت سیمی نار کے لیے انسٹی ٹیوٹ جاتے ہوئے ایک چھوٹے سے جنگلی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پارک میں سے ہو کر جانا پڑتا تھا۔ وہاں بہت سے بندر سڑک پر ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر مٹر گشت کرتے نظر آتے تھے۔ یہاں پر ڈرائیور حضرات گاڑی بڑی احتیاط سے نکالتے تھے۔ ایک دن شام کے وقت جب سیمی نار سے واپس ہوٹل آ رہے تھے تو اس جنگل میں منگل کا سماں دکھائی دیا۔ بچے، بوڑھے، عورتیں اور بہت سارے لوگ سڑک کے دونوں کنارے جمع تھے۔ سڑک کے دونوں کنارے بندروں کی پسندیدہ ہر قسم کی فاسٹ فوڈ ڈھیروں پڑی تھی۔ اور بندر صاحبان تھے کہ انہیں کوئی چیز پسند نہیں آ رہی تھی۔

بندروں کا جشن

بالی سے پوچھا کہ یہ سب کیا ماجرا ہے۔ وہ گالی دے کر کہنے لگا کہ یہ ہندو لوگ اپنے باپوں کا جشن منا رہے ہیں۔ یہاں بندروں کی نیازیں چڑھائی جا رہی ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہاں ہر جمعرات کے دن شام کو ہنومان دیوتا کا جشن منایا جاتا ہے، چڑھاوے چڑھتے ہیں، منتیں مانی جاتی ہیں، اور بندروں کی زبردست پارٹی ہوتی ہے جس میں مونگ پھلی، کیلے، چنے اور مکئی کے دانے جیسی بندروں کی انتہائی مرغوب ڈشیں بڑی وافر مقدار میں لائی جاتی ہیں اور کبھی کبھی صاحب ذوق لوگ تو یہ چیزیں میزوں اور خوبصورت دسترخوانوں پر بھی سجاتے ہیں اور اس طرح بندروں کی ضیافت بڑے طمطراق سے ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک شام لوک سبھا یعنی پارلیمنٹ ہاؤس بھی دیکھنے گئے۔ وہاں بھی موٹے تازے اور ہٹے کٹے بندروں کی ٹولیوں کی ٹولیاں ادھر سے ادھر خرمستیاں کرتی ہوئی نظر آئیں۔ بالی سے پوچھا کہ پارلیمنٹ ہاؤس کی حدود میں اتنے سارے بندروں کی موجودگی کی کیا وجہ ہے۔ بالی کو پھر گالی دینے کا موقع مل گیا۔ کہنے لگا کہ یہ حرام خور اتنے بے شرم ہیں کہ یہ اکثر پارلیمنٹ ہاؤس کے اندر تک گھس جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات تو عوامی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نمائندگان کی کرسیوں پر براجمان ہو جاتے ہیں۔ ابھی وہ اس سے آگے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ہمیں عوامی نمائندگان کی طرف سے کسی تحریک استحقاق (Priviledge motion) کا خطرہ ہو گیا۔ چنانچہ ہم نے موضوع ہی بدل دیا اور پاک بھارت کرکٹ سیریز کی باتیں شروع کر دیں جو چند دنوں بعد پاکستان میں شروع ہونے والی تھی۔ بالی کے بقول وہ کرکٹ کا زیادہ شوقین تو نہیں ہے مگر اسے اپنے ایک چچا کے ساتھ مل کر پاک ہند کرکٹ سیریز ضرور دیکھنا پڑتی ہے کیونکہ وہ یہ سیریز ضرور دیکھتے ہیں۔

گائے

ایک سوال بار بار ہمارے ذہن میں اٹھتا تھا کہ ہندوستان میں گائے اور بندر کی اتنی عزت و تکریم کیوں؟ گھوڑے گدھے اور بھینس کی کیوں نہیں؟ گائے کی عزت و تکریم کی تو شاید یہ وجہ ہو کہ آریا لوگ جب پہاڑی اور برفانی علاقوں سے ہندوستان آئے تو یہاں انہیں گائے جیسا ہمہ جہت مفید (Multi purpose) جانور ملا جس کا وہ دودھ پیتے، اس کے بچھڑوں یعنی بیلوں سے کھیتی باڑی کرتے، اس کے گوبر کو جلاتے اور اس سے کھاد بھی بناتے، اس طرح گائے ان کی سب سے قیمتی متاع بن گئی جس کی حفاظت بہت اچھی طرح کی جاتی تھی۔ شاید اس طرح ہوتے ہوتے اس کی تقدیس ہونے لگی۔ بھینس شاید اس وقت تک جنگلی حالت میں تھی اور ابھی گھریلو مویشی نہ بنی تھی اس لیے گائے سے پیچھے رہ گئی اور بیچاری دودھ دینے کے باوجود گوالا برادری کے علاوہ کسی اور کی آنکھ کا تارا نہ بن سکی۔ چنانچہ گائے بذات خود تو دیوی ٹھہری مگر بے چارہ بیل اس کا بیٹا ہونے کے باوجود کسی عزت کا مستحق نہ ٹھہرا اور اس کی زندگی غلاموں سے بھی بدتر رہی۔

گائے کی تقدیس سے متعلق ہندوؤں کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ کائنات میں کہیں ایک بہت بڑا سمندر ہے۔ سمندر میں اسی طرح ایک بہت بڑی مچھلی ہے۔ اس مچھلی کے اوپر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک گائے کھڑی ہے۔ گائے کے ایک سینگ پر یہ زمین ہے جب گائے ماتا کا ایک سینگ تھک جاتا ہے تو زمین کو دوسرے سینگ پر منتقل کرتی ہے۔ اس منتقلی کے دوران زلزلہ آتا ہے۔ سائنسی حقائق نے بے شک یہ سب کچھ غلط ثابت کر دیا مگر ہندو عقیدے میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ بھی سچ ہے کہ حقیقت کا پورا علم ہو جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ انسان حق کو مان بھی لے اور اپنا گمراہانہ عقیدہ چھوڑ کر راہ راست پر بھی آجائے بلکہ حق تو یہ ہے کہ راہ راست والی نعمت توفیق الٰہی کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اهدنا الصراط المستقیم۔

گائے بلاشبہ ایک نہایت مفید جانور ہے۔ اس کی خدمات کا اعتراف تو کیا جا سکتا ہے۔ مگر جس چیز کو قابو کیا جا سکتا ہو، اس کا دودھ دھویا جا سکتا ہو، ذبح کر کے گوشت کھایا جا سکتا ہو، کھال کے کوٹ اور جوتے بنائے جا سکتے ہوں اس کا خدائی اور دیوتائی سے کیا کام؟ اور اس کی پوجا پاٹ کے کیا معنی۔ گائے کی افادیت اپنی جگہ مگر ہمارے ماہر حیوانات جناب صدر الدین لودھی مظفر آبادی کے بقول بھینس بھی افادیت میں گائے سے کسی طرح کم نہیں بلکہ اس کی افادیت گائے سے بہت زیادہ ہے۔ بھینس میں بیماریوں کے خلاف قوت مدافعت بہت زیادہ ہے، اس کا دودھ زیادہ صحت مند، زیادہ مقوی اور نہایت لذیذ ہے، اس میں گوشت بنانے کی صلاحیت بہت بہتر ہے اور اس کا گوشت بھی صحت مند اور پر ذائقہ ہے۔ گویا کہ بھینس سفید سونے کی کان ہوئی۔

بھینس

لودھی صاحب کے بقول بھینس اپنی سادگی اور معصومیت کے باوجود اتنی بیوقوف نہیں ہے جتنی کہ بین بجانے والے چالاک فنکاروں نے مشہور کر رکھی ہے اور نہ اتنی لاوارث اور بے آسرا کہ جس کسی کے پاس بھی لاٹھی ہو وہ اسے ہنکا لے جائے۔ مانا کہ یہ گائے کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح مقدس نہیں اور نہ ہی اس کے نوکدار خوبصورت سینگ ہیں مگر اتنی بے وقعت بھی نہیں کیونکہ پوری ایک قوم اس کی خدمت کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے ہے۔ پس منظر اس کا بقول لودھی صاحب کچھ یوں ہے کہ ہزاروں لاکھوں سال پہلے جب اس زمین پر ہر طرح کی مخلوقات پیدا کی گئیں تو کچھ عرصہ بعد ماحولیات کے انچارج فرشتہ کو حکم ہوا کہ ذرا معلوم تو کرو کہ نظام ارضی کیسے چل رہا ہے، کسی کو کوئی تکلیف تو نہیں، کوئی فریادی تو فریاد نہیں کر رہا؟ احتیاطاً ایک زنجیر عدل بھی لگوا دو۔ چنانچہ ناظم مخلوقات زمین پر تشریف لائے اور ان کے حکم کے مطابق ایک بہت بڑی زنجیر عدل لٹکا دی گئی اور میڈیا سے اس کی پوری تشہیر بھی کی گئی۔

چند دن گزرے تھے کہ زنجیر عدل کے ناقوس بجنا شروع ہو گئے اور پھر بجتے ہی چلے گئے۔ ناظم ماحولیات عجلت میں زنجیر عدل کے پاس پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ زنجیر ایک بھینس کے سینگ میں پھنسی ہوئی ہے اور بھینس ہے کہ مسلسل سینگ ہلائے جا رہی ہے۔ ناظم صاحب نے بڑی مشکل سے سینگ میں سے زنجیر نکالی اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ بھینس نے عرض کیا کہ میں فریاد کرنا چاہتی ہوں۔ ناظم نے جواب دیا کہ میرا مشن ہی یہ ہے بولو تمہاری بات سنی جائے گی۔ بھینس نے عرض کیا کہ میں خالق کائنات کی رضا میں راضی ہوں مگر میری چند ایک مجبوریاں ہیں جن کی وجہ سے خاصی دقت محسوس ہوتی ہے اگر وہ دور فرما دی جائیں تو بہت مہربانی ہوگی۔ ناظم ماحولیات نے پوچھا کہ بتاؤ وہ مجبوریاں کیا ہیں جن کی وجہ سے تم پریشان ہو؟ اگر تمہاری شکایات جائز ہوئیں تو ضرور دور کی جائیں گی کیونکہ عدل ہمارا اصول ہے۔ بھینس نے عرض کیا:

> جناب میرا پیٹ بہت بڑا ہے اور بھوک بھی بہت زیادہ لگتی ہے۔ پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لیے بہت زیادہ چارے کی ضرورت ہوتی ہے اور ضرورت کے مطابق جنگل سے ہر وقت چارہ دستیاب نہیں ہوتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میرا جسم بہت بھاری بھرکم ہے اور ٹانگیں مقابلتاً چھوٹی۔ خطرے کے وقت میرے لیے تیز دوڑنا ناممکن ہے اس لیے درندوں کی زد سے بچ نکلنا محال ہے۔

میرا رنگ بھی کالا سیاہ ہے اور سورج کی گرمی بہت زیادہ جذب کرتا ہے جس سے میری جلد بہت جلد گرم ہو کر تپنے لگتی ہے جو بہت تکلیف دہ ہے۔ اگر تالاب یا دریا نہ ملے تو مجھ نا چیز سے گرمی برداشت نہیں ہو پاتی۔

میرے سینگ ٹیڑھے میڑھے اور پیچدار ہونے کی وجہ سے درختوں اور جھاڑیوں میں پھنس کر رہ جاتے ہیں اور بڑی مشکل سے علیحدہ ہو پاتے ہیں۔

میرا دودھ میرے کٹے کی ضرورت سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ نہ نکالا جائے تو مجھے تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کبھی کبھی تو سانپ زبردستی پی جاتے ہیں جس کی وجہ سے ہر وقت جان کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔

میرا منہ بڑا تو ہے مگر اندر کی طرف سے بہت نازک ہے۔ مجھ سے جنگلی جھاڑ جھنکار نہیں کھایا جاتا اس سے منہ زخمی ہو جاتا ہے۔ میری گردن بھی بہت چھوٹی ہے جو زیبرے کی طرح درختوں کی نرم و نازک اونچی شاخوں تک نہیں پہنچ پاتی۔

چارہ زیادہ کھانے اور پانی بھی زیادہ پینے کی وجہ سے فضلات بھی زیادہ بنتے ہیں جن کے اخراج کے لیے بھاری بھرکم ہونے کی وجہ سے مجھ سے بار بار اٹھ کر دور نہیں جایا جا سکتا۔ کچھ اس کا بھی انتظام ہو جائے تو مہربانی ہو گی۔

ناظم ماحولیات نے بھینس کو مزید شکایات پیش کرنے سے روک دیا کہ بس کرو۔ ہم تمہاری مشکلات سمجھ گئے ہیں۔ تمہاری تمام پریشانیاں اوپر پہنچا دی جائیں گی۔ وہاں سے جو بھی فیصلہ صادر ہو گا وہ یقیناً تمہارے اور تمہارے خاندان کے لیے بہترین ہو گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ دربار عالی میں بھینس کی فریاد پہنچا دی گئی۔ اوپر سے جواب آیا کہ بھینس کو مطلع کر دیا جائے کہ اس کی تمام مشکلات جن سے ہم پہلے ہی آگاہ ہیں وہ سب رفع کر دی جائیں گی۔ اسے خوش خبر سنا دی جائے کہ اس کی تمام تکالیف دور کرنے کے لیے اور اس کے آرام و آسائش کے لیے ہم ایک علیحدہ قوم پیدا کر رہے ہیں، جس کا اوڑھنا بچھونا، مال و متاع، دن رات کی محنت مزدوری، تگ و دو کا مرکز ذہنی و جسمانی قوتوں کے مصرف کا محور اور تمام دلچسپیوں کا مرکز صرف بھینس ہوگی۔ چنانچہ بھینس نے خوش ہو کر شکریہ ادا کیا اور آج تک وہ اپنی قوم کی منظور نظر ہے۔

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ کام اپنے کام سے
تیرے ذکر سے تیری فکر سے تیری یاد سے تیرے نام سے

نسلی جرمپلازم

مگر افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم نے بھی بیچاری بھینس کو صرف گوالوں کے رحم و کرم پر چھوڑ رکھا ہے۔ بھینس کی افادیت کے پیش نظر اس کی نسل کشی اور بریڈنگ کا کوئی باضابطہ انتظام نہیں کیا۔ اس کی نسلی تحقیق و ترویج کے لیے کوئی مخصوص تحقیقاتی ادارے نہیں بنائے گئے۔ بھینس کی چند ایک نسلی اقسام جو صدیوں سے مشہور و مقبول ہیں ان کی حفاظت اور بہتری کے لیے بھی کوئی پیش رفت نظر نہیں آتی۔ لیکن دنیا میں اب بھینس کی اہمیت بڑھ رہی ہے۔ چین نے اپنی ڈیری فارم کی صنعت کی بنیاد بھینس پر رکھی ہے اور لاکھوں کی تعداد میں بھینسوں کی نسل کشی کا پروگرام ہے۔ اسی طرح یورپی ممالک میں بھی سائنسدانوں کی تحقیق کا مرکز اب بھینس ہی بنتی نظر آ رہی ہے۔ مگر ہمیں ڈر اس بات کا ہے کہ ہم کہیں اپنے ملک کی فخریہ نسلوں راوی، نیلی، کنڈی اور بوری وغیرہ سے اسی طرح ہاتھ نہ دھو بیٹھیں جس طرح کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گایوں کی مشہور قسم ساہیوال گائے اور دوسری اقسام کے ساتھ ہوا۔ زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے جوش میں ہم نے چند نام نہاد کنسلٹنٹوں کی سفارشات پر مصنوعی نسل کشی کو اتنا رواج دیا کہ اپنے ہاں کے نہایت قیمتی اصلی نسلی جرمپلازم سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ سنا ہے کہ اب ہمارے پاس ایک بھی جوڑا ایسا نہیں جو صحیح النسل ہو۔ یہ بھی سنا ہے کہ ایک زمانہ میں ہم نے کینیا کو ساہیوال نسل کی چند اصلی گائیں تحفہ میں دی تھیں جسے انہوں نے نہایت اہتمام سے سائنسی طریقوں پر بڑھایا اور ہزاروں ایکڑ رقبوں پر اس کے ڈیری فارم قائم کیے۔ آج ہم اس کے سامنے دست سوال دراز ہیں کہ وہ ہماری چند گائیں ہمیں واپس دیدے۔

اپنی مجرمانہ نادانی اور کوتاہی میں یہ حشر ہم نے صرف گائے کے ساتھ ہی نہیں کیا بلکہ مرغیوں کے ساتھ تو شاید اس سے بھی بڑا ظلم ہوا۔ ہمارے پاس دسیوں قسم کی نوع بہ نوع مرغیاں تھیں مگر اب کسی ایک کا بھی جرمپلازم محفوظ نہیں۔ بعینہ یہی حالت بڑی فصلوں کے جرمپلازم کی ہے۔ بھیڑ بکریوں کی نسلیں اور چند پھلوں کی اقسام شاید ابھی تک اصلی حالت میں موجود ہوں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم خواب غفلت سے جاگیں اور اپنے ہاں کے مویشیوں، درندوں، پرندوں اور جانوروں، فصلوں، پھلوں پھولوں اور حشرات الارض تک ہر نوع کی حفاظت کریں، ان کے نسلی تسلسل کے لیے علیحدہ علیحدہ فارم بنائے جائیں اور ہر نوع کا اصلی نسلی جینیاتی مادہ یعنی جرمپلازم مختلف جرمپلازم بنکوں میں محفوظ کیا جائے تاکہ وہ ہمارے اور اگلی نسلوں کے کام آسکے ورنہ غیروں نے تو یہ کام کرلیا ہے۔

ہم ذکر کر رہے تھے لودھی صاحب کی بھینس تھیوری کا جو ہوسکتا ہے ان کی اپنی اختراع ہو اس لیے اس پر زیادہ بحث و تمحیص نہیں کرتے مگر بغیر کسی افادیت کے بندر کی اتنی قدر و منزلت ہماری سمجھ میں نہ آئی۔ بہر حال ہندوستان اور مشرق بعید کے زیادہ تر ممالک کا بندر کچھ زیادہ ہی خوش قسمت نکلا۔ یہ نہ صرف ہندوستان بلکہ مشرق بعید کے تقریباً تمام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ممالک میں جہاں ہندومت، بدھ مت، جین مت، آریا سماج اور زرتشت کے ماننے والے بستے ہیں وہاں بندر ایک دیوتا اور مشکل کشا مانا جاتا ہے۔ ان سب ممالک کے قدیم اور فوک لٹریچر میں ہنومان نامی ایک بندر کا قصہ بہت مشہور ہے۔ جس کی بنیاد رامائن کی داستان ہے جو ہندو مذہب کی قدیم ترین مذہبی کتابوں میں سے ایک ہے۔

ہنومان اور کالی

چین، جاپان، کوریا، فلپائن اور تھائی لینڈ اور مشرق بعید کے ممالک کے فوک کلچر میں ہنومان کو ایک دیومالائی قوت کی حیثیت دی جاتی ہے۔ ان کے بقول ہنومان خدائی قوت کا مظہر ہے۔ ہنومان ایک ہیرو قسم کا بندر تھا، جو ہندومت میں کمزوروں اور مدد کے طلب گاروں کا حامی ہے۔ ان ممالک کے کلچر میں رام چندر جی، سیتا دیوی اور منحوس راون کا قصہ فوک ڈانس، ڈراموں اور گیتوں کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ ہنومان کو عام بندروں کی نسبت قد کاٹھ میں بہت بڑا بنا کر دکھایا جاتا ہے۔ ان ممالک میں طالب علموں کی حکومت کے خلاف ہڑتالیں ہوں یا مطالباتی جلوس، مزدوروں کے ہنگامے ہوں یا کام بند ہڑتالیں، ایسے موقعوں پر مدد اور راہنمائی کے لیے ہنومان کا بہت بڑا مجسمہ تیار کیا جاتا ہے۔ ایسا عام طور پر اپنے ہم مذہب لوگوں سے جھگڑے کے وقت ہوتا ہے۔

اگر جھگڑا غیر ہندوؤں سے ہو اور خصوصاً مسلمانوں سے تو ایسی صورت میں خاص طور پر کالی دیوی کو مدد کے لیے پکارا جاتا ہے۔ یہ کالی دیوی کالے منہ والی تباہی و بربادی کی دیوی ہے۔ اس کے کریہہ المنظر خونخوار دانت، لمبی آگ برساتی اور سرخ سرخ خون ٹپکاتی ہوئی کالی زبان ہر وقت انسانی خون کا بلیدان مانگتی ہے۔ اگر خون غیر ہندو کا ہو تو کالی ماتا بہت خوش ہوتی ہے۔ اس لیے بے چارے ہندوؤں کو اپنی محبوب دیوی کالی کو خوش کرنے کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیے مجبوراً کچھ مسلمانوں کو وقفوں وقفوں سے قربان کرتے ہی بنتی ہے۔ ورنہ کالی کا قہر نازل ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کالی دیوی کے مقابلے میں ہنومان بندر کم خطرناک دیوتا ہے، اور ان کے عقیدے کے مطابق یہ کمزوروں اور ضرورت مندوں کا خیال رکھنے والا اور بوقت ضرورت کام آنے والا دیوتا مانا جاتا ہے (god of strength and wisdom and faithful friend)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہنومان

عام سے ایک بندر کا جانور کے مقام سے ارتقائی منزلیں طے کرتے ہوئے دیوتا کے منصب پر فائز ہونے کا پس منظر بذات خود بڑا دلچسپ ہے اور ایک دیو مالائی قصے پر مبنی ہے۔ یہ قصہ وقوع پذیر تو پتہ نہیں کب اور کیسے ہوا یا سرے سے ہوا ہی نہیں لیکن اتنا پتہ چلتا ہے کہ 300 ق م کے لگ بھگ اسے لکھا گیا۔ اس قصے میں ایک جرنیل بندر ہنومان نے ہندوؤں کے ایک بہت بڑے دیوتا رام چندر جی کی سیوا کی اور دیوتا کا درجہ حاصل کر لیا۔ یہ قصہ ہندوؤں کی مقدس ترین دو کتابوں رامائن اور مہا بھارت میں سے رامائن میں بیان ہوا ہے۔ رامائن رام چندر اور سیتا کے رومانس کا قصہ ہے۔ جس کا ہیرو ہنومان بندر ہے۔ جب کہ دوسری مقدس کتاب مہا بھارت کوروؤں اور پانڈوؤں کی تاریخی جنگ سے متعلق ہے۔ جس میں کرشن چندر ہیرو تھا۔

رامائن کی افسانوی داستان کے مطابق رام چندر ہندوستان کے ایک راجہ دشرتھ کا بیٹا تھا جس کی ریاست کا مرکز ایودھیا تھا۔ رام چندر اپنی ایک ماں کی سازش کی وجہ سے ولی عہدی سے بے دخل کر دیا گیا۔ اس پر رام چندر کو بن باس اختیار کرنا پڑا اور وہ جنگلوں میں چلے گئے۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی سیتا اور بھائی لکشمن بھی تھا۔

سیتا دیوی اور سوئمبر

سیتا دیوی بذات خود ایک بادشاہ جانیکا کی بیٹی تھی مگر حقیقت میں جانیکا اس کا باپ نہیں تھا۔ سیتا کی پیدائش کے متعلق مشہور ہے کہ بادشاہ جانیکا ایک دن کھیتوں میں ہل چلا رہا تھا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(پہلے زمانے کے بادشاہ ہل بھی چلایا کرتے تھے) تو سیتا دیوی ان کو ہل کے ایک سیاڑ (Furrow) میں پڑی ہوئی ملی۔ جیسے کہ وہ زمین سے گاجر مولی کی طرح اگی ہو اسی لیے سیتا جی کو زمین کی بیٹی بھی کہتے ہیں۔ جب سیتا بڑی ہوئی تو اس کی خوبصورتی کی دھوم مچ گئی۔ کئی بادشاہوں اور شہزادوں نے اس سے شادی کے پیغام بھیجے۔ یہاں تک کہ اس کے باپ کو فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا۔ اس کے باپ نے مناسب بر چننے کے لیے اس وقت کے عام رواج کے مطابق سوئمبر رچانے کا فیصلہ کیا۔ شرط یہ رکھی گئی کہ جو کوئی شاہی کمان سے تیر چلائے گا اس کی شادی سیتا سے کر دی جائے گی۔ اس شاہی کمان کے متعلق مشہور تھا کہ یہ ایک بہت بڑے ہندو دیوتا شیوا کی ہے۔ چنانچہ بہت سے راجوں، مہاراجوں، شہزادوں، پنڈتوں اور پہلوانوں نے کوشش کی مگر رام چندر جی کے سوا سب ناکام ہو گئے۔ اس طرح سیتا دیوی کی شادی رام چندر جی سے ہو گئی۔

ہندومت کی مذہبی داستانوں میں رام چندر جی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ انہی شیوا جی کا ساتواں اوتار ہے جن کی یہ شاہ کمان تھی۔ ان کو رام، رام چندر، پرشورا راما اور بال راما بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح سیتا دیوی بھی رام چندر سے کسی طور پیچھے نہ تھیں ان کے متعلق بھی مشہور ہے کہ وہ بھی ان کی ایک بہت بڑی اور زور آور دیوی لکشمی کا اوتار تھیں۔ اور یہ لکشمی دیوی بذات خود شیوا دیوتا کی منظور نظر بیوی تھی۔ دیوی دیوتاؤں اور ان کے اوتاروں کا مسئلہ نہایت طویل اور پیچیدہ ہے۔ دیومالائی قصوں کہانیوں اور بے اصل واقعات کی مدد سے اس کو اتنا گنجلک بنا دیا گیا ہے کہ اب یہ سمجھنے کی چیز ہے اور نہ ہی سمجھانے کی۔

اغوا

قصہ مختصر رام چندر اپنے وطن سے نکل کر اپنی بیوی سیتا اور بھائی لکشمن کے ساتھ سری لنکا کے جنگلوں میں چلے گئے اور ان کا بن باس یعنی جنگل نوردی کا یہ عرصہ 14 سالوں پر محیط

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ رامائن کی داستان بھی خصوصاً انہیں 14 سالوں پر مشتمل ہے۔ اس وقت سری لنکا کا بادشاہ راون تھا۔ راون کے متعلق مشہور ہے کہ وہ دس سروں والا ظالم و جابر دھو کے باز، جنگلی کوؤں کی شکل کا چڑیلوں جیسا پاپی بادشاہ تھا۔ راون جنگلوں میں شکار کا بہت شوقین تھا۔ اس نے ایک دفعہ شکار کھیلتے ہوئے کہیں سیتا کو دیکھ لیا اور اسے اغوا کرنے کی تدبیریں کرنا شروع کیں۔ مگر سیتا کے جری اور بہادر محافظوں کی وجہ سے اس کا زور نہ چلتا تھا۔ آخر کار اسے ایک ترکیب سوجھی۔ راون نے جادوگروں کی مدد سے سونے کا ایک ایسا ہرن بنوایا جو عام جنگلی ہرنوں کی طرح دوڑتا بھاگتا تھا۔ اس ہرن کو سیتا کے قریب چھوڑ دیا گیا۔ سیتا کے محافظ بھی ہرنوں کا شکار کیا کرتے تھے (گویا یہ لوگ گوشت خور تھے) انہوں نے سونے کا ہرن دیکھا تو سخت لالچ میں آگئے اور اس کو شکار کرنے نکل کھڑے ہوئے۔ راون کی چال کامیاب رہی اور سیتا کے محافظ دھوکہ کھا گئے اور شکار کے پیچھے بہت دور نکل گئے۔ اس طرح راون کو سیتا کے اغوا کا موقع مل گیا۔ اس بدشکل بادشاہ نے سیتا دیوی کو اغوا کرنے کے بعد 14 سال تک اپنی قید میں رکھا اور مسلسل اس سے زیادتی کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن سیتا دیوی رام چندر کی محبت کی وجہ سے اس سے بچنے میں کامیاب رہی۔

اس دوران رام چندر جنگل کی خاک چھانتا رہا اور اس کوشش میں رہا کہ وہ کسی طرح سیتا دیوی کو آزاد کرالے۔ مگر رام جی دیوتا ہونے کے باوجود بھی ناکام رہے۔ کیونکہ کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ راون کے مقابلے میں آسکے۔ کتنے بے بس ہیں ان بے چاروں کے دیوتا بھی۔ انہی نامساعد اور مشکل حالات میں رام چندر کی ملاقات ایک بندر سے ہوگئی۔ جو ہنومان کا جاسوس تھا جو کہ بندروں اور ریچھوں کی فوج کا جرنیل تھا۔ اس جاسوس نے ساری داستان ہنومان کو جا کر بتائی۔ ہنومان نے رام چندر سے ملاقات کی اور مدد کا وعدہ بھی کرلیا۔ چنانچہ ہنومان نے کوہ ہمالیہ سے سری لنکا تک ہر جگہ اپنے جاسوس پھیلا دیے کہ وہ شری سیتا کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈھونڈیں۔ اس اثنا میں اس نے بندروں اور ریچھوں کی ایک زبردست فوج جمع کی اور رام کی مدد کے لیے لے آیا۔ پھر خود بھی جاسوسی کے لیے سری لنکا کی طرف نکل گیا۔

جاسوسی کرتے ہوئے ہنومان نے سیتا کا پتہ لگا لیا کہ وہ کہاں قید ہے۔ لیکن اس دوران راون بھی نچلا نہیں بیٹھا۔ اس کے جاسوس بھی انڈین را اور امریکی سی آئی اے اور ایف بی آئی کی طرح رام کی جاسوسی کر رہے تھے۔ انہوں نے بہت جلد ہنومان کو پہچان لیا اور اسے گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ ہنومان اپنی چستی، چالاکی اور بندر پن کی وجہ سے گرفتار تو نہ ہو سکا مگر اس کی بہت لمبی دم کا آخری سرا دشمنوں کے قبضہ میں آ گیا۔ راون نے ہنومان کی دم کو آگ لگا دی۔ اس کے جواب میں ہنومان نے اپنی دم پر لگی آگ بجھانے کی بجائے لنکا میں جگہ جگہ آگ بھڑکانا شروع کر دی۔ ان دنوں شاید شہروں میں فائر بریگیڈ کا محکمہ نہ ہوتا ہوگا جس کی وجہ سے آگ نہ بجھائی جا سکی اور نتیجۃً لنکا کا پورا شہر جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ ہر طرف تباہی اور بربادی کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ لنکا کی تباہی نے مشہور کہاوت، ''جھگڑے کی بنیاد زر، زمین اور زن'' کو سچ کر دکھایا۔ لنکا کے جلنے کے بعد ہنومان نے اپنی فوج کی مدد سے ایک زبردست حملہ کیا، سیتا کو راون کی قید سے آزاد کرایا اور ایک ہی جست میں سمندر پار کر کے سری لنکا سے ہندوستان آ پہنچا۔ اس طرح بندروں اور ریچھوں کی فوج نے ہنومان کی سپہ سالاری میں راون کو شکست دی، رام جی نے راون کو قتل کر دیا، سیتا دیوی آزاد کرالی گئی اور رام جی دوبارہ سیتا کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

کامیاب معرکہ

اس قصے کو پڑھنے سے پہلے ہم ان لوگوں کے اس دعوے کو سچ سمجھتے تھے کہ پچھلے آٹھ دس ہزار سالوں میں اس خطے سے کبھی کوئی فوج باہر کے کسی ملک پر حملہ آور نہیں ہوئی بلکہ باہر سے جس کسی کا دل چاہا منہ اٹھائے ادھر آ گیا۔ دو چار شہر یا ریاستیں فتح کیں مہم جوئی کا شوق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پورا کیا اور واپسی کی راہ لی۔ مگر ہنومان کے ہاتھوں لنکا کی تباہی کا کامیاب معرکہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ایک بے بس اور بے سہارا دیوتا کی دیوی کو چھڑانے کے لیے یہ فوج ہندوستان سے باہر گئی تھی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس وقت کے ہندوؤں کی بہ نسبت بندروں میں غیرت کی رمق باقی تھی جو وہ ایک بے بس دیوی کی مدد کو لپکے۔

پاک دامنی

عام قصوں کے مانند مصنف نے اس داستان میں بھی رنگ بھرنے کی کوشش کی اور بتایا کہ اس کے بعد رام دیوتا کو سیتا دیوی کے کردار پر شک ہو گیا۔ سیتا نے اپنی بے گناہی اور پاکدامنی کی دہائی دی مگر رام خدائی اوتار بلکہ خود خدا ہونے کے باوجود حقیقت سے بے علم تھا اس لیے اس نے سیتا کی ایک نہ سنی اور اس کے سامنے ایک شرط رکھی کہ اگر وہ اپنی پاک دامنی اور بے گناہی ثابت کرنا چاہتی ہے تو وہ دہکتی ہوئی آگ کے شعلوں میں کود جائے۔ اگر وہ پوتر ہے اور بے گناہ ہے تو آگ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ چنانچہ مجبوراً سیتا نے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے یہ شرط مان لی اور ہندوؤں کے جلائے ہوئے ایک بہت بڑے آگ کے الاؤ میں کود گئی۔ آگ بجھ گئی تو معلوم ہوا کہ سیتا کو کوئی گزند نہیں پہنچی اور وہ بالکل تر و تازہ محفوظ ہے۔ اس طرح رام چندر کو یقین آ گیا کہ سیتا دیوی بے گناہ ہے۔ وہ سیتا کو لے کر واپس اپنے وطن آ گئے اور وہاں آ کر انہوں نے اپنی بادشاہت بھی دوبارہ حاصل کر لی۔ دسہرے اور دیوالی (دیپ والی) کے تہوار رام اور سیتا جی کے وطن واپس آنے کی خوشی میں منائے جاتے ہیں۔ لوگ چراغ جلا کر اور روشنیاں بکھیر کر وطن واپس آنے والے دیوتائی جوڑے کو سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر یہ تو نصیبوں کی بات ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم.

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہرمت والمیکی

رام چندر جی بادشاہ تو بن گئے مگران کے عوام نے سیتا کی بے گناہی کو نہ مانا اور اپنی ملکہ ماننے سے انکار کر دیا۔ رام جی بڑی مشکل سے بادشاہ بنے تھے۔ اقتدار کی ہوس اور حکمرانی کی خواہش نے اپنا رنگ دکھلایا۔ انہوں نے اپنی بادشاہت بچانے کے لیے سیتا دیوی کو پھر الزام لگا کر گھر سے نکال دیا۔ اقتدار کتنا عزیز ہوتا ہے۔ رام جی کی بے وفائی سے بددل ہو کر سیتا نے دوبارہ وطن کو خیر باد کہا اور پھر جنگل میں پناہ لی۔ جنگل میں سیتا کی ملاقات ایک جوگی سے ہوئی جو وہاں مدتوں سے قیام پذیر تھا اور جس کا نام ہرمت والمیکی بتایا جاتا ہے۔ سیتا نے ایک تو جنگل میں قیام کے دوران رام کے دو جڑواں بچوں کو جنم دیا اور پھر آہستہ آہستہ اپنی رام کہانی اس جوگی کو سنانا شروع کی۔ سیتا کی مظلومانہ آپ بیتی سنتے سنتے جوگی کو سیتا سے بہت زیادہ ہمدردی پیدا ہو گئی اور اس نے پہچان لیا کہ سیتا کوئی عام قسم کی عورت نہیں ہے بلکہ زمین کی بیٹی ہے، لکشمی دیوی کا اوتار ہے اور بذات خود ایک عظیم دیوی ہے۔ ہرمت والمیکی بھی کوئی عام قسم کا جوگی نہیں تھا بلکہ ایک زبردست شاعر تھا۔ اس نے سیتا، رام، راون اور ہنومان کی داستان کو اشعار کی شکل دے کر رامائن نام دیا۔ ہرمت والمیکی کی لکھی ہوئی یہ دیومالائی داستان پہلے پہل تو صرف ہیر وارث شاہ کی طرح کا ایک عشقیہ قصہ ہی تھی مگر ہوتے ہوتے ہندو مذہب کی اساسی کتاب ہونے کا درجہ حاصل کر گئی اور ہندوستان میں ایک عظیم لافانی شاہکار قرار پائی۔ رامائن نہایت طویل رزمیہ نظم ہے جو تقریباً 24000 اشعار پر مشتمل ہے۔ رامائن 300ء کے لگ بھگ لکھی گئی۔

چادر اور چار دیواری

رعایا کو بہت جلد اس بات کا احساس ہو گیا کہ انہوں نے سیتا دیوی کے کردار پر شک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر کے ایک بہت بڑی غلطی کی ہے کیونکہ رام جی بچپن ہی سے لا ابالی طبیعت کے مالک، حسن وخوبصورتی کے دلدادہ اور عیش وعشرت کے عادی تھے۔ عوام نے چادر اور چار دیواری کے تحفظ کی خاطر خیر اسی میں سمجھی کہ وہ سیتا کو واپس لے آئیں۔ سیتا بے چاری ویسے بھی بے گناہ تھی اور اس کی بے گناہی خود بخود ہی عوام کے دلوں میں گھر کر گئی اور جلد ہی انہوں نے رام جی سے سیتا کو ملکہ بنا کر واپس وطن لانے کا مطالبہ کر دیا۔ رام جی اس پر بہت خوش ہوئے اور ایک بہت بڑا جلوس لے کر سیتا کو واپس لانے کے لیے جنگل میں پہنچ گئے اور سیتا سے واپس وطن چلنے کی درخواست کی۔ لیکن سیتا بے چاری اب اپنوں اور پرایوں کے ہاتھوں زخم پہ زخم کھا کر دنیا سے اکتا چکی تھی اور خاص طور پر رام چندر جی کے رویے نے تو سیتا دیوی کو اس قدر مایوس کیا کہ اس نے رام چندر جی کے ساتھ ایک ملکہ کی حیثیت سے واپس وطن آنے سے انکار کر دیا۔

سیتا کی واپسی

رام جی نے سیتا کو منانے کی بہت کوشش کی مگر بے سود، وہ ایک بہت بڑے دیوتا ہونے کے باوجود اپنی روٹھی ہوئی رانی کو راضی نہ کر سکے۔ سیتا نے رام چندر کی ملکہ بننے کی بجائے زمین میں دفن ہونے کو ترجیح دی اور رام جی کے سامنے زمین کو حکم دیا کہ وہ شق ہو جائے اور اسے نگل لے۔ چنانچہ سیتا جیسے اس دنیا میں آئی تھی اسی طرح واپس بھی چلی گئی اور رام چندر جی کف افسوس ملتے ہوئے اور اپنی خدائی قوتوں کو کوستے ہوئے خالی ہاتھ واپس اپنی ریاست میں آ گئے۔ رام جی واپس آ کر آرام سے نہیں بیٹھے بلکہ انہوں نے اس کا انتقام لینے کا فیصلہ کیا۔ رام جی نے اپنے غیض وغضب کا اظہار اس طرح کیا کہ ایک تو اپنی بدکار ماں کو قتل کیا اور دوسرے اپنے باپ کے دشمنوں (کھشتریوں) کی پوری نسل کو اپنے ملک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں تباہ و برباد کر دیا۔

یہ ہیں ہندوؤں کے اعلیٰ ترین اور مثالی حکمران، آزادی سے پہلے جن کی مثالیں دے دے کر گاندھی جی نے ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا اور خون کا بازار گرم کیا۔ رام راج کے دوبارہ قیام کے لیے ایک نہایت منظم اور متشدد تحریک اب تک جاری ہے اور ایودھیا کی بابری مسجد کی شہادت اسی رام راج کی تحریک کا شاخسانہ ہے۔

شاید اسی لیے رام کو ماننے والے ہندو غیر ہندوؤں کی نسل کشی کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں اور حسب توفیق نجی اور حکومتی سطح پر اس پر عمل بھی کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ اس کا ثبوت آئے دن ہندو مسلم فسادات کی شکل میں سامنے آتا رہتا ہے اور اب دوسرے مذاہب کے لوگ خصوصاً عیسائی بھی اس نفرت کا شکار ہونے لگے ہیں۔

جنگی ہیرو اور دیوتا

گیارہویں صدی عیسوی تک رام چندر جی کو دیوتا کی حیثیت سے بہت کم جانا جاتا تھا۔ اس وقت تک یہ ایک جنگی ہیرو کے طور پر ہی مشہور تھے۔ رامائن کی داستان کو دیو مالائی اور عوامی حیثیت دلوانے میں ہندو شاعر تلسی داس کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ اس نے رامائن کا جدید سنسکرت میں ایسا بہترین ترجمہ کیا کہ یہ داستان لیلیٰ مجنوں، ہیر رانجھا اور یوسف زلیخا کی داستانوں کی طرح زبان زد عام ہو گئی۔ چودھویں اور پندرہویں صدی میں ایک دیوتا کی حیثیت سے رام جی کی اہمیت اجاگر ہونے لگی اور آہستہ آہستہ یہ عظیم سے عظیم تر دیوتا بنتے چلے گئے اور پھر ہر طرف رام رام ہونے لگی۔ لیکن ان کو ایک مثالی حکمران اور بہترین بادشاہ کی حیثیت سے عوام کے سامنے پیش کرنا اور ان کی سیاسی حیثیت کو مستحکم کرنا گاندھی جی کی کوششوں کا رہین منت ہے۔ ویسے بھی اے۔ ایل۔ باشم کے نزدیک رام چندر جی کا ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اچھے بادشاہ کا کردار مسلمانوں کے ہندوستان آنے کے بعد تشکیل دیا گیا۔ اور راغلبًا یہ کردار حضرت عمرؓ کی سیرت کو سامنے رکھ کر ترتیب دیا گیا۔

ہندومت کی کلاسک داستانوں میں رام چندر جی کے دور حکومت کو مثالی دور کہا جاتا ہے اور رام چندر جی کو زبردست قوتوں کا مالک اور اعلیٰ ترین صفات کا حامل سب سے بڑا دیوتا قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی پتنی سیتا دیوی ایک اعلیٰ ترین نسوانی ماڈل اور ان کے بھائی لکشمن کو ایک بھائی کا بہترین کردار مانا جاتا ہے۔ رامائن کے مطابق رام چندر جی کی پیدائش ایودھیا نامی شہر میں ہوئی جس کا ذکر 600 ق م میں ملتا ہے۔ مگر حقیقت میں رام تھے یا نہیں تھے اور اگر تھے تو کہاں تھے؟ اس کا کوئی حتمی ثبوت نہیں ملتا صرف رامائن میں اس کا افسانوی تذکرہ ہے۔ یہ بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ایودھیا موجودہ ایودھیا کی جگہ پر ہی تھا یا کہیں اور؟ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہندو مورخین نے اب تک رام کی جنم بھومی کے بارے میں ایک ہزار سے زائد مقامات کی نشاندہی کی ہے۔ لیکن ہندو لوگ مسلم دشمنی کی وجہ سے بابری مسجد کی جگہ کو ہی رام کی پیدائش کی جگہ مانتے ہیں جو تاریخی طور پر ثابت نہیں ہے۔ مگر پھر بھی ہندوؤں نے 6 دسمبر 1992ء کو بابری مسجد شہید کر دی۔ اب متشدد ہندو مسجد کی جگہ پر رام مندر تعمیر کرنا چاہتے ہیں جس کے لیے ساری تیاریاں مکمل ہیں۔

رام راج

رام چندر جی کو سیاسی طور پر بڑا دیوتا بنانے کا اعزاز مہاتما گاندھی کو جاتا ہے۔ گاندھی جی نے پاکستان بننے سے پہلے ہندوستان کو ایک خالص ہندو سٹیٹ بنانے کے لیے رام راج کا نعرہ لگایا۔ یہ نعرہ سیاسی حیثیت اختیار کر گیا اور مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کو اکٹھا کرنے میں بہت ممد ثابت ہوا۔ دو قومی نظریے کی اس ہندو مسلم کشمکش میں رام چندر جی کو سیاسی میدان میں بہت اہمیت دی گئی۔ سیتا دیوی اور رام چندر جی کے ساتھ ساتھ اس داستان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرے کرداروں خصوصاً ہنومان کو بھی بہت شہرت ملی اور اس طرح ہنومان کے ساتھ ساتھ اس کے نسلی بھائی دوسرے بندروں کی بھی بن آئی اور ہر جگہ بندروں کے وارے نیارے ہونے لگے۔ مگر ہنومان کی کارستانیوں کے علی الرغم اس وقت ہمارے سامنے ہمارے بچپن کا بندر تھا جو ناچتا اور شرارتیں کرتا ہوا من کو بہت بھاتا تھا۔

جس کی لاٹھی اس کی بھینس

مداری کی ڈگڈگی کی مسحور کن آواز سن کر ہم جیسے گاؤں کے بہت سے بچے لپکتے ہوئے گھروں سے نکلتے کہ مداری آیا اور بندر لایا۔ چلو بندر اور ریچھ کا ناچ دیکھیں اور بندر کی شرارتوں سے محظوظ ہوں۔ اس وقت ہمارا یہ خیال تھا کہ بندر ایک جنگلی جانور ہے جو انسان سے بہت مشابہت رکھتا ہے اور نقل اتارنے میں بہت ماہر ہے۔ لیکن چند سال بعد یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران مختلف کورسز کے ذریعے ہمیں یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ یہ مداری والا بندر کوئی ایویں کیویں کا جنگلی جانور نہیں ہے کہ جس کو گلی کوچوں میں نچواتے پھرو اور اس کا مذاق اڑاتے پھرو بلکہ یہ تمہارا جدی پشتی رشتہ دار ہے۔ ان کے خیال میں شاید کہیں ہزاروں سال پہلے بہت اوپر جا کر پرنانا یا پردادا لگتا ہو۔ ہم پروفیسر صاحب کی منت کرتے اور دلائل بھی دیتے کہ یہ صرف ایک تھیوری ہے اس کا کوئی ثبوت اب تک نہیں ملا۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس (Survival for the fittest) کا نظریہ یورپی اقوام کو کمزور قوموں پر چڑھائی کرنے کے لیے فکری اور اخلاقی بنیادیں مہیا کرتا تھا اس لیے انہوں نے یہ مفروضہ ایجاد کیا ورنہ تمام انبیاء کی تعلیمات کے مطابق انسان اشرف المخلوقات (Arrival of the fittest) ہے۔

تنبیہ

اس بنا پر ہم اپنے استاد محترم سے یہ استدعا بھی کرتے کہ وہ ہمیں اشرف المخلوقات ہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہنے دیں اور بندروں کو ہمارے آباؤ اجداد میں شامل کر کے ہمارے حسب نسب کو داغدار کرنے کی کوشش نہ کریں مگر پروفیسر صاحب مسٹر ڈارون کو ناراض کرنے پر قطعاً تیار نہ تھے۔ انہیں اصرار تھا کہ چونکہ اس طرح کے کورسز امریکہ اور انگلینڈ کی یونیورسٹیوں کی چھوٹی بڑی تمام کلاسز میں پڑھائے جاتے ہیں اس لیے اگر ان کی طرح ترقی کرنا ہے تو ہمیں بھی یہ کورسز پڑھنا پڑیں گے۔ اور ساتھ ہی تنبیہ بھی کی کہ اگر ترقی کرنے کی خواہش ہے تو بندروں اور ان کی اولاد سے تعلقات خراب کرنے کا کبھی سوچنا بھی نہیں۔ چنانچہ ان کی نصیحت کے پیش نظر ہمیں نظریہ ارتقا (Theory of Evolution) سے متعلق تمام کورسز پورے کے پورے بھگتنا پڑے۔

ارتقا

حقائق کی بنیاد پر ارتقائی عمل بندر سے انسان تک اب تک تو ثابت نہیں کیا جا سکا۔ گو اس معاملہ میں بڑی دور کی کوڑیاں لائی جارہی ہیں اور زمانہ بعید کے چند پتھریلے جبڑے اٹھا کر ان کی انسان سے کڑیاں ملائی جارہی ہیں۔ بندر سینیارٹی (Seniority) یعنی بزرگی کا دعویٰ تو ضرور کر سکتے ہیں کیونکہ جب انسان کو جنت سے زمین پر لایا گیا اس وقت زمین جنگلات، جمادات و حیوانات پر مشتمل اپنی تمام مخلوقات کے ساتھ اس کے استقبال کے لیے تیار تھی۔ خالق کائنات نے انسان کو جنت کی خوب سیر کرائی اور پھر اس کو آزمائش کے لیے اس دنیا میں بھیج دیا اور بتا دیا کہ اگر دوبارہ اس اپنی کھوئی ہوئی جنت میں واپس آنا چاہتے ہو تو دنیا میں انسان بن کر رہنا کہیں بندر نہ بن جانا۔ مگر انسان کو جمود پسند نہ آیا اور اس نے بندروں سے ناطہ جوڑنے کی کوشش کی۔ انسانی کوششوں کے باوجود تاریخ شاہد ہے کہ یہ ارتقا بندر سے انسان کی طرف کبھی نہ تھا بلکہ ایک دور میں انسان سے بندر کی طرف تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(فقلنا لهم کونو قردة خاسئین. اور ہم نے بھی کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ۔ 2:65) مگر بندر کو دیکھ کر یہ خیال آتا ہے کہ کسی نہ کسی واسطہ سے اس کا کچھ نہ کچھ تعلق انسان سے ہے ضرور۔ انسان تو بے شک بندر سے نہیں بنا مگر یہ تو انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ بذات خود بندر بن جائے ضرورت صرف مناسب ڈگڈگی کی ہے۔

ڈھول

گاؤں میں کبھی کبھی خصوصاً گندم کی کٹائی کے موسم میں مداری کی ڈگڈگی کے بجنے کے ساتھ ساتھ بندر اور ریچھ کا ناچ چند گنے چنے تفریحی لمحات تصور ہوتے تھے۔ کبھی یوں بھی ہوا کہ بندر کا ناچ دیکھتے دیکھتے بچے بھی ساتھ ساتھ ناچنا شروع کر دیتے۔ بچپنے کے یہ واقعات بچپن کے ساتھ ختم نہ ہو سکے، البتہ بندر پن کی نوعیت ضرور بدل گئی۔ کچھ بڑے ہو کر شعوری طور پر جو دیکھا تو عجیب نظارے تھے بہت بڑے بڑے مداری بڑی بڑی رنگ برنگی ڈگڈگیاں بجا رہے تھے اور دوسری مہذب کیٹگری کے بندروں کی بے شمار ٹولیاں اپنی اپنی ڈگڈگی کی آواز پر پورے جوش و خروش سے ناچ اور گا رہی تھیں۔ بالکل ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے لاتعداد قسم کی این جی اوز ہیں اور مختلف ڈگڈگیوں کی آوازوں پر مختلف انداز سے ناچ گا رہی ہیں۔ سفید بندروں کے ساتھ سرخ ریچھوں کی ٹولیاں بھی تھیں جن کے قدم ڈگڈگی کی مترنم اور دھیمی آواز پر ٹھیک طرح سے نہیں اٹھ رہے تھے چنانچہ ان کے لیے ایک بہت بڑے ڈھول کا انتظام کیا گیا۔ بس پھر کیا تھا ریچھ صاحبان مکمل فارم میں آ گئے۔ ہر طرف سرخ سویرے کا چرچا تھا، مولوی ٹھاہ، ہے جمالو، اسلامی سوشلزم آوے ای آوے، روٹی کپڑا اور مکان اور دمادم مست قلندر جیسی تانیں بلند ہو رہی تھیں۔

ہمارے بہت سارے عقل پرست اور ترقی پسند ساتھی عوامی اور حکومتی سطح پر اس بندر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور ریچھ ناچ کو نہ صرف پسند فرما رہے تھے بلکہ ان کو داد دینے کے ساتھ ساتھ ان کی دامے، درمے اور سخنے مدد بھی فرما رہے تھے۔ مگر ہمارے افغانی بھائی شاید محمود غزنوی کے پسماندگان اور ہم وطن ہونے کی وجہ سے اس بے خدا مشرکانہ اور کمیونسٹانہ آرٹ اور بے حیا فنون لطیفہ سے بالکل ہی نابلد نکلے۔ سرخ ریچھ ڈانس ان کے گلے تو پڑا مگر انہیں اس کا ڈھول پیٹنا بالکل پسند نہ آیا اور انہوں نے اس کو اپنے گلے سے اتار پھینکنے کی کوشش کی۔ ان کی یہ کوشش اتنی مؤثر اور زوردار تھی کہ خلاف توقع بہت جلد سرخ ریچھ کا ڈھول ہی پھٹ گیا اور ہمیں عملی طور پر پتا چلا کہ ڈھول کا پول کیا ہوتا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ ڈھول کا پول کیا کھلا اس کے ساتھ ہی ریچھ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گیا۔ امید تو تھی کہ ڈھول کا پول کھلنے پر ریچھ کا جو حشر ہوا اس سے ڈگڈگی بردار مداری اور بندر بھی عبرت پکڑیں گے مگر وہ خاصے ڈھیٹ نکلے۔ انہوں نے مزید ڈگڈگی بردار مداری میدان میں اتار دیئے۔ بندروں کی پہلے ہی کمی نہ تھی اور نہ بعد میں محسوس ہوئی۔ اور اب ہر طرف بندر ناچ ہو رہا ہے۔ اور اللہ کی پناہ ہے بھی بہت زوروں پر۔ اللھم احفظنا۔ ہمیں خیال ہی خیال میں محسوس ہوا کہ ڈگڈگی کی آواز تیز ہو رہی ہے اور پیشتر اس کے کہ ہمارے پاؤں بھی اس کی آواز پر اٹھ جائیں ہم دوسری طرف گھوم گئے جس طرف سے موسیقی کا شور بلند ہو رہا تھا۔

www.KitaboSunnat.com

پلیٹ فارم کا مندر

میوزک کی آواز برابر تیز ہوتی جارہی تھی۔ ذرا قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ موسیقی کی آواز پلیٹ فارم پر بنے ہوئے ایک چھوٹے سے مندر سے آرہی تھی، جو کبھی آہستہ اور کبھی تیز ہوجاتی تھی۔ مندر کے سامنے کی دیوار پر سب سے نمایاں ایک دیوی کی بہت بڑی تصویر تھی۔ یہ تصویر دیوار پر کالے رنگ سے پینٹ کی ہوئی تھی اور نہایت ڈراونی تھی۔ گز بھر لمبی کریہہ صورت کالی زبان جس سے ایسے لگ رہا تھا کہ تازہ تازہ خون ٹپک رہا ہو۔ لمبے لمبے خونخوار باہر نکلے ہوئے چڑیلوں جیسے دانت۔ دیوی کے دو کی بجائے چار لمبے لمبے خوف ناک ہاتھ اور گلے میں خوشبودار خوش رنگ خوبصورت پھولوں کی بجائے پچاس انسانی کھوپڑیوں کا ڈراؤنا اور مکروہ ہار۔ کانوں میں بندوں کی بجائے بھی انسانی کھوپڑیوں کے آویزے۔ دیوی جی کو زیور پسند آیا بھی تو کون سا؟ واہ واہ۔ کمر بند کی جگہ کٹے ہوئے انسانی ہاتھوں کی لمبی اذیت انگیز زنجیر۔ جسم پر پیدائشی لباس لیکن پھر بھی اس تصویر کے موجدوں اور مصوروں میں شاید کچھ رمق شرم کی باقی تھی کہ اس دیوی کو بیٹھے ہوئے دکھایا گیا تھا ورنہ مصنوعی لباس سے بے نیاز یہ دیوی تباہی و بربادی لانے کے ساتھ ساتھ حیا کو بھی لے ڈوبتی۔

www.KitaboSunnat.com

برلا مندر

ہمیں یاد آیا کہ اس دیوی کی اسی طرح کی ایک قد آدم تصویر دہلی میں ایک شام برلا صاحب کے مندر میں بھی دیکھی تھی۔ ہوا یوں تھا کہ ایک شام سیمی نار سے واپسی پر مقامی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ساتھیوں نے ہمیں پیشکش کی کہ آج شام ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ ہم ان کے ساتھ شہر کی طرف نکل آئے۔ ایک کھلے بازار سے گزرتے ہوئے انہوں نے اشارے سے بتایا کہ یہ برلا صاحب کا مندر ہے اور بہت جدید طرز پر تعمیر کیا گیا ہے اور اس پر زر کثیر صرف ہوا ہے۔ انہوں نے کچھ ایسے انداز سے اس کی تعریف کی کہ جیسے کوئی خاص شے ہو اور وہ اسے دکھانا چاہتے ہوں۔ ہمیں بھی مندر دیکھنے کا کچھ اشتیاق تو تھا ہی کیونکہ اب تک ہم نے کوئی مندر اندر سے نہ دیکھا تھا۔ ویسے بھی برلا ہائی سکول اوکاڑہ کی نسبت سے ہمیں جناب برلا صاحب سے ایک تعلیمی تعلق خاطر بھی تھا کہ ہمارے کچھ دوست اس سکول میں پڑھتے تھے۔ اس لیے ہم نے بالی کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھنے کے باوجود مندر دیکھنے کی ہامی بھر لی۔

خدا کے موتی

گاڑی ایک طرف پارک کر کے ہم ان کے ساتھ مندر کے مین گیٹ پر پہنچے۔ جوتے اتار کر گیٹ مین کے حوالے کیے، اور اندر کی طرف بڑھ گئے۔ دروازے سے تھوڑا آگے پانی کی ایک ٹونٹی لگی ہوئی تھی۔ دوسرے دوستوں نے وہاں ہاتھ اور منہ دھویا۔ ہمیں ایسا لگا جیسے یہ بھی وضو کی کوئی بدلی ہوئی شکل ہو۔ ویسے بھی جسمانی اور روحانی پاکیزگی کا تصور تو ہر مذہب میں موجود ہے سوائے موجودہ عیسائی مذہب کے کہ اس میں چرچ نے غسل اور بدنی طہارت کی مذمت صرف اس لیے کی کہ اس سے جسم کی خوب صورتی اور دلکشی بڑھ جاتی ہے۔ سینٹ پال کہتے ہیں کہ جسم اور لباس کی صفائی کا مطلب روح کی گندگی ہے اور اسی وجہ سے چرچ نے گندگی کی وجہ سے پیدا ہونے والی جوؤں کو خدا تعالیٰ کے موتیوں کا نام دیا۔ مگر ہندو مت اس سے مختلف ہے۔ ہندوؤں کے پرانے اور مشہور قدیمی مندر عام طور پر دریاؤں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کنارے واقع ہیں جہاں پر اشنان یعنی غسل کے لیے گھاٹیاں بنی ہوتی ہیں۔ جس مقام پر دریا وغیرہ نہ ہو وہاں مندر کے ساتھ اشنان کے لیے ایک تالاب بنایا جاتا تھا اور اب شاید ماڈرن مندروں میں صرف پانی کے نل ہی لگائے جاتے ہیں۔

چنانچہ ہم بھی ان کے منع کرتے کرتے پانی کی ٹونٹی کی طرف بڑھے اور اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں گیلی کر ڈالیں۔ اس دوران وہ سب باتیں ذہن میں تازہ ہو رہی تھیں جو ہندوؤں کی چھوت چھات سے متعلق بڑوں سے سن رکھی تھیں یا پھر پڑھی ہوئی تھیں۔ ہم حیران ہو رہے تھے کہ کجا وہ وقت بھی تھا کہ اگر مسلمان مندر کے قریب سے بھی گزر جائے تو پورا مندر بھرشٹ ہو جائے اور اسے گائے کے پیشاب سے دھو کر پوتر کرنا پڑے۔ مسلمان کے ساتھ ہاتھ ملانا تو درکنار اس کے سائے کو بھی منحوس خیال کیا جاتا اور اس سے بھی دور رہنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ ان کے لیے کھانے پینے کی چیزیں علیحدہ رکھی جاتیں حتیٰ کہ پانی پینے کے لیے بھی شہروں اور گاؤں میں مسلم پانی اور ہندو پانی کی علیحدہ علیحدہ گھاتیں بنی ہوتی تھیں۔ کوئی مسلمان یا شودر ہندو گھاٹ سے پانی نہیں پی سکتا تھا۔ غرضیکہ ہندو کے نزدیک مسلمان نہ صرف خود ملیچھ اور منحوس تھا بلکہ اس کی نحوست کی یہ صفت چھوت کی طرح تھی جو اس سے علیحدہ نہ ہو سکتی تھی۔ مگر آج یہ کیسا انقلاب آ گیا تھا کہ ہندو خود ایک مسلمان کو اپنے مقدس مندر میں مدعو کر رہے تھے۔ اور بار بار کہہ رہے تھے کہ سر جی آپ کو ہاتھ گیلے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ یہاں صرف دیکھتے جایئے کچھ کرنے یا کہنے کی ضرورت نہیں۔

ان کے ساتھ ہم نے گھوم پھر کر پورا مندر دیکھا۔ ایک ایک مورتی کے پاس گئے۔ دیوی دیوتاؤں کے قد آدم پورٹریٹ دیواروں پر بڑی محنت سے پینٹ شدہ تھے۔ ساتھیوں نے ہر مورتی اور تصویر کو پرنام کیا اور اس دوران ہم اپنی گردن ذرا اور اکڑا لیتے۔ کیونکہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہمارے ایمان کے مطابق ہمارا اکیلا اور واحد اللہ ان کے تمام کے تمام 350 ملین دیوتاؤں پر حاوی ہے۔ یہ رنگ وروغن کی ناپائیدار اور مصوروں کی محتاج تصویریں اور مورتیاں نہ کسی کا کچھ سنوار سکتی ہیں اور نہ ہی کچھ بگاڑ سکتی ہیں۔ تاہم وہاں مندر میں چلتے پھرتے ہمیں ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے جناب محمود غزنویؒ مسلسل ہمیں گھور رہے ہوں اور کہہ رہے ہوں کہ ظالم یہ کیا کر رہا ہے تجھے موقع ملا ہے، اب کس بات کا انتظار ہے۔ اٹھا کہیں سے گرز اور مار دو چار مورتیوں کے سروں پر اور کر سنت ابراہیمی کو تازہ تاکہ میری روح کو بھی راحت ملے اور تیرے ایمان کو بھی تسکین۔ لیکن ہمارے سوشل احساسات نے ہمیں کوئی ایسا انتہائی اقدام اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ اس عظیم مجاہد کی آواز پر لبیک کہنے کی بجائے ہم نے صرف دل ہی دل میں بت پرستی سے نفرت کا اظہار کیا اور چپ رہے۔

گلوبل انسان

غزنوی حمیت ہم کہاں سے لاتے! ہم تو ٹھہرے اکیسویں صدی کے نہایت ماڈرن اور گلوبل قسم کے انسان جو یہ اعلان کرنے میں بے پناہ فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہم فنڈا منٹلسٹ نہیں۔ اور ویسے بھی لبرل خیالات کی یلغار میں محمود غزنویؒ کی توحید پرستی اور اسلامی حمیت ہماری سوئی ہوئی غیرت کو نہ جگا سکی۔ بلکہ الٹا ہم اس سوچ میں پڑ گئے کہ مانا کہ محمود غزنویؒ علما اور اہل علم کے قدردان تھے، شاعری اور اسلامی فنون لطیفہ اور آرٹ کے دلدادہ تھے مگر سومنات میں بت شکنی کر کے انہوں نے توحید کا سبق تو دیا مگر ساتھ ہی ساتھ صدیوں کے بت پرستی کے تاریخی ورثے کو توڑ کر بت گری اور بت فروشی کے آرٹ اور کلچر سے دشمنی کا ثبوت بھی دیا۔ اس کے برعکس اگر وہ اللہ کی رضا پر آرٹ اور کلچر کو ترجیح دیتے ہوئے سومنات کا بت نہ توڑتے تو آج کے یہ نام نہاد آذری آرٹ اور کلچر کے دلدادہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شاید انہیں کم بدنام کرتے اور ہو سکتا ہے کہ اکبر اعظم کی طرح محمود اعظم غزنویؒ کے خطاب سے نوازتے۔ اور یہ آج تمام غیر مسلم دنیا کی آنکھ کا تارا ہوتے۔ مگر آفرین کہ انہوں نے ہماری طرح نیو ورلڈ آرڈر کی عینک لگا کر اور ماہر معاشیات بن کر نہ سوچا بلکہ ایک مجاہد کی طرح سونے چاندی کے ڈھیروں پر اللہ کی رضا کو ترجیح دی۔

مندر کی عمارت ویسے تو کافی بڑی تھی مگر زیادہ کشادگی کا تاثر نہیں دے رہی تھی۔ تاہم محسوس یہ ہو رہا تھا کہ کام نہایت محنت اور نفاست سے کیا گیا ہے۔ مندر میں گھومتے ہوئے ایک بات خاص طور پر مشاہدے میں آئی۔ ہم نے مختلف دیویوں اور دیوتاؤں کی مورتیوں اور مصوری کے نادر نمونوں کو نہایت غور سے دیکھا اور پرکھا مگر کوئی بھی عام نارمل شکل و صورت میں نظر نہ آیا۔ دیوی دیوتاؤں کی کوئی بھی مورتی خوبصورتی کے کسی بھی شعوری معیار پر پورا اترتی نہ پائی گئی۔ کسی دیوتا کے دو سر ہیں تو کسی دیوی کے چار۔ کسی کے دس بازو ہیں تو کسی کی ٹانگیں دو سے زیادہ۔ کسی کی گز بھر لمبی زبان باہر لٹکی ہوئی اور کسی کے دانت بھدے اور خونخوار، تو کسی کی زبان سے خون بہہ رہا تھا۔ بے لباسی اور بے حجابی خدائی دستور ٹھہرا۔ حتیٰ کہ بعض کے صنفی اعضا تک بے حجاب۔ کیا خدائی ارکان ایسے اور ایسے بھی ہو سکتے ہیں یہ ہم نے کبھی سوچا تک نہ تھا۔

جمال

پلانٹ بریڈنگ اور جینیٹکس (Plant breeding and genetics) کے پس منظر میں جتنی قسم کے بھی جینیاتی نقائص (Genetic aberrations) سوچے جا سکتے تھے سب کے سب ان خداؤں میں ایک دم موجود تھے۔ ذہن سوچتا ہے کہ ان گاڈز نے اپنی شکلیں اور صورتیں اتنی ڈراؤنی، خوف ناک اور مضحکہ خیز کیوں بنائی ہیں۔ اور جو دیوتا یا دیوی اپنی شکل و صورت خوبصورت، متوازن اور دیدہ زیب نہیں بنا سکتے وہ اتنی بڑی عظیم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الشان پیچیدہ اور لامحدود کائنات کو کیسے سنوار سکتے ہیں؟ یہ سوچتے ہوئے ہمارا سر فخر سے اور بلند ہو گیا کہ کیا کہنے ہیں ہمارے اللہ کے۔ کہ جو یکتا ہے، یگانہ ہے، جمیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے۔ وہ بے مثل مصور ہے جس کی ہر تصویر ایک اچھوتا نمونہ اور نادر شاہکار ہے، اپنی جگہ مکمل، متوازن، خوبصورت اور ہر نقص سے پاک۔ اس کا سب سے اعلیٰ نمونہ انسان جو "احسن تقویم" پر پیدا کیا گیا اور شاہکار فطرت ٹھہرا۔

ایک اور چیز جس کا احساس مندر میں جا کر ہوا۔ وہ یہ کہ بیچارے ہندوؤں کے لیے مندر بنانا اتنا آسان نہیں جتنا کہ مسلمانوں کے لیے ایک مسجد بنانا۔ مسجد کیا ہے؟ زمین کا ایک ٹکڑا۔ سادہ سی چار دیواری۔ ایک چھت اور چند چٹائیاں، لیجیے مسجد تیار۔ مگر مندر بنانے میں پوری عمارت کے علاوہ اصل کام تو دیوی دیوتاؤں کی مورتیوں اور شبیہوں کے بنانے اور انہیں تراشنے خراشنے کا ہے۔ اس کام کے لیے تراش خراش کے بہترین ماہر مصوروں اور کاریگروں کو سالہا سال کام کرنا پڑتا ہے۔ یہ کام واقعی محنت طلب ہے اور زر کثیر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ ایسا زبردست کارنامہ تو واقعی جناب برلا جیسا کوئی دولت مند صنعت کار ہی انجام دے سکتا ہے۔

دیوتاؤں کی تعداد

مندر میں جن دیوی دیوتاؤں کو نمائندگی کا شرف بخشا گیا وہ تو چند ایک ہی تھے۔ مگر ہندوؤں کی کتب اور عام لٹریچر میں ہندو دیوی دیوتاؤں (gods and godesses) کی تعداد بہت زیادہ بتائی جاتی ہے۔ اکثریتی رائے کے مطابق یہ تعداد 3,33,33,333 یا The thirty threes کہلاتی ہے۔ تاہم ایک اور اندازے کے مطابق یہ تعداد 330 ملین ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہندومت میں دیوی دیوتاؤں کی تعداد کے متعلق رام کرشن کا قول ہے کہ ہندوؤں کے لیے اتنے ہی روحانی طریق کار اور راستے ہو سکتے ہیں جتنے کہ وہ چاہیں اور اسی طرح اتنے ہی خدا (gods) بھی ہو سکتے ہیں جتنے کہ پجاری اور ان کے احساسات، جذبات، خواہشات، موڈز، ضروریات اور خاندانی پس منظر وغیرہ وغیرہ۔

ہندومت کے عقائد

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک عام ہندو کی اپنی مرضی ہے کہ وہ جتنے چاہے خداؤں کی پوجا کر سکتا ہے مگر ان میں اپنی پسند کے خداؤں کے علاوہ دوسروں کی نفی نہیں ہے۔ مذہبی عقائد کے اعتبار سے ہندومت بڑا وسیع المشرب واقع ہوا ہے۔ ہندوؤں میں دہریوں سے لے کر کروڑوں خداؤں کو ماننے والے ہر عقیدے کے پیروکار پائے جاتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ وحدۃ الوجود کے قائل (Pantheists) یہ لوگ ہمہ اوست میں یقین رکھتے ہیں یعنی کہ خدا اس کائنات کی ہر چیز میں موجود ہے اس لیے ہر چیز خدا ہے۔

۲۔ خالص مشرک (Polytheists) ایک سے زائد خداؤں کو ماننے والے اور ان کے بت بنا کر رکھنے والے۔ اس عقیدے کے مالک ہندوؤں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

۳۔ ایک دیوتا کو ماننے والے (Monotheists) یہ گروہ کسی حد تک توحیدی ہے مگر یہ بھی اللہ کی بجائے براہما، یا رام وغیرہ کی ہی پوجا کرتے ہیں۔ ان کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

۴۔ منکرین (Agnostics) ان کے عقیدے کے مطابق خدا، ایشور یا بھگوان ایک ایسی ہستی ہے جس کے متعلق کوئی بھی کچھ نہیں جان سکتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵ دہریے (Athiests) جو کسی بھی خدائی ہستی میں یقین نہیں رکھتے۔ ان کی تعداد بھی بالکل کم ہے۔

۶ ثنویت کے قائل (Dualists) ان کے عقیدے کے مطابق نیکی اور بدی دونوں برابر کی قوتیں ہیں اور اس جہان رنگ و بو میں دونوں کسی خدائی طاقت کی مالک نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

تفرقہ بازی

اتنے سارے مذہبی عقیدوں کے باوجود حیرانی کی بات یہ ہے کہ ہندوؤں میں کوئی شدید تفرقہ بازی اور عقیدے کی بنیاد پر گروہ بندی نہیں ہے جس کی وجہ سے ان میں مندر اور عقیدے کی بنیاد پر لڑائی جھگڑے اور قتل و غارت گری نہیں ہوتی۔ بظاہر ان میں عام طور پر مذہبی رواداری بہت ہے۔ کوئی کسی سے نہیں پوچھتا کہ تو سنی ہے یا شیعہ، اہلحدیث ہے دیوبندی ہے یا بریلوی وغیرہ۔ مگر یہ بھی صحیح ہے کہ ہندوؤں نے اس مذہبی روادری کی کسر ذات پات کی آڑ میں پوری کر دی ہے۔ پیدائش کی بنیاد پر کی گئی یہ تقسیم شاید انسانیت پر سب سے بڑا ظلم ہے۔ اسلام کے سنہری اصول کہ کسی گورے کو کالے پر اور رنگ یا نسل کی بنیاد پر کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، اس کے برخلاف ہندوؤں نے چار ذاتوں کی شکل میں اپنے معاشرہ کو ایسے تقسیم کر دیا ہے کہ مزید فرقہ بندی کی کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

ہندومت میں خدائی ارتقا بھی ایک انتہائی عجیب داستان ہے۔ اشارات ایسے ملتے ہیں کہ سب سے پہلے صرف ایک ہی خدا براہما تھا۔ پھر اس کے تین بنے یعنی تثلیث بن گئی۔ جو بعد میں عیسائیوں نے بھی قائم رکھی۔ پھر تین سے 33 بنے پھر 333 ہوتے ہوتے یہ تعداد 3333 تک پہنچ گئی۔ پھر مسلسل تین کے ہندسے کا اضافہ ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ یہ تعداد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

330 ملین تک پہنچ گئی۔ گویا اب یہ تعداد 33333333 ہے اور یہ کئی گروپوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

عبادت

عام ہندو کو تو یہ حق دیا گیا ہے کہ دیوی دیوتاؤں کی اس عظیم الشان تعداد میں سے جتنے دیوی دیوتاؤں کی چاہے پوجا کرے اور ہر ایک کی پوجا بھی لازمی نہیں ہے۔ مگر یہ پتہ نہیں کہ ان دیوی دیوتاؤں نے بھی اپنے ماننے والوں کو یہ حق دیا ہے کہ نہیں اور اگر ایسا ہے تو ہمارے خیال میں یہ صرف اسی صورت ممکن ہے جب یہ تمام دیوی دیوتا صمٌ بکمٌ عمیٌ ہوں۔ انہیں اس سے کوئی سروکار نہ ہو کہ کون ان کی پوجا کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔ لیکن اگر مان لیا جائے کہ ان کے کچھ اختیارات بھی ہیں اور یہ دیوتا اندھے بہرے اور گونگے نہیں ہیں تو کیا واقعی وہ اس پر راضی ہو جائیں گے کہ خواہ کوئی ان کی عبادت کرے یا نہ کرے مگر وہ برا نہیں مانیں گے۔ اگر ان میں خدائی قوت نہ بھی ہو اور عام انسانوں جیسی سوجھ بوجھ ہی ہو تو بھی عام ہندوؤں کی خیر نہیں۔ آخر کس بنیاد پر وہ چند خداؤں کو تو پوجتا ہے اور باقی کو نہیں پوجتا اور ان کا انکار کرتا ہے۔ جن دیوتاؤں کو اس نے مانا وہ تو چلو خوش ہو گئے اور سورگ باشی یعنی نجات کا وعدہ بھی کر لیا مگر جن دیوتاؤں کو نہ مانا وہ تو ضرور ناراض ہونگے اور موقع ملنے پر سخت سزا بھی دیں گے۔

شریک

وہ خدا ہی کیا جو شریکوں کو برداشت کر لے اور بدلہ نہ لے۔ یہ دیوی دیوتا جو ہندومت کی مذہبی کتب کے مطابق اقتدار اور اختیارات کے حصول کے لیے جنگی منصوبے بناتے ہیں اور آپس میں لڑائیاں لڑتے ہیں، بڑے عقل مند، چالاک اور ہوشیار بنتے ہیں، بلکہ بعض

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بڑے مکار اور دھوکا باز بھی ہیں، خون آشام ہیں اور لڑتے مرتے ہیں، تباہ و برباد کرنے کی قوتیں رکھتے ہیں اور مخالفین کو تہس نہس کیے بغیر جنہیں چین نہیں آتا وہ کیسے یہ برداشت کریں گے کہ کچھ ہندو تو انہیں دنیا کا مالک مانیں اور کچھ ان کے دشمنوں کو۔ پھر یوں ہو گا کہ اگر ہندوؤں کا ایک گروہ دس بیس دیوتاؤں سے بچ بھی گیا تو کیا ہوا لاکھوں اور بھی تو پڑے ہیں کسی نہ کسی کے ہاتھوں تو رگڑا جائے گا اور نجات ناممکن۔ ایسے حالات میں قیامت تک تو شاید خود ساختہ آواگون کے چکر میں پھنسے رہیں گے اور پھر آتش دوزخ جس کی ابتدا چتا میں ڈال کر ان کی لاش کا کریا کرم کرتے وقت اسی دنیا سے ہی ہو جاتی ہے۔

ایک سجدہ

بفرض محال کوئی بہت ہی مومن قسم کا ہندو اگر ان 330 ملین خداؤں پر ایمان رکھتے ہوئے ان سب کی عبادت کرنا چاہے بھی تو کیسے کرے۔ ایک نوکر ایک وقت میں ایک ہی آقا کی اطاعت کر سکتا ہے زیادہ کی تو نہیں۔ یہی حال عبادت کا ہے۔ اگر مشترکہ طور پر زیادہ خداؤں کی پرارتھنا کرے گا تو شاید کسی کے لیے بھی قابل قبول نہ ہو گی۔ کیونکہ سب کے لیے ایک جیسا خلوص تو پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ اور جو دیوتا دلوں کے بھید معلوم کر سکتے ہوں گے وہ تو بالخصوص غضب ناک ہو جائیں گے کہ ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے خرابی ہی خرابی۔ اور اگر کوئی ہندو یہ تہیہ کر لے کہ وہ ہر ایک دیوتا کے لیے پوری زندگی میں صرف پانچ منٹ کی پرارتھنا کرے گا تو اس کے لیے بھی اسے تقریباً 322 سال درکار ہوں گے اور اس دوران وہ نہ سو سکے گا، نہ کھانا کھا سکے گا، اور نہ ہی کوئی دوسرا کام کر سکے گا۔ بھلا اتنی عمر عزیز کہاں سے لائے گا؟۔ اور پانچ منٹ سے خوش بھی کون ہو گا؟ اسی لیے تو علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ویدیں

مگر یہاں تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایک سجدہ کے عوض بات ہزاروں لاکھوں کی نہیں کروڑوں سجدوں سے نجات کی ہو رہی ہے۔ اتنی لمبی چوڑی دیوی دیوتاؤں کی تعداد کے معرض وجود میں آنے سے متعلق حقائق (Genesis) معلوم کرنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ یہ تخیل ان مقدس کتب کا مرہون منت ہے جن پر ہندو مت کی بنیاد ہے۔ ان کتب کو ویدیں کہتے ہیں۔ ان ویدوں میں ہر طرح کے دیوی دیوتاؤں کے مختلف اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ یہ ویدیں چودھویں صدی قبل مسیح سے پانچویں صدی قبل مسیح کے دور کی ہیں۔ ان سے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہ نہ تو انسانی دماغ کی پیداوار ہیں اور نہ ہی کسی خدائی طاقت کی طرف سے نازل شدہ ہیں بلکہ یہ دائمی سچائی ہے جو دانا لوگوں یعنی رشیوں (Richis) نے یا تو سنی ہے اور یا ان کی طرف الہام ہوئی ہے اور انہوں نے ان کو مقدس زبان سنسکرت میں منتقل کر دیا۔ یہ ویدیں ''شروتی یا شرتی'' یعنی سنی ہوئی کہلاتی ہیں اور تعداد میں چار ہیں:

۱. رگ وید: Rigveda اس کا مطلب ہے بصیرت افروز اشعار۔ یہ 1400 ق م کے لگ بھگ لکھی گئی۔ یہ سب سے پہلی اور قدیم ترین وید ہے جو تعریفی منتروں پر مشتمل ہے۔ اس میں دس ہزار اشعار ہیں جو کئی پشتوں میں مختلف لوگوں نے لکھے۔ ان اشعار میں ایک خدا سے لے کر کئی دیوتاؤں کی تعریف کی گئی ہے۔ براہمن کا مقام سب سے اونچا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ''سوما'' کی قربانی لازمی ہے۔

۲. سام وید (Samaveda) اس کا مطلب ہے بصیرت افروز اور پر لطف کلام۔ اس میں راگ اور گیت ہیں جو زیادہ تر دعائیہ اقوال اور منتروں پر مشتمل ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- یا جر وید (Yajurveda) اس کا مطلب ہے براہین قربانی۔ یہ قربانی وغیرہ کے منتروں پر مشتمل ہے جو پروہت قربانی کے وقت گاتے ہیں۔
- اتھر وید (Atharveda) یہ وید چھ ہزار منتروں پر مشتمل ہے جن میں سے تقریباً نصف نثر میں ہیں۔ ان منتروں میں جادو، ٹونے، جنسی جذبات، ڈر اور خوف وغیرہ کی ترجمانی کی گئی ہے۔

یہ ویدیں آریا دور کی ہیں اور ان کے بعد کے ادوار میں کچھ اور کتابیں بھی الہام ہوئیں جنہیں "سمرتی" یعنی روایت کہا جاتا ہے اور یہ ویدوں کی طرح ہی مقدس مانی جاتی ہیں۔ ان میں آریا نکا، اپانشاد، سمیتا اور براہما شامل ہیں۔ اس دور کے بعد کی کتابیں انسانی شمار ہوتی ہیں۔ ویدیں اور یہ کتب 1400 ق م سے لے کر 400 ق م کے درمیان تصنیف ہوئیں۔ مگر صحیح زمانہ کا تعین اور رشیوں یا نبیوں کا کوئی حسب نسب اور حالات زندگی کچھ بھی تو معلوم نہیں۔

چار سو سال قبل مسیح کے بعد کے ادوار میں ان ویدوں کی بنیاد پر اور بھی مذہبی تصانیف ہوئیں جن میں دھرم شاستر (Dharma Sutra) یا منوسمرتی سب سے زیادہ مقبول ہوئیں۔ یہ کتاب 200 ق م میں لکھی گئی اور موجودہ عقیدے کی بنیاد بنی۔ اسی دور میں ہندو دیوتاؤں اور اوتاروں کے کارناموں پر مشتمل دو اور کتابیں رامائن اور مہا بھارت بھی لکھی گئیں جو بہت زیادہ مشہور ہوئیں اور اب تک ان کی شہرت اور تقدس قائم ہے۔ رامائن 200 ق م اور 200ء کے درمیان تصنیف ہوئی، جب کہ مہابھارت کے متعلق خیال ہے کہ یہ 300 ق م اور 300ء کے درمیان معرض وجود میں آئی۔

بھگوت گیتا

یہ ہندومت کی سب سے مشہور اور مقبول مذہبی کتاب ہے اس کے معنی ہیں کلام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ربانی۔ اس میں سات سو اشلوک ہیں جنہیں بھگوان کے گیت بھی کہا جاتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ جب مہا بھارت کی جنگ میں دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں تو پانڈو سردار ارجن نے اس خیال سے ہتھیار کھول دیے کہ رشتہ داروں میں آپس میں خون خرابہ نہ ہو کیونکہ کوروان کے چچازاد بھائی تھے۔ مگر کرشن چندر نے اس کو ایسا کرنے سے روکا اور جنگ کرنے پر اکسایا۔ اس دوران سردار ارجن اور کرشن چندر کے لمبے چوڑے فلسفیانہ مذاکرات ہوئے جو بعد میں ہندوؤں کی مقدس کتاب بھگوت گیتا کی شکل میں مدون کیے گئے اور ماڈرن ہندو مت کی مذہبی اور قانونی بنیاد بنے۔ بھگوت گیتا میں بیان کیا گیا ہے کہ بھگوان کی طرح پجاریوں کو بھی دوست اور دشمن سے یکساں سلوک کرنا چاہیے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ کتاب ذات پات کی تمیز بھی سکھاتی ہے اور اس کے لیے اخلاقی بنیادیں بھی مہیا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

بڑا خدا

ویدوں کے مطابق پہلے پہل ایک بہت بڑا خدا (Supreme God) براہما تھا۔ مگر برا ہو شیطان لعین کا کہ اس نے ان ابتدائی توحید پرستوں کو ورغلایا کہ اکیلا براہما بے چارہ یہ نظام ہستی نہیں چلا سکتا۔ اور اس کی مدد کے لیے مزید خداؤں کی خدمات درکار ہیں۔ یہ بالکل اسی طرح ہوا ہوگا جس طرح ہمارے ہاں سادہ لوح عوام اور کم علم لوگوں کو چند چالاک اور مفاد پرست نام نہاد علما نے ورغلا کر ان کے ضروری کام، مشکلات اور مرادیں مقامی طور پر ہی پوری کرنے کے لیے ہر علاقہ کسی مقبرے میں مدفون بزرگ ولی یا پیر کے حوالے کر دیا کہ وہ وہاں کے باسیوں کی مرادیں پوری کرے یا آگے اللہ تک پہنچائے اور ساتھ ساتھ یہ بھی مشہور کر دیا کہ اللہ تک پہنچنے کے لیے سیڑھیاں یہی بزرگ اور ولی ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہندو تثلیث

چنانچہ شروع شروع میں ان ابتدائی نام نہاد توحید پرستوں نے ایک کے تین بنا دیے۔ اس معاملہ میں ہندو عیسایوں پر سبقت لے گئے کیونکہ عیسائیوں کی تثلیث تو بہت بعد میں وجود میں آئی اور صرف تین تک ہی محدود رہی۔ جب کہ ہندوؤں نے اپنی تثلیث بہت پہلے بنا ڈالی۔ پہلے پہل تو انہوں نے آسان کام کیا اور براہما کے ہی تین سر بنا دیے مگر بعد میں دو اور دیوتا مقرر کر دیے اور دلیل یہ دی کہ براہما کائنات بنانے والا ہے۔ اب اس کا قیام اور تباہی اس کے بس کی بات نہیں۔ ان کاموں کے لیے اور دیوتا ہونے چاہئیں۔ چنانچہ جو دو مزید دیوتا وجود میں لائے گئے ان میں سے ایک دیوتا وشنو دنیا کے قیام (Preservation) کے لیے مقرر کیا گیا اور دوسرا دیوتا شیوا تباہی و بربادی (Destruction) کے لیے چنا گیا۔ خالق براہما، محافظ وشنو اور غارتگر شیوا کی تثلیث کے بعد ان کی تعداد بڑھنے لگی اور پھر یہ تعداد اس قدر تیزی سے بڑھی کہ کروڑوں تک جا پہنچی۔ مگر بڑے دیوتاؤں کی یہ تثلیث اب بھی قائم ہے۔

خوف خدا

ہندومت کے دیوی دیوتاؤں کی کثرت تعداد کا ذکر پاکستان واپس آ کر جب ہم نے بچوں سے کیا کہ ان کی تعداد لاکھوں میں ہے تو بیگم نے ہماری بات پر شک کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کچھ تو خدا کا خوف کریں کسی کے اتنے زیادہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں ہمیں اپنے ایک خدا کی فکر ہے کہ کسی طرح وہ ہم سے راضی ہو جائے یہ لوگ اتنے خداؤں کو کیسے راضی کریں گے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم تو پہلے ہی بہت زیادہ خوف خدا کر رہے ہیں اور ہمارا خوف ان مولوی صاحب سے بھی زیادہ ہے جنہیں ایک گاؤں میں تبلیغ کی غرض سے بھیجا گیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ وہ نمازیں پڑھاتے، بچوں کو تعلیم دیتے، مسئلے مسائل بتانے کے ساتھ ساتھ اسلامی کیلنڈر کے مطابق چاند کی تاریخوں کا بھی حساب رکھتے۔ ایک دن ایک خاتون نے آ کر پوچھا کہ مولوی صاحب آج چاند کی کون سی تاریخ ہے؟ مولوی صاحب نے اپنے طریقے کے مطابق اپنے ایک گھڑے میں ہاتھ ڈالا اور کافی دیر کے بعد بولے کہ بڑی بی آج چاند کی 85 تاریخ ہے۔ خاتون نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مولوی صاحب کچھ خدا کا خوف کریں آپ تو کہتے تھے کہ اسلامی مہینہ 29 یا 30 دن کا ہوتا ہے آج یکایک یہ 85 دن کا کیسے ہو گیا؟ مولوی صاحب نے انتہائی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ بڑی بی یہ تاریخ میں نے آپ کو خدا کا خوف کر کے ہی بتائی ہے ورنہ یہاں تو معاملہ سیکڑوں میں ہے۔

اصل میں مولوی صاحب بے چارے بالکل بے قصور تھے۔ ان کا طریق کار کچھ یوں تھا کہ چاند کی پہلی تاریخ سے ایک خشک گھڑے میں روزانہ بکری کی ایک مینگنی ڈالتے جاتے تھے اور جب کوئی تاریخ پوچھنے آتا تو گھڑے میں ہاتھ ڈال کر مینگنیاں گنتے اور تاریخ بتا دیتے تھے۔ مولوی صاحب نے اپنی گذر اوقات کے لیے بکریاں بھی پال رکھی تھیں۔ ایک دن کیا ہوا کہ گھڑے پر ڈھکن رکھنا بھول گئے۔ ایسے میں ان کی بکریوں میں سے کسی بکری کا ادھر سے گذر ہوا اور اس نے شرارتاً یا انجانے میں اپنی مینگنیوں کا سارا میگزین گھڑے میں منتقل کر دیا اور یوں مینگنی کلنڈر میں تاریخ مولوی صاحب کے بس سے باہر ہو گئی اور خوف خدا کی حدوں کو چھونے لگی۔

ہم نے بچوں کو مزید بتایا کہ ہندوؤں کے ایک فرقے کے مطابق دیوتا ہر چیز میں موجود ہے اور اس لیے دنیا کی ہر چیز دیوتا ہے۔ شاید ہمارے ہاں صوفیا کرام کا وحدۃ الوجود اور ہمہ اوست والا فلسفہ بھی اسی طرح کا ہے۔ اسی فلسفے کا سہارا لیتے ہوئے تو ہندوستان کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشہور زمانہ سنگر میڈم لتا منگیشکر نے کہا تھا کہ ملکہ ترنم نور جہاں اور جناب مہدی حسن کے گلے میں بھگوان بولتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی بتانے کی کوشش کی کہ یہ تعداد ان کی پرانی مذہبی کتب ویدوں کے مطابق ہے جو 1500 ق م کے زمانے سے متعلق ہیں۔ خدائی رفتار (god speed) سے بڑھتی ہوئی دیوتاؤں کی یہ تعداد جو ایک سے شروع ہو کر کروڑوں تک پہنچی ہے وہ آخر یہاں آکر رک تو نہیں گئی ہوگی۔ اس کے بعد اب تک ساڑھے تین ہزار سالوں میں یہ تعداد پتہ نہیں کہاں تک جا پہنچی ہو۔ مگر وہ لوگ بھی کیا کریں اس مشینی دور میں جب کہ نت نئی ایجادات ہو رہی ہیں اور دنیا بھر میں ان گنت لیبارٹریاں، کارخانے اور فیکٹریاں ڈھیروں (Mass production) کے حساب سے نئی چیزیں بنا رہی ہیں جن میں سے ہر ایک کو ان کے فلسفے کے مطابق خدائی یا دیوتائی درجہ حاصل ہے تو کس کو اتنی فرصت ہے کہ ان گنتوں کی گنتی کرنے بیٹھے۔ اتنے دیوتا ہی نہیں سنبھالے جا سکتے اور بنا کر کیا کرنے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مندر اور دیوتا

آگرہ ریلوے سٹیشن پر اس چھوٹے سے مندر کی دیوار پر بنی ہوئی قد آدم کالی بلکہ مہا کالی دیوی کے سامنے کھڑے ہم یہ سوچ رہے تھے کہ ہم ان کروڑوں دیوتاؤں کے منکر ضرور ہیں لیکن بت شکن نہ بن سکے۔ بت شکنی تو دور کی بات ہے ہم تو ان کے ناموں پر بنائی جانے والی رسموں کے خلاف کچھ کہنے کا جرم بھی نہ کر سکے۔ تاہم پھر بھی محسوس ہوا کہ یہ کروڑوں دیوتا ہمارے اس طرح کے گلوبل رویے کے شاکی ہیں اور احتجاجاً ہمارا گھیراؤ کیے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اپنے ارد گرد کا جائزہ لے کر پہچاننے کی کوشش کی کہ کس کس دیوتا کو ہم نے رنگ و روغن اور پتھر کی شکل میں برلا مندر میں دیکھا تھا۔ ان میں سے چند ایک کو پہچانتے ہوئے ہم نے ان کی نسلی افزائش کو ویدی پس منظر میں دیکھنے کی کوشش کی۔

پتہ یہ چلا کہ تمام ویدیں اور بعد کے شاستر وغیرہ نہ تو دیوی دیوتاؤں کی تعداد پر متفق ہیں اور نہ ہی ان کے حقوق اور اختیارات وصفات پر۔ ہر ایک کا اپنا نقطہ نظر ہے۔ مگر ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتے۔ اور شاید یہی ایک ایسی نرالی خاصیت ہے جو ہندو مذہب کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ دیوتاؤں سے زیادہ یہ پجاریوں کا کمال ہے کہ جس دیوتا کو چاہیں آسمان پر چڑھا دیں اور جس کو چاہیں بے وقعت بنا کر رکھ دیں۔ اس دیوتائی بلندی اور پستی کی وجوہات دیوتا جانیں یا پجاری ہم اس جھگڑے میں نہیں پڑتے۔ مگر اسی تناظر میں ہم چند اہم ترین دیویوں اور دیوتاؤں کی پیدائش، وفات، اختیارات اور کردار کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

براہما

سب سے بڑا دیوتا مانا جاتا ہے جس نے کہ اس کائنات کو پیدا کیا۔ ایک اور ماخذ کے مطابق براہما دیوتا چار چہروں والے دیوتا کا خالق ہے جس کے ہر چہرے سے ایک وید پیدا ہوئی۔ ہندو عقیدے کے مطابق ہر دیوتا کی شکتی یعنی قوت اور طاقت ایک خاتون کی شکل میں ہوتی ہے جس کو وہ اپنی بیوی بنا لیتے ہیں۔ اس طرح ہر دیوتا کی ایک یا ایک سے زائد بیویاں بھی ہوتی ہیں جو بذات خود دیویاں بن جاتی ہیں اور ان کی پوجا بھی کی جاتی ہے۔ براہما کی بیوی سرس وتی تھی جو شاردھا اور علم کی دیوی بھی کہلاتی ہے۔ براہما اس کائنات کا بھی خالق بتایا جاتا ہے مگر کائنات کو پیدا کرنے کے بعد اس کی اہمیت کم ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ وشنو اور شیوا بالترتیب قیام وتباہی کے لیے منظر عام پر آئے اور آہستہ آہستہ براہما سے زیادہ اہمیت اختیار کر گئے۔

براہما پہلے پہل سب سے بڑا دیوتا تھا مگر بعد میں وشنو اور شیوا بھی اس کے ہم مرتبہ ہو گئے۔ اس طرح توحید سے براہما، وشنو اور شیوا کی تثلیث بنی۔ شروع شروع میں تو یہ تینوں دیوتا نظام کائنات چلانے میں ایک دوسرے کے دوست اور مددگار بنے رہے مگر کب تک آخر خدا تھے شریکوں کی دست اندازیاں برداشت نہ کر سکے۔ جب وشنو اور شیوا کا اقتدار بڑھنے لگا تو ان میں لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ ان دیوتائی لڑائیوں کا حال ان کی کتابوں پورانا (Purana) اور تنتارہ (Tentara) میں کافی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ان خدائی جنگوں میں شیوا جی (God of destruction) کا پلڑا بھاری رہا اور وہ جیت گئے۔ اس طرح براہما جو کبھی اس کائنات کو بنانے والا خالق دیوتا مانا جاتا تھا اس کی اہمیت کم ہوتے ہوتے تقریباً ختم ہو گئی۔ براہما وہ واحد دیوتا ہے جو سب سے بڑا خدا مانا جاتا ہے مگر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کی پوجا نہیں کی جاتی اور نہ ہی اس کے بت بنائے جاتے ہیں۔ایک اندازے کے مطابق آج کے ہندوستان میں اس کے صرف ایک درجن کے قریب مندر ہیں جب کہ شیوا جی کے بے شمار ہیں۔

شیوا

شیوا جی کی اہمیت 400ق م میں بڑھی بلکہ خوب بڑھی اور اس وقت شیوا ہندوؤں کا سب سے بڑا دیوتا مانا جاتا ہے، بلکہ مہا دیوتا کہلاتا ہے۔اس دیوتا کا کردار نہایت پیچیدہ، الجھا ہوا اور گنجلک ہے۔اس کے اختیارات بے پناہ ہیں۔اس کی پسند اور خواہشات اتنی متفرق اور متنوع ہیں کہ اس کے کردار کا تعین ہی نہیں کیا جاسکتا۔ He combines the role of ascetics and lover. He devotes himself to austerities and lustful misteress. شیوا کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا کون سا کردار یا روپ مفید ہے اور کون سا نقصان دہ۔

شیوا جی لامتناہی تباہی اور بربادی (Untamed wildness) اور جنسی طاقت کا خطرناک، خوف ناک اور ڈراؤنا دیوتا ہے مگر ہے نا قابل اعتماد اور بے وفا۔اس کی بلا وجہ تباہ کاریوں اور نقصان رسانیوں کی وجہ سے اسے غیر مہذب دیوتا (Asocial god) بھی سمجھا جاتا ہے۔یہ جانوروں کا بھی دیوتا ہے اور اکیلا شکاری ہے۔ایسا شکاری جو اپنے شکار کو مار کر اس کی کھال اتارتا ہے۔پھر شکار کی خون آلود کھال پہن کر خوشی سے ناچتا ہے۔یہ یوگی بھی ہے اور ڈانسر بھی جس کی وجہ سے اسے ناٹا راجہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا ساتھی نندی بیل ہے جس کی شکل اس بیل سے ملتی ہے جو موہنجوداڑو کے کھنڈرات سے ملا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شاید اسی لیے ہندو لوگ اپنے تانے بانے سندھ کی قدیم تہذیب سے ملانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس علاقے پر اپنا قدیمی حق جتا سکیں مگر موہنجوڈارو سے ملنے والے کتبات ابھی تک پڑھے ہی نہیں جا سکے اور نہ ہی وہاں گائے کی تقدیس کا کوئی ثبوت ملا ہے۔ سب سے زیادہ گمشدہ نشانات جس تہذیب کے ملے ہیں وہ ہے بدھ مت۔ اصلی حالت میں ملنے والی چیزوں میں گلی محلے، پکی روشیں، مشترکہ سیوریج، نہانے کے حوض، بالکل ماڈرن قسم کے WC کموڈ، ہر گھر میں کنواں وغیرہ کے ساتھ ساتھ سب سے نمایاں دو مجسمے تھے جن میں سے ایک کسی بدھی پیشوا کا تھا اور دوسرا ایک ناچتی ہوئی نوجوان لڑکی کا۔ مذہبی پیشوا سر سے پاؤں تک اپنے بھاری بھر کم مذہبی لباس میں جب کہ ڈانسنگ گرل برائے نام لباس میں تھی۔ تاریخی حقائق کے مطابق موہنجوڈارو سے ملنے والے یہ دونوں مجسمے انگریزی دور میں بمبئی کے عجائب گھر کو ادھار دیے گئے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد جب یہ مجسمے موہنجوڈارو کے عجائب گھر کے لیے واپس مانگے گئے تو ہندو سرکار نے انکار کر دیا۔ پاکستان نے کوشش نہ چھوڑی اور عالمی اداروں کے تعاون سے یہ طے پایا کہ دونوں میں سے ایک پاکستان کو ملے گا۔ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ اس مقصد کے لیے قرعہ اندازی کی جائے گی۔ سنا گیا ہے کہ پاکستانی وفد کے سربراہ کی خواہش تھی کہ بے لباس سی ڈانسنگ گرل پاکستان کے حصے میں نہ آئے۔ انہوں نے دعا کی جو بقول ان کے قبول ہوئی اور پاکستان کے حصے میں مذہبی پیشوا کا مجسمہ آیا جو موہنجوڈارو کے عجائب گھر میں رکھ دیا گیا۔

ہندو مت کے مطابق شیوا جی ڈانسر یعنی ناٹے راجے کی حیثیت سے آفاق میں توازن کا سبب ہیں۔ شیوا جی بالکل آزاد ہیں اور کسی کے سامنے جواب دہ بھی نہیں۔ شیوا جی گنگا کا پانی لانے والے ہیں جو پاپ اور گناہوں کی آلائش کو دھوڈالتا ہے۔ یہ ماتھے پر ہلال کا نشان بنائے ہوئے ہیں جو امر کی نشانی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شیوا جی پر جاپتی یعنی سب سے پہلے انسان ہیں اور انہوں نے بڑی مشکل سے اپنی شادی پروتی دیوی سے کی جو پہاڑوں کی بیٹی تھی۔ یہ شادی سب سے پہلی شادی بتائی جاتی ہے۔ ہندومت کے مطابق تمام انسان اسی پہلی شادی کی نقل کرتے ہیں۔ پروتی کو درگا، امبا، یا ما، شکتی اور کالی یا مہا کالی دیوی بھی کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے تباہ کن قوت۔ کالی دیوی کو مصنوعی اور نقلی لباس سے آزاد بالکل برہنہ دکھایا جاتا ہے اور کہا یہ جاتا ہے کہ اس کی عریانی قدیمی، بنیادی اور فطرت کی طرح شفاف ہے جیسے کہ زمین، سمندر اور آسمان۔ پروتی سے شیوا کا بیٹا گنیش پیدا ہوا جس کا سر ہاتھی کا تھا۔

شیوا جی کو اندر، ایشور، شا بھو اور شنکارا بھی کہا جاتا ہے۔ اندر دیوتا کے روپ میں شیوا جی (god of phallus) ہیں۔ اگنی کے روپ میں شیوا جی آگ کے دیوتا ہیں۔ شیوا جی کا ایک روپ گناہ کی ترغیب کا بھی ہے۔ یعنی یہ ضروری ہے کہ انہیں گناہ کی ترغیب دی جائے (He demands to be seduced) شیوا جی درندوں کے دیوتا (Lord of Beasts) بھی کہلاتے ہیں۔

شیوا کی پوجا

مندروں اور گھروں میں ہندو لوگ شیوا دیوتا اور ان کی بیوی دیوی شکتی کی پوجا لنگا (Linga, Lingam and Yoni) اور یونی کی شکل میں کرتے ہیں جس میں شیوا جی کو پتھر کے گول منارے کی صورت دکھایا جاتا ہے جو کہ (Phallus symbol) ہے۔ اسی سمبل کی بنیاد میں یونی کا سمبل بھی دکھایا جاتا ہے۔ پوجا کے لیے اشنان (غسل) ضروری ہے اور پھول بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ شیوا جی کے پجاری سنیاسی بھی کہلاتے ہیں جو اپنے بدن پر سفید راکھ مل کر سانپ لپیٹ لیتے ہیں، کھوپڑیوں کے ہار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہنتے ہیں بالوں کی مینڈھیاں بناتے ہیں۔اور ہاتھ میں انسانی کھوپڑی رکھتے ہیں۔کالی ماتا کی طرح یہ بھی بے لباس رہنے کی کومقدس خیال کرتے ہیں اورعورتوں کا برہنہ ناچ،شراب، خون کے چڑھاوے اور جنسی حرکات تنتاری عبادات کا حصہ ہیں۔شیوا جی کے ماننے والے تنتاریوں میں دیویوں کو خوش کرنے کے لیے محرمات اور دوسری عورتوں کے ساتھ جنسی آوارگی بھی ایک مقدس عبادت ہے۔یہ ایک طرف تو وہ خود جنسی آوارگی کی اجازت دیتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے باپ دیوتا براہما کا سر کاٹ لیا تھا کیونکہ وہ محرمات سے حرام کاری کا بہت شوقین تھا۔

کالی اور شیوا

شیوا جی کی شکتی یعنی اصل طاقت ان کی بیوی پروتی (شکتی) میں ہے اور شکتی کے بغیر شیوا جی بالکل ناکارہ ہوجاتے ہیں۔یعنی سادہ الفاظ میں ان کے مہادیوتا بھی اپنی جورو کے غلام ہیں جن کی اصل طاقت شکتی ان کی بیوی ہے۔اور پھر بھی کہتے ہیں کہ ہم سب سے بڑے دیوتا ہیں اور کائنات میں کسی کے سامنے جواب دہ نہیں۔اس کا ایک مظہر مندروں اور ہندی کتب میں شیوا جی اور کالی دیوی کا میاں بیوی کی حیثیت سے دکھایا جانے والا ایک نادر روزگار روپ ہے۔یہ روپ خاصا جان دار ہے اور شوہروں کے لیے عبرت ناک بھی۔اس روپ میں کالی دیوی اپنے تمام تر غیظ وغضب اور دہشت ناک خونخواریت کے ساتھ ہاتھ میں کسی اکھڑ جگی کی طرح تلوار لہراتے ہوئے جناب شیوا کو زمین پر گرا کران پر اس انداز سے کھڑی ہے کہ اس کا ایک پاؤں بیچارے شوہر نام دار کی چھاتی پر ہے اور دوسرا ان کی ران پر اور شیوا جی ہارے ہوئے پہلوان کی طرح نیچے لیٹے لیٹے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ رہے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کالے بکرے

کالی دیوی کو بعض لوگ بنارس اور دوسرے علاقوں کے ٹھگوں اور گرہ کٹوں کی دیوی بھی کہتے ہیں۔ کالی بڑی مشہور اور طاقت ور دیوی ہے مختلف شہروں اور جگہوں کے نام مثلاً کولکتہ (کلکتہ)، کالی گھاٹ وغیرہ کی نسبت بھی کالی سے ملائی جاتی ہے۔ اس کے میلے، تہوار اور قربانی کی رسومات بڑی باقاعدگی سے منعقد کی جاتی ہیں اور عوام میں بہت مقبول ہیں۔ کولکتہ میں کالی گھاٹ کے مندروں کے سامنے کالے بکروں کی منڈی ہر وقت لگی رہتی ہے اور پجاری کالے بکروں کا بلیدان پیش کرتے رہتے ہیں۔ شاید اسی سے متاثر ہو کر ہمارے ہاں بھی نذر نیاز اور صدقہ خیرات کے لیے بیچارے کالے بکروں کی ہی شامت آتی ہے۔

مانجو کماری

سترھویں صدی تک ہر روز ایک نوجوان لڑکا کالی دیوی کے چرنوں میں ذبح کیا جاتا تھا۔ اب قانوناً انسانی قربانی پر پابندی ہے مگر پھر بھی ہندوستانی پولیس کے ریکارڈ کے مطابق ہر ماہ کم از کم ایک لڑکا یا لڑکی خونخوار کالی ماتا کی بھینٹ چڑھا دی جاتی ہے۔ ٹائم نے اپریل 2002ء میں ایک کٹر ہندو کھدو کار مارکر کے ہاتھوں ایک پندرہ سالہ لڑکی مانجو کماری کے ذبح کیے جانے کا واقعہ لکھا ہے۔ کار مارکر کے اقراری بیان کے مطابق اس نے ایک لڑکی مانجو کماری کو اغوا کیا، اس بیچاری کو بیہوشی کی دوائی پلائی مگر وہ بیہوش نہ ہوئی تو کار مارکر اس کی بیوی، بیٹی اور اس کے تین ساتھیوں نے زبردستی اس کو کالی ماتا کے سامنے فرش پر لٹایا، رسم کے مطابق اس پر خوشبو چھڑکی، اس کے نیلے سکرٹ اور گلابی ٹی شرٹ کو پھاڑا، اس کے بال کاٹے، گنگا کا پوتر پانی اس کے بدن پر چھڑکا اور تمام اعضاء پر گائے کے گھی کی مالش کی، اس کے بعد کالی ماتا کی شان میں منتر پڑھتے ہوئے اس نے مانجو کے ہاتھ چیر کر کاٹے، پھر اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی چھاتیاں کاٹیں اور پھر بایاں پاؤں۔ اس کے فوراً بعد مانجو کے جسم کے تمام حصے کالی ماتا کے قدموں میں جمع کر دیے جہاں منٹوں میں تڑپ تڑپ کر بے چاری نے جان دے دی۔ یہ سب کچھ کارمار کرنے ایک ہندو جوگی کے کہنے پر کیا کہ اس طرح کالی ماتا خوش ہو کر اس کی قسمت بدل دے گی اور اس کی غربت دور کر دے گی۔ ہندو فلسفہ کے مطابق کالی کو راضی کرنے کا سب سے اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ کسی تازہ جوان مقتول کی پشت پر مرد اور عورت جنسی عمل کریں۔ ایسے میں جو مانگا جائے کالی دے گی۔ اعاذنا اللہ.

وشنو

اسی طرح ہندو تثلیث کا تیسرا بڑا کردار دیوتا وشنو ہے۔ یہ تباہی کی بجائے بناؤ اور استحکام کا دیوتا شمار ہوتا ہے۔ اس کا کردار بھی کوئی کم پیچیدہ نہیں کیونکہ اسے اوتار کی شکل میں زمین پر آنے کا بڑا شوق ہے۔ یہ آسمانی خدا ہے اور زمین کی طرف صرف اسی وقت آتا ہے جب بگاڑ بہت زیادہ ہو جائے۔ اور اب تک یہ دیوتا نو بار زمین پر آ چکا ہے۔ صرف دسویں بار اس کا آنا باقی ہے۔ اس کے بعد یہ کائنات ختم ہو جائے گی۔ اس کے اب تک کے اوتار مندرجہ ذیل ہیں:

وشنو کے اوتار

۱ مچھلی۔ اس روپ میں اس نے طوفان نوح کے موقع پر ویدوں اور ہندوؤں کو بچایا جو سیلاب کے پانی میں تباہ ہو رہے تھے۔

۲ کچھوا۔ اسی طوفان نوح کے موقع پر ایک کچھوے کی حیثیت میں وشنو نے امرت دھارا، آب حیات اور سمندروں کی بیٹی لکشمی دیوی کو تلاش کیا۔

۳ سور۔ سور کی حیثیت میں وشنو نے زمین کو سمندر سے باہر نکالا جہاں اسے ایک خطرناک عفریت ہرن یکش نے پھینک دیا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴ نرسیما (Man lion)۔ آدھا انسان آدھا شیر بن کر اس نے ایک اور خطرناک عفریت ہرن یکش پو کو تلاش کر کے مار ڈالا۔

۵ بونا (Dwarf) بونے کی حیثیت سے اس نے ایک اور عفریت بلی سے کائنات کو واگزار کرایا جس نے اس پر ناجائز قبضہ کر لیا تھا۔

۶ پرشوراما (رام کلہاڑا)۔ پرشوراما کی حیثیت سے اس نے ایک برہمن کو قتل کرنے کی پاداش میں 21 بار کھشتر یہ فرقہ کے تمام مردوں کو قتل کیا اور اپنی بدکار ماں کا سر کاٹا۔

۷ رام۔ رامائن کے ہیرو کی حیثیت میں بندر دیوتا ہنومان کی مدد سے راون کو قتل کیا، سیتا کو آزاد کرایا اور ایک مثالی بادشاہت قائم کی۔

۸ کرشن چندر۔ اس روپ میں مہابھارت کے ہیرو کی حیثیت سے مہابھارت کی جنگ لڑی اور مخالف رشتہ داروں کا صفایا کر دیا۔

۹ بدھ۔ اس نے بدھ کا روپ اس لیے اختیار کیا کہ شریروں کو دھوکے بازی سے ویدوں کے انکار پر اکسائے اور پھر بدھ مت اختیار کرنے والوں کو سزا دے۔

وشنو دیوتا کا کالکن کی شکل میں دسویں بار کا آنا ابھی باقی ہے جس کے بعد یہ دنیا ختم ہو جائے گی اور ایک نیا دور شروع ہو گا۔ کالکن کا مطلب اب تو مسیحا لیا جا رہا ہے مگر حقیقت میں شاید دجال ہو۔ وشنو دیوتا کے دو اوتار بہت مشہور ہیں یعنی رام اور کرشن، اور ان ہی کے ماننے والے ہندو ہمیشہ کی طرح آج بھی مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ راما کے پجاریوں نے تو ایودھیا میں رام کی پیدائش کی من گھڑت کہانی کی بنیاد پر بابری مسجد شہید کر دی۔ اور اب کرشنا کے پجاری اسی طرح کے گھناؤنے منصوبے متھرا، آگرہ اور فتح پور سیکری اور بعض دوسرے تاریخی مقامات اور مسجدوں کے بارے میں بنا رہے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ ان مقامات اور مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔

وشنو اچھے کاموں کا انسان دوست اور سریع الحرکت دیوتا سمجھا جاتا ہے۔ یہ اپنی تین مہمات کی وجہ سے مشہور ہے کہ اس نے زمین کو بنایا، اس کو عبور کیا اور پھر اس کا مالک بن بیٹھا۔ وہ مذکورہ دس اوتاروں کے علاوہ بھی جب چاہے زمین پر آ سکتا ہے۔ مقدس کتابوں کے مطابق وہ ایک خوبصورت عورت کا روپ بھی دھار سکتا ہے۔ ضرورت پڑنے پر خود غرضی، دھوکہ دہی، کم ہمتی اور بزدلی کا روپ بھی اختیار کر سکتا ہے۔ یہ بات بہر حال ہمارے سوچنے کی ہے کہ کیا عظیم خدا کی ایسی ہی ''صفات'' ہوں جیسی کہ ہندو مت کے اس عظیم دیوتا وشنو نے اپنے لیے چنی ہیں؟

وشنو دیوتا بھی نصف بہتر کے محتاج ہیں۔ عام حالات کے علاوہ سفر میں بھی وہ ایک خاتون لکشمی دیوی (کنول دیوی) کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ لکشمی دیوی کو ملکہ حسن، ملکہ محبت اور ملکہ خوشی بھی کہا جاتا ہے اور اس کی بھی پوجا کی جاتی ہے۔ سیتا دیوی کی طرح لکشمی دیوی کا ظہور بھی ایک عجوبہ ہے۔ یہ اس وقت وشنوں کے ہاتھ لگی جب وہ شیاطین سے مل کر امرت دھارا کی تلاش میں سمندر کھنگال رہے تھے۔ امرت دھارا تو انہیں نہ مل سکا مگر لکشمی دیوی ضرور مل گئی جسے سمندروں کی بیٹی بھی کہا جاتا ہے۔ لگتا ایسے ہے کہ اس طرح اتفاقاً بیچارے وشنو دیوتا کا گھر آباد ہو گیا۔ ویسے تو وشنو دیوتا کا ویدی کردار بڑا مثبت، تعمیری اور بناؤ کی طرف مائل نظر آتا ہے مگر جب یہ دیوتا مختلف اوتاروں کا بھیس بدلتے ہیں تو بگاڑ اور تباہی و بربادی کی بھی ساری کسریں نکال دیتے ہیں۔ خاص کر ہری رام اور کرشن چندر کی حیثیت میں۔ وشنومت کے ماننے والوں کی ایک بات قابل تحسین ہے کی ان میں ذات پات کی شدت کم ہے۔

راما کی حیثیت سے وہ رامائن کی مشہور داستان کے ہیرو بن کر ابھرے۔ اس اوتار میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے بندر جرنیل ہنومان کی مدد سے لنکا کے ظالم بادشاہ راون کو قتل کیا، لنکا کے سارے ملک کو تباہ و برباد کیا اور سیتا کو قید سے آزاد کرایا وغیرہ وغیرہ۔ مگر کرشن چندر کی حیثیت سے انہوں نے جب مہابھارت کی لمبی اور خطرناک جنگ لڑی تو پوری انسانیت کو سوائے ایک بشر کے تباہ و برباد کر ڈالا اور پھر غلطی سے ایک شکاری کا تیر لگنے سے خود بھی مر گئے۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ دیوتا کیسے مرتے ہیں جب کہ وہ لافانی ہوتے ہیں اور ان کی جان نکالنے کی جرأت کون کرتا ہے۔

چند اور مشہور دیوتا

ہندومت میں بعض اوقات مختلف علاقوں میں کچھ دیوتا بہت مشہور ہو جاتے ہیں۔ کبھی تو یہ مقبولیت بہت دیر تک قائم رہتی ہے اور کبھی بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اپنی مقبولیت قائم رکھنے والے چند دوسرے مشہور دیوتا یہ ہیں:

اندر: بارش اور طوفان کا دیوتا ہے اور تمام فضائی اور آسمانی قوتوں کا افسر اعلیٰ بلکہ تمام دیوتاؤں کا بادشاہ ہے۔ دشمنوں کے خلاف مدد اور حفاظت بھی اسی کا ذمہ ہے۔

ردرا (Rudra): ڈر اور خوف کا دیوتا ہے۔

سوریا (Surya): سورج دیوتا ہے۔

سوما (Soma): چاند دیوتا ہے اور روحانی نشے کا بھی دیوتا ہے۔ یہ بھنگ کی طرح کا نشہ آور پودا تھا جو ارتقائی منازل طے کر کے دیوتا بنا دیا گیا۔ قربانی بھی اسی کے لیے کی جاتی ہے۔

گنیش یا ہاتھی دیوتا (Ganesh-Elephant god): علم اور خوشحالی کا دیوتا سمجھا جاتا ہے۔ یہ عام طور پر چوہے پر سواری کرنے کا بہت شوقین ہے۔

ورونا (Veruna): آسمانی قوتوں کا خاص طور پر بارش کا دیوتا ہے۔ پاپ یعنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گناہوں سے بچنے اور ان کی بخشش کے لیے بھی اسے پکارا جاتا ہے۔

ہنومان یا بندر دیوتا: سرخ منہ والا دو ٹانگوں پر کھڑا بندر۔ خدا کے ساتھ عقیدت و محبت، ہمدردی اور رحم دلی کا دیوتا ہے۔ ہر قسم کی مشکلات میں پکارا جاتا ہے۔ مختلف علاقوں اور ملکوں میں ہنومان کے اور بھی بہت سے نام ہیں مگر زیادہ تر انومان، ہنومنت اور ماروتی کے ناموں سے ہی پکارا جاتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ سیتا دیوی کو راون کی قید سے آزاد کرانے میں رام چندر کی مدد کرنا ہے۔

یاما: موت کا دیوتا ہے۔

مترا: دوستی اور وفاداری کا دیوتا ہے۔

اگنی: یہ آگ کا دیوتا ہے اور اگنی نام شاید لاطینی فائر گاڈ اگنس (Ignis) سے مشتق ہے۔ یہ دو چہروں، سات زبانوں، سنہری دانتوں، سات ہاتھوں، تین ٹانگوں اور سات شعاؤں والا آگ کا دیوتا ہے۔ اسے خوش کرنے کے لیے ہندو اپنے مرنے والوں کا کریا کرم کرتے (جلاتے) ہیں۔ یہ شادی کا دیوتا بھی ہے اور بذات خود (Ex-officio) تمام نوجوان خواتین کا شوہر بھی ہے۔ (نوجوانی کی عمر کا تعین نہیں اس لیے پتہ نہیں کہ یہ جبر کی شادی کب اور کس طرح ختم ہوتی ہے کیونکہ ہندو مت میں شادی اٹوٹ بندھن ہے اور طلاق نہیں دی جا سکتی۔ اس بات کا بھی پتہ نہیں کہ کس طرح ایک نوجوان لڑکی اگنی دیوتا کے ساتھ ساتھ ایک عام آدمی سے بھی بیاہ رچا لیتی ہے اور کیوں دیوتا جی غیرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے رقیب روسیاہ کو جلا کر بھسم نہیں کر ڈالتے۔ اگنی دیوتا کے پجاریوں کو بھی حیا نہیں آتی کہ وہ کم از کم اپنے دیوتا کی بیویوں کو تو معاف رکھیں۔)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مہابھارت

مہابھارت ہندوؤں کی نہایت مقدس کتاب ہے جو شری یوسہ نے 400 ق م سے 200 ق م کے دوران لکھی۔ اس کتاب میں ایک لاکھ اشعار ہیں اور اس میں مہابھارت نامی جنگ کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ جنگ شاید 1302 ق م یا اس کے بعد لڑی گئی۔ یہ کتاب موجودہ شکل میں 400ء میں مرتب ہوئی۔ مہابھارت ہندومت کی مقدس ترین کتاب کے علاوہ ہندوؤں کا دھرم شاستر بھی ہے۔ مہابھارت کا مختصر احوال کچھ اس طرح ہے:

کورو اور پانڈو

مہابھارت کے مطابق کورو اور پانڈو دو بھائی تھے۔ ان کا خاندان امن سے رہ رہا تھا۔ پانڈہ کے پانچ بیٹے تھے جو اس کے ہوتے ہوئے مختلف دیوی دیوتاؤں کی اولاد تھے۔ کرشن چندر بھی ان کا چچازاد بھائی تھا۔ ہوا یوں کہ ایک دفعہ پانڈو برادری کا نشے کی حالت میں اپنے چچا کورو کے بیٹوں سے جوا ہارنے پر جھگڑا ہو گیا اور جیسا کہ ایسے کاموں کا نتیجہ ہوتا ہے نوبت لڑائی تک جا پہنچی۔ دونوں طرف سے کرشن جی کو لڑائی میں شامل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ مگر پہلے تو کرشن دیوتا راضی نہ ہوا مگر پھر ایک شرط پر ہامی بھر لی کہ وہ خود تو ایک طرف سے لڑے گا اور اس کی فوج دوسری طرف سے۔ اس جوئے کی لڑائی میں پتہ نہیں "حق" پر کون تھا مگر کرشن جی نے رشتہ داری نبھانے کا کیا خوب طریقہ نکالا، یعنی دونوں خاندانوں میں صلح صفائی کی بجائے خدا خود اپنی فوج اور آدھے خاندان کے خلاف لڑ رہا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرشن چندر کی وفات

پانڈووں نے کرشن کو چنا اور اپنی طرف سے لڑنے کی دعوت دی چنانچہ کرشن چندر کی فوج دشمنوں یعنی کورووں کے ساتھ چلی گئی اور لڑائی شروع ہو گئی۔ یہ لڑائی ایک بہت لمبا عرصہ جاری رہی اور اس وقت ختم ہوئی جب لڑتے لڑتے دونوں طرف کی تمام کی تمام افواج ختم ہو گئیں اور صرف کرشن چندر، اس کا بھائی اور پانچوں پانڈو بھائی زندہ بچے۔ کچھ عرصہ بعد ایک دن شراب پیتے ہوئے پھر آپس میں جھگڑا ہو گیا جس میں کرشن کا بھائی اور بیٹا قتل ہو گئے۔ کرشن چندر کو بہت رنج پہنچا اور دل برداشتہ ہو کر افسوس کرنے کے لیے جنگل کی طرف نکل گئے۔ جنگل میں ایک جگہ کسی درخت کے نیچے دکھ اور رنج کی حالت میں اپنا ایک پاؤں دوسرے پر رکھ کر لیٹ گئے۔ اس حالت میں کسی نادان شکاری نے غلطی سے انہیں ہرن سمجھا اور اٹھے ہوئے پاؤں کا نشانہ لے کر تیر چلا دیا جو ٹھیک نشانے پر لگا اور کرشن چندر کا پاؤں سخت زخمی ہو گیا۔ یہ تیر کسی خاص اور متبرک دھات سے بنا ہوا جادو کا تیر تھا جس کے سامنے کرشن چندر کی خدائی کچھ نہ کر سکی اور وہ ایک مہا دیوتا ہوتے ہوئے بھی جان کی بازی ہار گئے۔

کرشن چندر کے مرنے کے بعد فاتح پانڈو برادران اور ان کی اکلوتی مشترکہ بیوی دروپدی ہی دنیا کی کل مخلوق تھے۔ جنگ وجدل اور ظلم وزیادتی کی وجہ سے دنیا تباہ و برباد ہو چکی تھی اور رہنے کے قابل نہ رہی تھی اس لیے یہ لوگ اپنے ایک کتے کی راہبری میں اندر دیوتا کی جنت گم گشتہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ یہ کتا کسی عام قسم کے کتے کا بچہ نہ تھا بلکہ انصاف کے دیوتا کا ایک اوتار تھا جو عام کتے کی شکل میں اس دنیا میں آیا تھا۔ اندر کی جنت کا راستہ اتنا دشوار گزار تھا کہ جاتے ہوئے سوائے ایک کے باقی تمام لوگ مارے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گئے۔ اسی ایک بچنے والے پانڈو سے باقی ساری انسانیت چلی۔

گیارھویں شریف

وشنو دیوتا جب کرشن چندر کے روپ میں آئے تو انہوں نے اپنی پیدائش کے لیے جاٹوں کے یادیو خاندان کو پسند کیا۔ حیرت ہے ایک بڑے دیوتا کو جنم دینے کے باوجود جاٹ جاٹ ہی رہے برہمن نہ بن سکے۔ یہ اپنے باپ واسدیو اور ماں دیوکی کے آٹھویں بیٹے تھے، جو کہ 8 بھادوں کو متھرا میں پیدا ہوئے۔ اس وقت متھرا کا بادشاہ کرشن کا ماموں راجہ کمسہ یا کنس تھا جس کو نجومیوں نے بتایا کہ اس کی بہن کا آٹھواں بیٹا اس کا قاتل ہوگا۔ کمسہ نے اپنی بہن اور بہنوئی کو اپنے محل میں قید کرلیا اور یکے بعد دیگرے ان کے ساتوں بیٹوں کو قتل کر دیا۔ جب کرشن پیدا ہوا تو واسدیو اسے لے کر محل سے نکل بھاگا اور اپنے ایک دوست کے پاس گیا جس کے ہاں اتفاقاً اس روز ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ اس نے اپنی بپتا اسے سنائی۔ اس نے لڑکی واسدیو کو دے دی۔ واسدیو نے فوراً محل میں واپس آ کر لڑکی کی پیدائش کا اعلان کر دیا۔ کرشن جی جمنا کنارے جنگل میں پرورش پاتے رہے۔ حفاظت کے نقطہ نظر سے وہاں کرشن چندر کا ہر مہینے ایک نیا نام رکھا جاتا جو ہر ماہ کی 11 تاریخ کو بدلا جاتا تھا۔ شاید ہم نے بھی اپنی گیارھویں شریف اور بڑی گیارھویں شریف کا خیال یہیں سے لیا ہو۔ یہ بھی ایک عجیب طرفہ تماشہ ہے کہ وشنو دیوتا جب رام کے روپ میں آئے تو سیتا دیوی کے عشق میں 14 سال تک سری لنکا کے جنگلوں کی خاک چھانتے پھرے اور اپنے دیس واپسی پر اپنی ماں کو قتل کر دیا کیونکہ انہیں اس کے کردار پر شبہ تھا۔ مگر جب یہ کرشن چندر کی حیثیت سے آئے تو آتے ہوئے شرافت، پاک دامنی اور حیا سب کچھ پیچھے شاید رام ہی کے پاس چھوڑ آئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رادھا

کرشن جی بچپن ہی سے بڑے عاشق مزاج واقع ہوئے تھے اور جس علاقے میں یہ پرورش پا رہے تھے وہ لوگ گوپی کہلاتے تھے جن کا پیشہ دریا کے کنارے گائیں پالنا تھا۔ امریکہ کے کاؤ بوائز (Cowboys) کی طرح یہاں یہ کام کاؤ گرلز (Cowgirls) کرتی تھیں۔ اس علاقہ میں بانسری بہت مقبول تھی اور کرشن چندر اس میں بہت ماہر تھے۔ کرشن جب بانسری بجاتے تو یہ کاؤ گرلز اور گوپیوں کی عورتیں اپنے گھروں سے بھاگ کر ان کے پاس آجاتیں۔ رادھا دیوی بھی ان گوپیوں میں سے ایک گوپی کی بیوی تھی مگر نہایت بے وفا نکلی۔ وہ بھی گھر سے بھاگ کر ان کے پاس آجاتی اور کرشن چندر اسے زیادہ پسند کرتے اور اس طرح رادھا دیوی زیادہ وقت کرشن کے ساتھ ہی گزارتی۔ کئی سال بعد واپس آکر انہوں نے متھرا کے راجہ اور اپنے ماموں کمسہ کو قتل کر دیا اور سلطنت پر قابض ہو گئے۔

وطن واپس آکر انہوں نے شہزادی رکمنی (Rukmini) سے شادی رچائی مگر رادھا کو نہ چھوڑا۔ اسے اتنی بے حیائی اور اپنے شوہر سے اتنی بیوفائی کے باوجود ایک دیوی کا درجہ دیا اور اس کی باقاعدہ پوجا کی جانے لگی۔ ان کی اپنی کتابوں میں ان دیوتاؤں اور دیویوں کے ایسے ایسے کارنامے ہیں کہ اگر آج کل کوئی عام شہری ان کی نقل کر بیٹھے تو اول تو پھانسی چڑھ جائے ورنہ ساری عمر جیل کاٹے اور دیوتا ہونا تو درکنار معاشرہ میں اس کا کوئی مقام ہی نہ ہو۔

وشنو کی بنیاد روپ بدلنے (Incarnation) یعنی اوتاروں کی شکل اختیار کرنے میں ہے۔ ان کی ساتھی خاتون لکشمی حسن کی دیوی سمجھی جاتی ہے۔ حسن، دولت، خوش قسمتی اسی دیوی سے مانگی جاتی ہے۔ وشنو کا نشان پرندہ گارودا ہے اور دشمن سانپ اور امتیازی نشان کنول ہے۔ وشنو بھیس بدلنے میں بھی مہارت رکھتے ہیں اور کسی وقت کسی بھی بھیس میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آ سکتے ہیں۔ وہ دھوکا دہی اور خود غرضی سے لے کر بزدلی اور بے راہ روی تک ہر روپ دھار سکتے ہیں۔ بھلا اکیسویں صدی کے سیاست دان ان کا کیا مقابلہ کریں گے۔

درو پدی

اوپر ذکر آ چکا ہے کہ کرشن کے مرنے کے بعد جو کل مخلوق دنیا میں باقی بچی وہ صرف پانچوں پانڈو برادران اور ان کی ایک عدد مشترکہ بیوی پر مشتمل تھی۔ یہ بھی دلچسپ بات ہے کہ ان پانچوں پانڈو بھائیوں کی صرف ایک ہی بیوی تھی جس کا نام درو پدی تھا۔ یہ بڑی لڑاکی اور جنگ جو خاتون تھی اور اپنے پانچوں شوہروں کو خوب دبا کر رکھتی تھی۔ ایسے لگتا ہے جیسے کہ ان پانڈو برادران کی شہرت اور کرتوتوں کی وجہ سے کوئی انہیں بیٹی نہ دیتا تھا اور سب نے مل کر کمیٹی ڈالی اور مشترکہ طور پر ایک عدد بیوی خرید لی۔ ویسے بھی ہندومت میں اسلام سے پہلے دور جاہلیت سے ملتی جلتی آٹھ قسم کی شادیوں کا رواج تھا۔ یہ بھی انہی اقسام میں سے ایک تھی جسے آسور کہا جاتا ہے۔ کرشن جی کے خاص دیوتائی خاندان میں اس قسم کی شادی کا مطلب ہے کہ یہ کفائت شعاری طریقہ نہ صرف مقبول عام بلکہ مقدس بھی مانا جاتا ہوگا۔

شادی کی اقسام

ہندو لٹریچر میں عام طور پر منعقد ہونے والی شادی کی آٹھ اقسام کا ذکر ملتا ہے مگر عملی طور پر اس کے علاوہ بھی شادی کی کچھ اقسام ہیں جیسے کہ رام اور سیتا دیوی کی شادی جو سوئمبر کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئی۔ مذکورہ آٹھ اقسام کا مختصر تعارف کچھ یوں ہے:

۱ براہمہ یہ قسم شرفا کے خاندانوں میں عام مروج اور مقبول شادی ہے جو اپنی ذات میں کی جاتی ہے اور اس کے لیے تمام مذہبی رسومات وتقریبات منعقد کی جاتی ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲ دیوا اس قسم میں کوئی آدمی اپنی لڑکی بطور معاوضہ کسی سادھو کو بخش دے۔

۳ آرمش لڑکی کی شادی پر جہیز کی بجائے گائے یا بیل بطور قیمت ادا کیا جائے۔

۴ پراجاپیہ بغیر جہیز اور مہر کے لڑکی کی شادی کر دی جائے۔

۵ گاندھرو لڑکا اور لڑکی کی رضامندی سے منعقد ہونے والی شادی جو صرف عہد و پیمان سے ہی انجام پذیر ہو جاتی ہے۔ یہ قسم بالعموم خفیہ ہوتی ہے اور دھرم اس کی اجازت نہیں دیتا۔

۶ آسور اس قسم کی شادی میں بیوی کو رقم یا کسی اور چیز کے عوض خریدا جاتا ہے۔

۷ راکش اس قسم میں کسی عورت پر بزور غلبہ حاصل کیا جاتا ہے۔ 1947ء میں بے شمار مسلمان عورتوں سے یہ سلوک کیا گیا۔

۸ پیشاک کسی پاگل، ذہنی طور پر ماؤف، نشہ میں مدہوش یا سوئی ہوئی خاتون سے جبر کا جنسی اختلاط۔

پہلی چار اقسام کی شادیوں کو ہندو دھرم مذہبی شادیاں قرار دیتا ہے مگر حیرت کی بات ہے کہ پانچویں قسم گاندھرو جو کسی طور بھی ناجائز تعلق سے زیادہ نہیں کو معاشرے میں حیرت انگیز طور پر محترم و مکرم طریقہ مانا گیا اور برہمنوں کی طرف سے اس کی کوئی مخالفت بھی کہیں ورنہیں بلکہ کاماسترا میں نوجوانوں کو اسی کی ترغیب دی گئی ہے اور لڑکیوں کو ورغلانے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ سوئمبر کی شادی بھی گاندھرو ہی کی ایک قسم مانی گئی ہے مگر رام اور سیتا کے معاملے میں اس کو نہایت مقدس اور خدائی درجہ دیا جاتا ہے۔ باقی تین اقسام یعنی آسور، راکش اور پیشاک ناپسندیدہ قرار دی گئیں مگر جنگ جو طبقوں اور نچلی ذات والوں کے لیے ان کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

ان آٹھ اقسام کی شادیوں کے ساتھ ساتھ ہندو معاشرے میں ایک اور عجیب وغریب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور شرمناک قسم کی رسم کا ذکر بھی ملتا ہے جسے ''نیوگ'' کہتے ہیں۔ اس رسم کے مطابق کسی میاں بیوی کے ہاں اگر اولاد نہ ہو یا وہ بہت صحت مند اور خوبصورت بچے کے خواہش مند ہوں تو ایسے مقصد کے حصول کے لیے کسی ایسے خواص کے حامل رشتہ دار یا دوست کی مدد لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بھی مذکور ہے کہ اس ''مقصد'' کے لیے کچھ قبائل اور خاندانوں میں باقاعدہ نیوگی مقرر ہوتے تھے، لڑکیوں کی موجودگی میں لڑکا پیدا کرنے کے لیے نیوگ کا حکم ہے اور اس کام کے لیے عورت گیارہ مردوں سے نیوگ کر سکتی ہے جو نہ کرے وہ پاپ یعنی گناہ کرے گی۔

عورت کا مقام

کسی شوہر کا ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا یا کسی عورت کا ایک سے زیادہ شوہر رکھنا کسی اچنبھے کی بات نہیں ہندومت میں یہ سب چلتا ہے۔ امرا لوگوں کے لیے اپنی بیویوں کے ساتھ ساتھ طوائفوں سے تعلقات رکھنے پر دھرم کو کوئی اعتراض نہیں اور یہ طوائفیں دیوداسیوں کی شکل میں مندروں میں عام پائی جاتی ہیں۔ عیسائی ننوں کی طرح ہندومت میں بھی بعض لوگ اپنی بچیوں کو مندروں میں بتوں کی خدمت کے لیے دیوداسیوں کی حیثیت میں وقف کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بہت سی غریب بے سہارا اور بدقسمت بیوگان وغیرہ بھی اپنے آپ کو مندروں کے لیے وقف کر دیتی ہیں اور اس وقت ان کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ کرشن جی کے حرم کے متعلق ان کی کتب میں یہ بھی ملتا ہے کہ ان کی ایک بیوی رکمنی دیوی، اور ایک داشتہ رادھا کے علاوہ بھی 16,000 بیویاں تھیں۔ ویدی تعلیمات کے مطابق ''ہر عورت دھوکے باز ہے، وہ عقل کی رو سے نہایت ہلکی چیز ہے، اس کی عصمت مشتبہ ہے، اس کا دل استقرار سے خالی ہے اور وہ محبت کے قابل نہیں''۔ مزید یہ کہ لڑکی باپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے ورثہ میں حق دار نہیں، عورت جوئے میں ہاری جا سکتی ہے وغیرہ وغیرہ"۔ اس کے علاوہ خاص تہواروں پر شراب اور زنا کی عام اجازت تھی اور عام زندگی میں ایک اشلوک مقرر تھا جسے پڑھ کر آدمی کے لیے ہر عورت جائز ہو جاتی تھی۔

شادی کے متعلق کہا گیا کہ یہ اٹوٹ بندھن ہے۔ بیوی ہر حال میں تابع وفرمان (Subordinate) ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ شوہر کی دیوتا کی طرح پوجا کرے۔ اگرچہ گیتا کے زمانہ تک ہندوؤں میں طلاق کی مثالیں ملتی ہیں لیکن بعد میں طلاق بالکل ختم کردی گئی۔ یہ بھی حکم دیا گیا کہ مردوں کا کریا کرم کیا (جلایا) جائے۔

ستی

05ء سے پہلے ستی کی یہ شکل نہ تھی جو بعد میں ہوگئی۔ پہلے پہلے مردہ کی بیوی بھی مرگھٹ میں لاش کے ساتھ ہی لیٹ جاتی تھی مگر مردہ جلانے سے پہلے اسے علیحدہ کرلیا جاتا تھا اور واپس گھر لے آتے تھے۔ تاہم بعد میں شاید اس وقت کے منصوبہ بندی والوں کے اشارے پر یہ رسم سچ مچ بیوی کو بھی شوہر کی لاش کے ساتھ ہی جلا ڈالنے کی شکل اختیار کرگئی۔ ستی کا ایسا ایک واقعہ مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں بیان کیا ہے۔

ابن بطوطہ لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں اپنے سفر کے دوران ایک مرگھٹ میں انہوں نے ایک خاتون کو ستی ہوتے دیکھا۔ ہندو لوگوں نے گاؤں سے باہر شمشان میں مردے کو جلانے کے لیے خشک لکڑیوں کے ایک بہت بڑے الاؤ کا بندوبست کر رکھا تھا۔ لاش کی ارتھی کے ساتھ ساتھ ایک بے چاری خاتون بھی لائی گئی جس کو عروسی طرز کے خوبصورت ملبوسات پہنا رکھے تھے اور دلہن کی طرح خوب بناؤ سنگھار بھی کیا گیا تھا۔ لاش کو لاکر لکڑیوں کے اس ڈھیر پر رکھ دیا گیا۔ خاتون بیچاری ایک طرف کھڑی تھی جس کو دو رشتہ دار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آدمیوں نے دائیں بائیں دونوں طرف سے پکڑ رکھا تھا (کہ کہیں بھاگ نہ جائے!) گائے کے گھی اور صندل کی لکڑی ڈال کر الاؤ جلایا گیا۔ ارتھی کو آگ دکھانے کی مقدس رسم اونچی آواز میں بھجن گاتے ہوئے برہمنوں نے انجام دی۔ کچھ اور پہلوان قسم کے آدمی بڑی بڑی بھاری لکڑیاں لیے ہوئے الاؤ کے ایک طرف کھڑے تھے۔

آگ کے شعلے جب خوب بلند ہو گئے اور لاش کے جلنے کا عمل شروع ہو گیا تو ان ہٹے کٹے مردوں نے عورت کو سر اور پاؤں کی طرف سے اٹھا کر اس الاؤ میں پھینک دیا۔ اس کے ساتھ ہی بھجن گانے کی تیز آواز میں ایک لمحہ ضائع کیے بغیر دوسرے آدمیوں نے وہ بھاری لکڑیاں بدقسمت عورت پر پھینک دیں، مبادہ کہ وہ عورت کہیں آگ سے باہر نکل بھاگنے کی کوشش کرے۔ ابن بطوطہ کا کہنا ہے کہ میں یہ سب کچھ دیکھ کر اور اس خاتون کی دلدوز چیخیں سن کر اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا اور کچھ دیر بے ہوش رہا۔ اللہ کی پناہ بے چاری عورتوں پر اتنا ظلم۔ (بای ذنب قتلتِ وہ کس گناہ کی پاداش میں قتل کی گئی 81:9) سخت قانونی پابندیوں کے باوجود آج کل بھی کبھی کبھار ایسے واقعات رونما ہو جاتے ہیں۔ بیواؤں کو ستی کی ترغیب دینے کے لیے یہ بھی کہا گیا کہ بیوہ ستی ہو کر اپنے شوہر کے گناہوں کی تلافی کرتی ہے اور یہ بیوی اور شوہر جنت میں تین کروڑ پچاس لاکھ سال تک پرمسرت زندگی بسر کرتے ہیں۔

بیوہ

ہندو معاشرے میں ایک بیوہ عورت کو انتہائی منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ وہ ساری عمر شادی نہیں کر سکتی۔ عام خوشی کے تہواروں میں شمولیت اس کے لیے ممنوع ہے۔ شادی بیاہ کی تقریبات سے اس کو دور رکھا جاتا ہے۔ ایسی تقریبات میں اس کے سائے سے بھی نفرت کی جاتی ہے۔ اس کو زیور بھی کچھ اس طرح سے پہننے کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ بھی بیوگی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا اشتہار بن جائے۔ بعض قبائل میں اس کی پہچان اور اس سے بچنے کے لیے اس بے چاری کا سر مونڈھ دیا جاتا ہے۔ اس کا اس طرح سے معاشرتی بائیکاٹ کیا جاتا ہے کہ وہ ایک شودر بن کر رہ جاتی ہے۔ مصیبتوں اور پریشانیوں میں اس کا دکھ درد بانٹنے کی بجائے نفرتوں کی دیواریں کھڑی کر کے اس کی زندگی اتنی اجیرن بنادی جاتی ہے کہ وہ اس بہت ہی بری طرح جینے کے ہاتھوں مر جانا ہی بہتر خیال کرتی ہے۔ شاید اسی لیے ایسی بہت ساری بیوہ عورتیں بے چاری نہ چاہتے ہوئے بھی اس بازار کی زینت بن جاتی ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ہندوستان میں چار کروڑ سے زائد بیوہ عورتیں اس طرح کی مظلومانہ زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ بچپن کی شادی اور ستی کا رواج 05ء اور 06ء میں زیادہ بڑھا۔

آواگون

انسان کے اعمال اور ان کی جزا و سزا کا تصور ہر مذہب اور عقیدے میں موجود ہے مگر اس کا صحیح تصور عام طور پر افراط و تفریط کا شکار ہے سوائے دین اسلام کے۔ کسی عقیدے میں خدا ہی کا کوئی تصور نہیں اور کسی میں آخرت اور قیامت برپا ہونے کا انکار ہے۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ ہم بغیر پوچھ گچھ جنت میں چلے جائیں گے کیونکہ ہم لاڈلی قوم ہیں اور کوئی اس عقیدے پر جما ہوا ہے کہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہمارے نبی نے پھانسی پر چڑھ کر ادا کر دیا ہے اس لیے جنت کا ٹکٹ ہماری جیب میں ہے۔ اسی طرح ہندوؤں میں بھی جزا اور سزا کے تصور کے لیے آواگون کا فلسفہ تراشا گیا۔ یہ فلسفہ سن عیسوی کی پہلی دہائی میں ایجاد ہوا اور برہمنوں کے جوش و خروش سے پرچار کی وجہ سے عوام الناس میں مقبول ہوتا چلا گیا۔ آواگون کے فلسفے کے مطابق انسان مرنے کے بعد اپنے اعمال کی نسبت سے کسی دوسری شکل میں دوبارہ پیدا ہوتا ہے۔ اچھے اعمال ہوں تو مال دار برہمن کی شکل میں اور اگر برے اعمال ہوں تو شودر کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شکل میں یا پھر کسی جانور، پرندے، درندے یا کسی کیڑے مکوڑے کی شکل میں۔ اس طرح مختلف شکلوں میں بار بار پیدا ہونے اور مرنے سے جب سارے پاپ ڈھل جائیں تو دوبارہ برہمن کی شکل میں پیدا ہونا نصیب ہوگا جس کے بعد وہ کرما (بخشش) کا حق دار ہوگا۔ بنیادی طور پر یہ فلسفہ برہمن کی ذات کے گرد گھومتا نظر آتا ہے اور اسی کے حقوق کا تحفظ کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اچھے اعمال وہ ہیں جو برہمن کی نظر میں اچھے ہیں اور برے اعمال وہ ہیں جنہیں برہمن ناپسند کرے۔ اس طرح برہمن کا مذہبی جبر اور مضبوط بنیادوں پر استوار ہو گیا۔ مگر اس فلسفے میں سب سے بڑی خامی یہ نظر آتی ہے کہ کیا وہ جانور جس کو سزا کے طور پر پیدا کیا گیا ہے اسے اس سزا اور آیندہ سزا سے بچنے کا شعور ہے؟

ذات پات

ویدوں کے مطابق پہلے پہل صرف دو قسم کی ذاتیں زیادہ نمایاں تھیں۔ یعنی برہمن اور کھشتری۔ مگر بعد میں یہ ذاتیں چار تک پہنچ گئیں اور ذات پات کی اس تقسیم نے پورے معاشرے کو انتہائی سخت پابندیوں اور مصنوعی حد بندیوں میں جکڑ لیا۔ ذات پات کا پس منظر کچھ یوں بتایا جاتا ہے کہ شروع شروع میں تو کچھ بھی نہ تھا بس ایک دیوتا دیائس (Dyaous) وجود میں آیا (شاید یہ وہی ہے جس کو یونانی زیوس Zeus کہتے ہیں) اس نے بارش کے ذریعے زمین کو حاملہ کیا اور فصلیں اگنا شروع ہوگئیں۔ پھر ایک آفاقی آدمی پرسکتا (Cosmic man Purusasukta) پیدا ہوا اور یہ کائنات اس وقت وجود میں آئی جب اس پرسکتا کی قربانی دی گئی۔ پرسکتا کا جسم جب حلول کر گیا تو اس سے چار ذاتیں وجود میں آئیں۔ اس کے منہ سے برہمن، بازوؤں سے کھشتری، رانوں سے ویش یعنی کاشتکار اور پاؤں سے شودر پیدا ہوئے۔ اس طرح پرسکتا کے ایک جسم سے پیدا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہونے والے انسانوں پر سب سے پہلی پابندی یہ لگی کہ دو ذاتوں کے درمیان شادی ممنوع قرار دی گئی۔

ذات پات کی ابتدا

تاریخی اور واقعاتی حقائق کو اگر دیکھا جائے تو ایسے لگتا ہے کہ ذات پات کی تقسیم اس وقت وجود میں آئی جب آریا لوگوں نے ہندوستان کو فتح کیا اور مقامی آبادی کو غلام بنا لیا۔ غلاموں کے تو تمام انسانی حقوق سلب کر لیے گئے اور انہیں شودر بنا دیا گیا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ لوگ جو مذہبی رسومات انجام دیتے تھے اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے ابھرتے چلے گئے۔ عوام پر مذہب کے نام پر پابندیاں سخت سے سخت ہوتی چلی گئیں اور یہ طبقہ طاقت پکڑتا چلا گیا۔ ان لوگوں نے آہستہ آہستہ اپنے اثر ورسوخ کی وجہ سے اقتدار پر قبضہ کیا اور بالآخر برہمن کی شکل میں معاشرے پر مسلط ہو گئے۔ انہوں نے اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے انتہائی خود غرضی کا مظاہرہ کیا اور الہامی کتابوں کو یا تو تحریف کر کے بدل دیا اور یا نئی تصنیف کر ڈالیں اور انہیں برہمناس کا نام دیا۔ ان کی بنیاد پر ذات پات کی تمیز گہری سے گہری ہوتی چلی گئی اور ہوتے ہوتے چار بہت نمایاں ذاتیں وجود میں آ گئیں:

مشہور ذاتیں

۱	برہمن	مذہبی پروہت اور ہر چیز کا مالک۔
۲	کھشتری	فوج، خلقت کی حفاظت کرے اور چڑھاوے دے اور وید پڑھے۔
۳	ویش	عام آریا لوگ کسان، دان یعنی مذہبی ٹیکس وغیرہ دینے کے لیے۔
۴	شودر	غیر آریا لوگ۔ دلیت، کالے غلام اور پہلی تینوں ذاتوں کے خدمت گار۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منوشاستر

ذات پات کو قانونی شکل 300 ق م میں ملی جب ایک برہمن فلسفی منو جی نے اپنی مشہور کتاب منوشاستر لکھی جس میں انہوں نے ذات پات کو قانونی، مذہبی اور دستوری درجہ عطا کیا۔ ہندومت کی سب سے مشہور و مقبول مذہبی کتاب بھگوت گیتا بھی ذات پات کی تمیز کا پرچار کرتی ہے۔ منوشاستر نے ذات پات کی تقسیم کا یہ جواز پیش کیا کہ آریا لوگ چونکہ فاتح ہیں اور مقامی کالے باشندوں سے نسلی طور پر بہت ممتاز ہیں اس لیے ایسے انتظامات کیے جانے چاہئیں کہ کہیں یہ اعلیٰ نسل کے لوگ مقامی آبادی میں گھل مل کر اپنی شناخت نہ کھو بیٹھیں۔ اس فلسفے کی رو سے بھی زیادہ سے زیادہ دو گروہوں کی گنجائش نکل سکتی تھی یعنی فاتح اور مفتوح۔ مگر اصل مقصد تو برہمن کی مذہبی اور سیاسی اجارہ داری قائم کرنے کا تھا اس لیے بے چارے پرسکتا کی شامت لائی گئی اور برہمنوں کو اس کے سر سے پیدا کیا گیا۔ چنانچہ منوشاستری فلسفے کے نتیجے میں برہمن دوسری ذاتوں کے مقابلہ میں اس قدر ممتاز ہو گئے کہ دیوتاؤں کے ہمسر بن گئے۔

اعلیٰ مخلوق

برہمن بر بنائے پیدائش سب سے اعلیٰ مخلوق قرار پائے۔ برہمن پیدائشی بادشاہ ہے اور باقی ساری مخلوق اس کی رعایا۔ وہ جب چاہے شودر کا سارا مال و اسباب اور اس کی ہر چیز پر قبضہ کر لے اور شودر کو برہمن کی کسی ایسی حرکت کے خلاف احتجاج یا فریاد کرنے کا کوئی حق نہیں۔ وہ جو چاہے کرے، وہ گناہ سے ابدی طور پر پاک ہے۔ وہ کسی کو کوئی محصول یا ٹیکس نہیں دے گا اور نہ کسی کو اس سے اس قسم کا کوئی تقاضا کرنے کا حق ہے۔ کسی بھی جرم پر اس کو سزائے موت نہ دی جا سکے گی۔ اگر اس سے قتل یا کوئی اور بڑے سے بڑا اخلاقی جرم سرزد ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائے تو زیادہ سے زیادہ سزا یہ ہوگی کہ اس کا صرف سر مونڈھا جائیگا۔

شودر

اس ذات پات کی بدتمیزی کی وجہ سے جہاں ویشوں اور کھشتریوں سے بے انصافی ہوئی وہاں سب سے زیادہ ظلم بے چارے شودر کے ساتھ ہوا۔ منوشاستر کے مطابق شودر کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ برہمن کی خدمت کے لیے تیار رہے اور کسی وقت بھی اس کی خدمت سے انکار نہ کرے۔ شودر کو اس بات کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ گائے رکھے یا اپنے گھر میں کسی بھی قسم کا کوئی مال و دولت جمع کرے۔ اگر اس نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو برہمن کو یہ حق ہے کہ جبراً اسے ایسا کرنے سے روک دے اور زبردستی اس کی جمع شدہ پونجی اور ہر چیز پر قبضہ کرلے۔ شودر اگر کبھی کسی غیر شودر پر ہاتھ اٹھائے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ اگر برہمن کو گالی دے تو تالو سے اس کی زبان کھینچ لی جائے۔ کسی غیر شودر کے برابر بیٹھنے کی جسارت کر بیٹھے تو اس کی سرین دھکتے لوہے سے داغ دی جائے، ویدسن لے یا وید کے الفاظ پڑھنے کی کوشش کرے تو کھولتا ہوا تیل اس کو پلایا جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ کتے، بلی، چھپکلی، الو اور شودر کے مارنے کا کفارہ برابر ہے بقول علامہ اقبال ؂

آہ شودر کے لیے ہندوستان غم خانہ ہے　　　درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے

ذات پات کی تفریق کی وجہ سے نسلی اور خاندانی تعصب ابھرا اور عصبیت کا یہ عفریت بڑی سرعت سے پورے سماج کو اپنی گرفت میں لے ڈوبا۔ پہلے پہل تو اس کی زد میں ہندوؤں کے اپنے ہم مذہب ہی آئے مگر بعد میں ہوتے ہوتے تمام دوسرے مذاہب کے لوگ بشمول مسلمان سبھی شودر شمار کیے گئے۔ برہمنوں کی خود غرضی اور تنگ نظری کی وجہ سے ہندومت میں دوسرے مذاہب کے لیے برداشت اور رواداری کا کلی فقدان ہے۔ اسی لیے کوئی دوسرا مذہب ہندومت کے ظلم و تشدد کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور بالآخر ختم ہوگیا یا اس میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضم ہو کر رہ گیا۔ اسلام سے تو خاص طور پر ہندومت کو بیر ہے مگر یہ اپنی توحید پرستی اور جہادی جذبے کی وجہ سے ابھی تک زندہ ہے۔ یہ بھی اسی تنگ نظری کا نتیجہ ہے کہ ہندو اور مسلمان سیکڑوں سال ایک ساتھ رہنے کے باوجود ایک جمہوری معاشرہ تشکیل نہ دے سکے۔

ہندومت میں دیوتا بننا کوئی زیادہ مشکل کام نہیں۔ کوئی بھی ہیرو دیوتا بن سکتا ہے بس یہ کہہ دینا کافی ہے کہ میں اصل میں فلاں دیوتا کا اوتار ہوں۔ اس معاملہ میں کوئی بڑا کارنامہ انجام دینا بھی ضروری نہیں بس تھوڑی سی ہوشیاری سے سنیاسیوں والا بہروپ دھار کر، ہمارے پیروں فقیروں کی طرح چندویدی، جادو ٹونے والے منتروں پر عبور اور چند ایسی ''کرامات'' پر مہارت کی ضرورت ہے جو سادہ لوح عوام کو بیوقوف بنا سکیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرکزی گوردوارہ

آگرہ شہر کے مین ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر گھومتے ہوئے ایک طرف بندروں کی شرارتیں اور مسافروں کے ساتھ ان کی زیادتیاں نظر آرہی تھیں تو دوسری طرف مندر میں کالی دیوی کے چرنوں میں بلند آواز میں موسیقی کے ساتھ ساتھ بھجن بھی گائے جا رہے تھے۔ ایسے میں ہندوازم کے متعلق مزید تفصیل میں جانا کچھ بوجھل سا محسوس ہوا اور ذہن ہندومت کے ساتھ ساتھ ہندومت ہی کی کوکھ سے جنم لینے والے دوسرے مذاہب کی طرف پھر گیا۔ جس کی ایک خاص اور دلچسپ وجہ بھی تھی۔

دراصل جب ہم دہلی میں محمود غزنویؒ سے شرمندہ ہوتے ہوئے برلا مندر سے باہر آئے تو ہمارے دونوں ہندو ساتھی راستے ہی میں ایک جگہ اتر گئے۔ گاڑی میں اب بالی اور ہم بالکل اکیلے رہ گئے تھے۔ بالی کے تیور کچھ بدلے بدلے محسوس ہوئے۔ ہم سمجھے کہ شاید مندر میں زیادہ دیر ہونے کی وجہ سے اس نے اپنا منہ پھلا رکھا ہے۔ اس لیے ہم نے زندہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیشکش کی کہ آؤ بالی آئس کریم کھائیں۔ بولا جی میں نہیں کھاؤں گا آپ اکیلے ہی کھالیں۔ ناراضی کے اظہار میں اس نے ہمارے لیے ''سر'' کا اضافہ بھی غائب کر دیا۔ ہم نے پوچھا کہ بھئی آئس کریم کیوں نہیں کھاؤ گے؟ ہمیں تو یہ اکیلے کھانے میں مزہ نہیں دے گی۔ کہنے لگا کہ آپ نے ان کا (مونچھوں والی گالی دے کر) مندر کیوں دیکھا؟ ہم نے جواب دیا کہ بھئی دیکھنے کی چیز تھی بس دیکھ لی۔ ہم نے پہلے کوئی مندر نہیں دیکھا تھا اس لیے پتہ کرنا تھا کہ ان کے دیوتا کیسے ہوتے ہیں، بابا گورونانک نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہیں کیوں دھتکارا اور کیوں ان کی پوجا سے انکار کیا؟ شاید بابا گورو نانک کا نام لینے کی وجہ سے بالی کا موڈ کچھ بدلا۔ بولا چلو مان لیا کہ آپ ان کا مندر دیکھنا چاہتے تھے آپ نے دیکھ لیا اب میں بھی آپ کو اپنا دہلی کا مرکزی گوردوارہ دکھانا چاہتا ہوں بتایئے کیا ارادہ ہے؟ گو کہ تھکاوٹ کافی محسوس ہو رہی تھی مگر قہر درویش برجان درویش ہامی بھر لی۔ بالی چہک اٹھا۔

کافی لمبی ڈرائیو کے بعد ہم ایک وسیع پارکنگ لاٹ میں پہنچے۔ چند ایک گاڑیاں پہلے سے ہی موجود تھیں۔ بالی نے گاڑی کے اندر ہی اعلان کر دیا کہ جوتے گاڑی میں ہی اتارے جائیں گے۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ گاڑی سے اتر کر ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ بالی نے ہمارے پاؤں کی طرف دیکھتے ہوئے حکم دیا کہ جرابیں بھی گاڑی میں ہی اتارنا تھیں۔ ہم نے احتجاج کرنے کی کوشش کی کہ جرابوں کی تو اجازت ہونی چاہیئے مگر بے سود کیونکہ بالی نے بذات خود ہی ہماری جرابیں اتارنا شروع کر دیں اور پھر بھاگ کر گاڑی میں پھینک آیا۔ اب تقریباً ایک تہائی کلومیٹر سے زائد فاصلہ ننگے پاؤں طے کرنا پڑا۔ جوتے اور جرابوں کے بغیر ننگے پاؤں اپنی یادداشت کی حد تک یہ ہماری زندگی کی سب سے لمبی واک تھی۔ کیونکہ ایک آدھ مرتبہ مسجد میں جوتا چوری ہونے کی صورت میں مسجد سے گھر تک ننگے پاؤں آنا پڑا تھا۔ مگر وہ فاصلہ اس سے بہت کم تھا۔

سڑک بھی صاف نہ تھی۔ کنکر پتھر کے علاوہ سڑک کا کچھ حصہ گیلا بھی تھا۔ کیچڑ لگے گندے پاؤں کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ بہر حال خاموش احتجاج کرتے کراتے ہم گوردوارہ تک پہنچ گئے۔ یہ گوردوارہ کافی اونچائی پر بنایا گیا تھا اور بہت وسیع تھا۔ گیٹ کے پاس ہی پانی کا نل تھا۔ فوراً پاؤں دھوئے اور اندر داخل ہو گئے۔ گوردوارے کے صدر دروازے میں داخلے سے پہلے ہی بالی نے حکم صادر کیا کہ سر جی سر پر اپنا رومال باندھ لیں۔ ورنہ یہ لوگ زبردستی اپنے رومالوں سے آپ کا سر ڈھانپ دیں گے۔ پھر نہ کہنا رومال صاف نہ تھا یا اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں جوئیں تھیں۔ اس پر ہمیں یاد آیا کہ ایک دفعہ میٹرک کے زمانے میں اوکاڑہ شہر کی غلہ منڈی کی مسجد میں ہم ننگے سر جماعت میں شامل ہو گئے تو پیچھے سے کسی ایمان کی حرارت والے نمازی نے ایک ایسی خالی بوری پوری کی پوری ہمارے سر پر ٹکا دی جس میں گندم کی بھوسی باندھی جاتی تھی۔ چنانچہ بو کے علاوہ سر اور بدن پر مٹی اور باریک بھوسی وغیرہ اتنی گری کہ نہا کر کپڑے بدلے بغیر چین نہ آیا۔ چنانچہ ہم نے چپ چاپ جیب سے رومال نکال کر خود ہی اپنا سر ڈھانپنے میں عافیت سمجھی۔

ٹوپی

عبادت کے لیے سر ڈھانپنا یا ٹوپی پہننا ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے کہ ہر مذہب اور تہذیب میں باادب ہونے کی علامت ہے سوائے مغربی کلچر کے کہ جس کو تہذیب کہنا ہی زیادتی ہے۔ کیونکہ تہذیب میں انسان کو کچھ تو مہذب ہونا ہی پڑتا ہے۔ اس کلچر میں سر ننگا کرنا ادب میں شامل ہے جو کہ انہوں نے چرچ کی مخالفت کی وجہ سے ایسا کیا۔ جب کہ انجیل پڑھتے ہوئے عیسائی پوپ اور راہب، راہبائیں اور چرچ فادرز سبھی سر ڈھانپتے ہیں۔ اسی طرح تورات پڑھتے ہوئے یہودی رابی بھی سر کو ڈھانپنا ضروری سمجھتے ہیں۔ بلکہ یہودی تو تورات کا ایک آدھ لفظ یا آیت کا حوالہ دیتے ہوئے بھی بچوں کی چوسنی جتنی ٹوپی بالوں میں اڑس لیتے ہیں۔ مسلمان علما ہمیشہ سے ہی درس قرآن اور حدیث اور سیرت پاک کی محفلوں میں روحانی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ جسمانی طہارت، صاف ستھرا لباس، سر پر عمامہ یا ٹوپی اور خوشبو کا اہتمام ضرور کرتے آئے ہیں۔

عشق کی شاہراہ

ایسے میں ہمیں بھی ایک مرتبہ سر ڈھانپنے اور ادب کا تعلق جاننے کا موقع ملا۔ سیرت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پاک کے موضوع پر تعلیم الاسلام کالج کے ہاسٹل میں ایک تقریب تھی جس میں ہمیں اپنے عزیز بھائی اور دوست چوہدری محمد جمیل کی معیت میں شرکت کا موقع ملا۔ اس تقریب سے جناب علامہ سید ابوبکر غزنویؒ نے خطاب فرمایا۔ علامہ صاحب نے حمدیہ آیات کے بعد درود شریف پڑھا۔ درود شریف پڑھتے ہوئے محفل میں موجود سامعین کو بھی ذرا اونچی آواز میں ساتھ دینے کے لیے کہا۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ موضوع اور محفل کے تقدس کے پیش نظر بہتر ہے کہ تمام حاضرین اپنے اپنے سر ڈھانپ لیں اور کوشش کریں کہ باادب ہو کر دوزانو بیٹھیں۔ فقہی مسلک کے لحاظ سے مولانا غزنویؒ اہل حدیث سمجھے جاتے تھے۔ اس بنا پر ایک طالب علم نے سوال کر دیا کہ مولانا نماز جو کہ فرض ہے اور خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے اس کے لیے تو آپ سر ڈھانپنا ضروری نہیں سمجھتے مگر یہاں سیرت پاک کی محفل میں بیٹھنے کے لیے آپ ہمیں سر ڈھانپنے کا حکم دے رہے ہیں۔ سوال سن کر مولانا غزنویؒ ہلکے سے مسکرائے اور ذرا سے توقف کے بعد فرمانے لگے کہ عزیزم میرا جی تو یہ چاہتا ہے کہ میں آپ کو عشق کی شاہراہوں پر اڑاؤں، مگر آپ ہیں کہ مجھے فقہ کی پگڈنڈیوں میں گھسیٹنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ فقہ تو شریعت کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کی حدود ہیں اور عام آدمی کے لیے ایک بنا بنایا لائحہ عمل۔ ان کا عشق و مستی سے کیا تعلق؟

سر ڈھانپ کر ہم ابھی گوردوارہ کے بڑے گیٹ سے داخل ہی ہوئے تھے کہ ہماری مڈھ بھیڑ دو ایسے گبھرو سکھ سرداروں سے ہوئی جن کے ہاتھوں میں لمبی لمبی برچھیاں یا کرپانیں تھیں۔ چنانچہ ایک سردار نے اسی کرپان سے ہمیں ایک طرف جانے کا اشارہ کیا۔ کرپان کو سر کے قریب آتا ہوا دیکھ کر ہم تو سہم ہی گئے اور بابالی کے ساتھ ایک طرف ہو کر چپ چاپ بیٹھ گئے۔ ہمارے علاوہ کسی اور کو بھی دم مارنے کی ہمت نہ تھی کیونکہ اور بھی کافی سارے سکھ رضا کار کرپانیں لیے ادھر ادھر گھوم رہے تھے اور گرنتھ صاحب کے پاٹھ کی اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مذہبی محفل میں سامعین سکھوں کو کرپان کے اشاروں سے ادب کی تلقین کر رہے تھے۔ پتہ نہیں یہ اشارہ تھا کہ دھمکی تاہم محفل بالکل پرسکون تھی۔

گوردوارہ کا ہال کافی بڑا تھا۔ اس کے درمیان میں ایک اونچے چبوترے پر بیٹھے ہوئے ایک گورو، گرنتھ صاحب کا پاٹھ کر رہے تھے۔ لاؤڈ سپیکر نہ ہونے کی وجہ سے ہم جیسے دور بیٹھے ہوئے حاضرین تک آواز نہیں پہنچ پا رہی تھی۔ گورو جی کے دونوں طرف ہاتھوں میں کافی بڑے بڑے پنکھا نما مورچھل لیے دو گبھرو سکھ کھڑے تھے جن سے وہ گرنتھ صاحب اور گورو جی کو آہستہ آہستہ ہوا دے رہے تھے۔ گرنتھ صاحب کے تقدس کا یہ تقاضا ہے کہ غسل کیے بغیر کوئی اسے ہاتھ نہ لگائے۔ اسے جس کمرے میں رکھا جائے وہ انتہائی صاف ستھرا اور محفوظ ہو اور جب گرنتھ صاحب کو پڑھنے کے لیے لے جایا جائے تو مور کے پروں سے بنے ہوئے مورچھل لے اس کو مسلسل ہوا دی جائے اور خوشبو کا بھی اہتمام کیا جائے۔ تاکہ یہ گرد وغبار سے محفوظ رہے اور اس پر مکھی وغیرہ نہ بیٹھنے پائے۔ گرنتھ صاحب کے پروٹوکول میں یہ بھی شامل بتایا جاتا ہے کہ جب تک اسے غلافوں میں لپیٹ کر وقف شدہ کمرہ میں رکھ نہ دیا جائے اسے مسلسل مورچھل سے ہوا دی جاتی رہے۔

قلم اور کرپان

سکھوں کے لیے کرپان رکھنا ایک مذہبی شعار ہے مگر اب ہتھیار رکھنے پر پابندی کی وجہ سے کرپان پر بھی پابندی ہے اور قانونی طور پر کرپان صرف گوردوارے کے اندر ہی رکھی جا سکتی ہے۔ چنانچہ سردار لوگ اب پوری کرپان کی جگہ کرپانی کی چین (Key chain) یا اس طرح کی کوئی چیز اپنے پاس رکھتے ہیں۔ ہم نے وہیں بیٹھے بیٹھے سوچا کہ بابا گورونانک سے یہ تو پوچھنا چاہیے کہ آپ نے قلم و قرطاس اور دلائل براہین کی جگہ سکھوں کے ہاتھ میں کرپان کیوں تھما دی جب کہ علامہ اقبال نے آپ کے متعلق ہمیں یہ بتایا تھا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پھر اٹھی اک صدا توحید کی پنجاب سے　　ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

عالم تخیل میں ہم ابھی یہ سوچ ہی رہے تھے کہ دور سے بابا گورونانک کی آواز آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ فرما رہے تھے کہ تم ہندومت اور ہندو کو اتنا نہیں جانتے جتنا کہ ہم۔ ہمارے تو آباؤ اجداد سب ہندو تھے۔ مگر ہماری بدقسمتی تھی کہ ہم ایک کھشتری کے گھر پیدا ہو گئے۔ ہندومت میں انسان کے مقام و مرتبے کا انحصار اس کے علم و اعمال پر نہیں بلکہ صرف اور صرف پیدائش پر ہوتا ہے جس پر انسان کا اپنا کوئی اختیار نہیں۔ ایک کھشتری یا کوئی غیر برہمن ہندو دھرم کے لیے خواہ جان بھی دے دے تب بھی وہ ایک بدترین برہمن کے برابر نہیں ہو سکتا اور ہمیشہ پاپی کا پاپی ہی رہتا ہے۔ جب کہ آپ کے اسلام میں ایک غلام زادہ سپہ سالار بن سکتا ہے۔ خلیفہ وقت اس کے گھوڑے کی لگام تھام کر اس کو رخصت کر سکتا ہے بلکہ غلام خلیفہ اور بادشاہ تک بن سکتا ہے مگر ہندو دھرم میں ایسی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

امن کی بھیک

بابا گورونانک نے ہم سے استفسار کیا کہ بتاؤ ہندوؤں نے جین مت اور بدھ مت کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ مہاویر (جین مت کا بانی) ایک بہت اچھا انسان تھا۔ ہندوؤں کا چھوٹی ذاتوں اور غیر ہندوؤں پر ظلم اس سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ مگر ہندوؤں نے اس کے پیروؤں کو مار مار کر ختم کر دیا۔ کیونکہ وہ لوگ امن پسند تھے، انسان تو کیا کسی بھی جاندار کو مطلق تکلیف نہ دیتے تھے، وہ امن کی بھیک مانگتے تھے لیکن دنیا کا یہ اصول ہے کہ امن کی بھیک مانگنے والوں کو امن کبھی نہیں ملتا بلکہ امن کی حفاظت خون جگر سے کرنا پڑتی ہے۔ اسی طرح بدھ مت بھی انسانیت کا قدردان تھا۔ دکھ دیکھ کر بہت کڑھتا تھا اور امن کا درس دیتا تھا۔ مگر ہندوؤں نے اس کو بھی نہ چھوڑا۔ حتیٰ کہ اس کے ماننے والے سب کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سب مارے گئے یا ملک بدر ہو گئے۔ گورو جی نے مزید پوچھا کہ بتاؤ ہندو مسلمانوں کو کیوں ختم نہ کر سکا؟ پھر خود ہی فرمانے لگے کہ ہندو مسلمانوں کو اس لیے ختم نہ کر سکا کہ پیغمبر خدا محمد ﷺ کا حکم تھا کہ اپنی حفاظت کے لیے ہر وقت گھوڑے اور ہتھیار تیار رکھو اور شہادت کی آرزو کرو کہ وہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اور ہندو کو پتہ ہے کہ مسلمان جہاں امن پسند ہے وہاں زور بازو سے امن کی حفاظت کرنا بھی جانتا ہے۔ ہندو اگر محبت اور پیار کی زبان سمجھتا تو بدھ مت وغیرہ سے ایسا سلوک نہ کرتا۔

سکھ

اب ذرا آؤ میری قوم کی طرف۔ مجھے پتہ تھا کہ میرے پیروکار سارے کے سارے ''سکھ'' ہیں۔ مجھے اتنا وقت نہ ملا کہ میں ان کی پوری طرح تربیت کرتا اور ان کے لیے ایک مکمل گرنتھ ترتیب دیتا اور پوری راہ حیات متعین کرتا۔ قوم بنانا اور اس کی تربیت کرنا ایک بہت کٹھن اور صبر آزما کام ہے۔ ارادہ تو یہ تھا کہ ہندوستان کی پسی ہوئی انسانیت کو برہمن کے ظلم و جبر سے نجات دلائی جائے۔ اس لیے قومی تعمیر کے لیے یہی مناسب سمجھا کہ اپنے پیروؤں کو چند ایک خاص اور کم سے کم چیزوں کا پابند بنایا جائے تاکہ ان کی علیحدہ شناخت ہو اور علیحدہ شان ہو۔ وہ اپنے آپ کو علیحدہ قوم سمجھیں اور اپنی تنظیم کریں۔ کرپان اس لیے ان کے لیے پسند کی کہ ہندوؤں کی کٹ حجتیوں کا کوئی اس سے اچھا علاج ممکن نہیں۔ اگر سکھ کے پاس کرپان نہ ہوتی اور وہ منظم نہ ہوتا تو اب تک ہندو اس کو کھا گیا ہوتا۔ ابھی بابا گورونانک کی بات جاری ہی تھی کہ بالی نے ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہلکا سا جھنجھوڑا اور جلدی اٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہم اٹھے اور بالی کے ساتھ ہو لیے اور تیزی سے اس کے ساتھ ایک طرف جاتے ہوئے پوچھا کہ اب کدھر جانا ہے؟ بالی بولا کہ پرسدہ یعنی لنگر تقسیم ہو رہا ہے۔ ہم نے کہا کہ تم جاؤ اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پرسدہ لے کر خود ہی کھا آؤ، ہمارے لیے لانے کی ضرورت نہیں۔ وہ چلا گیا ہم ایک طرف کھڑے ہو کر مجمع کو دیکھنے لگے۔ خواتین بھی خاصی تعداد میں موجود تھیں۔ سب کی سب ڈھیلے ڈھالے پورے ساتر لباس میں تھیں حتیٰ کہ سر بھی پورا ڈھکا ہوا تھا۔ پرسدہ لینے کے لیے لوگوں کا کافی رش ہو گیا مگر کرپانوں والے رضا کار ہجوم کو قابو کرنے میں پوری طرح کامیاب رہے۔

گرنتھ صاحب

گوردوارہ ایک وسیع جگہ پر واقع تھا۔ چار دیواری کافی مضبوط اور اونچی تھی۔ درمیان میں صحن بھی بہت کھلا تھا۔ صحن کے ایک طرف بہت بڑا تالاب تھا مگر تالاب کی طرف روشنی کم تھی اور محسوس ہو رہا تھا کہ اس میں پانی زیادہ نہیں اور جو تھا اس پر بھی سبزی مائل کائی جمی ہوئی دکھائی دے رہی تھی جو پانی کے تازہ نہ ہونے کی علامت تھی۔ بالی نے بتایا کہ مقدس تہواروں اور میلوں وغیرہ کے موقعوں پر اس تالاب کو تازہ اور صاف پانی سے بھر دیا جاتا ہے تاکہ سکھ لوگ اس میں نہا کر عبادت کریں۔ تالاب کا ایک حصہ عورتوں کے لیے مختص کر دیا جاتا ہے اور اس طرف مردوں کو جانے کی بالکل اجازت نہیں ہوتی۔ بالی نے مزید بتایا کہ ان دنوں پردے کا انتظام بڑا سخت ہوتا ہے۔

گوردوارہ سے واپس آتے ہوئے یاد آیا کہ جناب شیرازی صاحب کی خواہش تھی کہ دہلی سے واپس آتے ہوئے ایک جلد گرنتھ صاحب لے کر آنا۔ بالی سے پوچھا کہ کوئی ایسا کتب خانہ بتاؤ جہاں سے سکھوں کی مذہبی کتب مل سکیں۔ اس نے بتایا کہ اسی گوردوارے کے نیچے گیٹ کے پاس ایک کتابوں کی دوکان ہے جہاں سے سکھوں کی تمام مذہبی کتب مل جائیں گی۔ چنانچہ ہم دوکان پر پہنچے۔ دوکان پر ایک ادھیڑ عمر کا مرد اور تقریباً اسی عمر کی ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خاتون کاؤنٹر پر کھڑی تھی۔ ہم نے اپنا مدعا بیان کیا تو خاتون نے بتایا کہ گرنتھ صاحب آپ کو یہاں سے نہیں مل سکے گی۔ وہ صرف گوردواروں میں رکھنے کے لیے یا پھر عالم فاضل، پڑھے لکھے بڑے سکھ گوروؤں کو دی جاتی ہے۔ ہم نے دو تین بار اپنے حلیئے کا جائزہ لیا، بظاہر سکھوں سے ملتی جلتی کوئی چیز نظر نہ آئی۔ اس پر خاتون نے ہنستے ہوئی بالی سے کہا کہ ہمیں پتہ ہے کہ صاحب سکھ نہیں ہیں اس لیے انہیں گرنتھ صاحب نہیں مل سکے گی لیکن وہ بابا گورونانک صاحب کی کوئی اور کتاب لے لیں۔ ہم نے اور کتابیں دکھانے کی فرمائش کی تو دونوں ہی نے کتابیں شوکیس سے نکال کر دکھانے سے معذرت کر لی۔ ہم نے بالی سے کہا کہ تم ہی ہمت کرو اور کتابیں دکھانے میں ان کی مدد کرو مگر بالی نے بھی ہاتھ لگانے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ بغیر نہائے ہم بابا نانک صاحب کی کسی کتاب کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ آپ خود ہی شیلف سے نکال کر دیکھ لیں۔ چنانچہ ہمیں گرنتھ تو نہ ملی مگر بابا نانک کی ایک اور کتاب خرید لی۔ یہ کتاب پنجابی سے اردو میں ترجمہ شدہ تھی اور مترجم کا نام لکھا تھا پروفیسر خواجہ دل محمد ایم اے، لاہور۔

کتاب خرید کر ہم اسی طرح ننگے پاؤں واپس آئے جس طرح کہ گوردوارہ پہنچے تھے۔ راستے میں پاؤں میں کنکریاں بھی چبھیں اور پاؤں بھی دوبارہ گندے ہو گئے۔ بالی نے معذرت بھی کی اور ایک جگہ نلکے سے پاؤں بھی دھلائے مگر ہم یہ سوچ کر مطمئن تھے کہ آخر سکھوں کا گوردوارہ دیکھنے کے لیے کچھ تو مشقت چاہیے اور مزید یہ کہ اب بالی بہت خوش تھا۔ گوردوارہ میں کرپانوں کے زور پر انتظام بہر حال دل کو نہ بھایا۔ بالی کی ہندوؤں کے دوسرے لوگوں اور نچلی ذاتوں کے ساتھ ناروا سلوک کے متعلق تنقیدی باتیں سن سن کر یہ خیال بھی آتا رہا کہ یہ سکھ ہیں کیا اور کیوں ہندوؤں کو پسند نہیں کرتے؟ کہ بالی کی طرح کے ان پڑھ اور عام سکھ بھی ہندوؤں کے اتنے خلاف کہ دلوں میں نفرتوں کے پہاڑ۔ اس کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ساتھ ساتھ یہ بھی یاد آیا کہ قیام پاکستان کے موقع پر ان سکھوں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر پنجاب کے مسلمانوں کو سب سے زیادہ جانی و مالی نقصان پہنچایا تھا۔ ہندوؤں نے اسلحہ مہیا کیا اور سکھ جتھے بنا بنا کر نہتے مسلمانوں، عورتوں اور بچوں پر شیطانی قہر بن کر ٹوٹے اور ظلم و ستم کی ایسی ایسی داستانیں رقم کیں کہ لوگ چنگیز خان اور ہلاکو کے مظالم بھول گئے۔ اس بنا پر سکھ ازم کا پس، منظر جاننے کی ہلکی سی کوشش کی تو چند حقائق کا پتہ چلا:

سب سے زیادہ جس بات کا احساس ہوا وہ یہ تھی کہ سکھ مت کا ظہور فطری سے زیادہ ردعملی (Reactionary) تھا۔ دراصل ہندو مت میں پیدائش کی بنیاد پر ذات پات کی پابندیاں برہمنوں کی خود غرضی اور تنگ دلی کی وجہ سے سخت سے سخت تر ہوتی چلی گئیں۔ 700 ق م میں انہوں نے ایک کتاب برہمنا کے نام سے لکھی اور دھیرے دھیرے اسے ویدوں کے ساتھ ملا دیا گیا جس سے اس کی مذہبی حیثیت مسلمہ سمجھی جانے لگی۔ برہمنا برہمنوں کے، مذہبی حقوق کی بات کرتی ہے۔ برہمن کو اس دنیا میں سب سے اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے۔ اور تمام مخلوق کو حکم دیتی ہے کہ برہمن کا کہا مانا جائے اور اس کی ہر طرح سے خدمت کی جائے۔ برہمنا کو الہامی حیثیت دینے کے بعد تو برہمن اور پروہت اپنے دیوتاؤں سے بھی آگے نکل گئے کیونکہ کسی بھی چیز کو دیوتا بنانا یا نہ بنانا انہیں کی مرضی پر منحصر ہو گیا۔

مذہبی جبر

اس طرح برہمنوں کا مذہبی جبر حد سے بڑھ گیا۔ ان حالات میں اس کے خلاف ردعمل ظاہر ہونا ایک فطری سی بات لگتی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلا ردعمل جین مت کی طرف سے سامنے آیا۔ اس کے بعد بدھ مت نے بھی ہندو ازم ہی کی کوکھ سے جنم لیا اور ہوتے ہوتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بات سکھ مت تک جا پہنچی جو یہیں سے اٹھا۔ اس کے ساتھ ساتھ براہما سماج اور آریہ سماج جیسی اصلاحی تحریکیں بھی اٹھیں مگر اتنی کامیاب نہ ہو سکیں۔ رام، وشنو، کرشنا، شیوا، براہمنا، مہاویر، بدھا، وغیرہ ہو سکتا ہے کہ اپنے زمانے کے پیغمبر ہی ہوں۔ ﴿ولکل قوم ھاد﴾. اور ہر قوم کے لیے ایک راہنما ہے (13:7)۔ یہ سب حضرات جناب حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور سے بھی ایک ہزار سال سے زائد پہلے زمانہ سے متعلق ہیں۔ اس وقت تاریخ یا علما کی تعلیمات کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ ان کی تعلیمات خود غرض اور مفاد پرست عناصر کی وجہ سے تحریف و تنزل کا شکار ہو گئیں۔ صحیح الہامی اور آسمانی تعلیمات برہمن کے ذاتی مفادات، ہوس پرستی اور خود غرضی کی بھینٹ چڑھ گئیں اور اس کے بعد باقی جو کچھ بچا وہ مذہب کے نام پر برہمن کے جبر کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

جین مت

اس برہمنی جبر کے خلاف سب سے پہلی بغاوت مہاویر یا مہابیر (شجاع اعظم) کی تھی جو جین مت کی بنیاد بنی۔ مہاویر بذات خود ایک ہندو کھشتری راجہ کا بیٹا تھا جو 540 ق م کے لگ بھگ بہار میں پیدا ہوا۔ جین مت (فاتحوں کا مذہب) کی بنیاد مندرجہ ذیل پانچ اصولوں پر اٹھائی گئی تھی:

جین مت کے اصول

1. آہنسا یعنی کسی جاندار کو تکلیف نہ دو۔
2. سچ بولو۔
3. جو نہ ملے نہ لو۔
4. جنسی تعلقات سے کلی پرہیز کرو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵ ہر دنیاوی چیز سے لاتعلق رہو۔

جین مت کے پیروکار آہنسا پر بڑی شدت سے عمل کرتے تھے اور احتیاطاً آج کل کے پولن الرجی، دھوئیں اور فضائی کثافتوں سے بچنے والوں کی طرح فلٹر کی بجائے ناک اور منہ پر رومال یا کوئی اور کپڑا باندھے رکھتے تھے کہ مبادا کوئی مکھی یا مچھر خودکشی کے ارادے سے ادھر کا رخ کر بیٹھے اور وہ بلا ارادہ کسی جاندار کے قتل کے مرتکب ہو جائیں۔ مہاویر پہلے پہل اپنے بدن پر صرف ایک کپڑا پہنتے تھے جسے وہ کبھی نہیں بدلتے تھے مگر انہیں یہ بھی دنیاوی بوجھ محسوس ہوا اور پھر انہوں نے اسے بھی اتار پھینکا۔ اس کے بعد وہ قدرتی لباس میں مسلسل تیرہ سال تک نہایت اذیت ناک گیان دھیان میں مصروف رہے۔ انہی کے نمونے کو سامنے رکھتے ہوئے جین مت کے پیروکار بھی بے لباس رہنے کو زیادہ ترجیح دیتے تھے۔ مگر بعد میں معاشرتی دباؤ کے تحت صرف ایک کپڑا پہننے پر اتفاق ہو گیا اور آج کل پورا لباس بھی پہنا جا سکتا ہے۔ تاہم اصلی پیرو اب بھی وہی گنے جاتے ہیں جو آفاقی لباس میں (Clad in atmosphere) ہوں۔ ہندوستان میں جین مت کے پیروکار اب بھی تقریباً 20 لاکھ کی تعداد میں پائے جاتے ہیں اور اب یہ ہندوؤں کا ہی ایک فرقہ سمجھے جاتے ہیں (اے ایل باشم 1999ء)۔

دنیا دکھوں کا گھر

بدھ مت بھی جین مت کا ہم عصر مذہب ہے مگر اسے جین مت کی نسبت بہت زیادہ پذیرائی ملی۔ بدھ مت کے سلسلہ میں ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ کیا وہ بھی نبی تھے اور ان کی تعلیمات میں کتنی سچائی تھی اور بعد میں کب اور کیسے ان کی تعلیمات بھی تحریف کا شکار ہوئیں اور کچھ سے کچھ بن گئیں مگر ایک بات جو ہم نے بچپن میں پڑھی تھی وہ ایک الہامی اور عظیم سچائی لگتی ہے کہ "دنیا دکھوں کا گھر ہے"۔ یا پھر اس سے بہتر الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والعصر ان الانسان لفی خسر• یعنی قسم ہے زمانے کی انسان بے شک خسارے میں ہے (العصر۔1)۔ چنانچہ اب تک کسی ایسے خوش نصیب سے ملاقات کی تمنا ہی دل میں لیے پھرتے ہیں جو یہ کہہ سکے اس نے اس دنیا میں کوئی دکھ نہیں دیکھا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ مومن دکھوں کو آزمائش سمجھتا ہے اور اس سے نجات کے لیے صبر کے ساتھ اللہ سے مدد مانگتا ہے۔ مگر کافر صرف اور صرف دکھ اٹھاتا ہے اور مزید کفر کرتا ہے۔ ہمارے اس خیال کو جناب بدھ کی ایک پیشین گوئی بھی تقویت پہنچاتی ہے کہ ”بھائیو دنیا میں ایک اعلیٰ ہستی مبعوث ہوگی جس کا نام میتیا (رؤف، رحیم، رحمت العالمین) ہوگا“

www.kitabosunnat.com

بدھ مت اور بابا فرید

بدھ مت کے بانی جناب گوتم بدھ 560 ق م کے لگ بھگ ہمالیہ کے دامن میں ایک نیپالی گاؤں لمبینی (Lumbini) میں پیدا ہوئے اور 80 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ ان کا باپ بھی ایک ہندو کھشتری ساکیہ سردار تھا۔ گوتم بدھ بچپن سے جوانی تک برہمن پروہتوں کے ساتھ ہندو مذہب کی تعلیمات سیکھتے رہے۔ ان کا باپ انہیں ایک ہندو عالم بنانا چاہتا تھا مگر ایک تو برہمن نہ ہونے کی وجہ سے بہت اونچے مقام تک نہ جا سکتے تھے اور دوسرے ان کی تعلیمات سے ان کی تسلی نہ ہوتی تھی۔ اس لیے ان سے علیحدہ ہو گئے اور اورارا کے مقام پر ایک بہت بڑے پیپل کے درخت کے نیچے گیان دھیان میں مصروف ہو گئے۔ یہاں انہوں نے اتنی ریاضت کی کہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے آپ کو فنا کرنے کے لیے وہ سانس روکنے کی مشق کیا کرتے تھے اور اس کوشش میں شاید آکسیجن کی کمی کی وجہ سے کبھی کبھی اس قدر مجذوب ہو جایا کرتے تھے کہ اپنا فضلہ خود ہی کھا لیا کرتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ان پر اسی طرح کا بہتان ہو جیسا کہ حضرت بابا فریدؒ پر لگایا جاتا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ وہ پورے بارہ سال تک ایک اندھے کنویں میں الٹے لٹکتے رہے اور اس دوران نہ کچھ کھایا نہ پیا، نہ نماز ادا کی اور نہ جمعہ کے لیے جامع مسجد گئے، اور نہ ہی اس دوران حج کیا بس چمگادڑ کی طرح الٹے لٹک کر آسمان کو پاؤں ہی دکھاتے رہے۔ وہ ولی اللہ کیسا جو نماز باجماعت ہی کا پابند نہ ہو۔ بقول حضرت علی ہجویریؒ صوفی کے لیے ''حدود شریعت کی پابندی ہر حال میں لازم ہے''۔ بدھ جی کے متعلق اگر یہ سچ مان لیا جائے تو پھر انہیں رہبر یا نبی ماننا ناممکن ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کی تعلیمات کی طرح ان کی زندگی کے حالات بھی تحریف شدہ ہیں۔

متبرک راکھ

چنانچہ انہی کے بقول ایسے میں ایک وقت ایسا آیا کہ انہیں ایک روشنی نظر آئی اور وہ بے خودی سے جیسے ہوش میں آ گئے۔ اب انہوں نے بھیک مانگنے کے لیے اپنا کشکول اٹھایا اور لوگوں کا ذہنی اور بدنی علاج کرنے کے لیئے نکل کھڑے ہوئے۔ چھ سال تک اسی طرح گھومنے پھرنے کے بعد دوبارہ پیپل کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر گیان دھیان میں مصروف ہو گئے اور وہیں سے اپنی تعلیمات کا آغاز کیا۔ یہ بھی آتا ہے کہ انہوں نے پاوا کے مقام پر سب سے آخری کھانا اپنے ایک بھکشو چندو لوہار کے ہاں کھایا۔ معاً بعد انہیں پیچش کی شکایت ہو گئی اور وہ ضد کر کے قریبی شہر کشی نارا آ گئے اور سال (پیپل) کے ایک درخت کے نیچے ان کا انتقال ہو گیا۔ مریدوں نے لاش کو نذر آتش کیا اور متبرک راکھ تقسیم کر دی۔ دنیا بھر میں سب سے عظیم اور قدیمی استوپوں (Stupa) کے متعلق مشہور ہے کہ ان کی بنیادیں اسی متبرک راکھ پر اٹھائی گئی ہیں۔ ہر استوپا کے ساتھ تبرک کے طور پر ایک پیپل کا درخت ضرور لگایا جاتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گوتم بدھ نے اپنے پیروؤں کے لیے جو شعار مقرر کیے ہیں ان میں گیروا کپڑا پہننا، پورے سر کی ٹنڈ کرانا، کشکول ہاتھ میں رکھنا، روزانہ مراقبہ کرنا، عورتوں سے مکمل پرہیز کرنا حتیٰ کہ اپنی ماں تک سے نہ ملنا اور گناہوں کا مسلسل اقرار کرتے رہنا شامل ہے۔ بدھ مت کے دس اصول ہیں:

بدھ مت کے اصول

۱۔ کسی ذی روح کو اذیت نہ دو۔

۲۔ جو نہ دیا جائے نہ لو۔

۳۔ بداخلاقی نہ کرو۔

۴۔ جھوٹ نہ بولو اور نہ کسی کو دھوکہ دو۔

۵۔ سور اور نشہ سے احتراز کرو۔

۶۔ سادہ کھاؤ اور کم کھاؤ اور نصف دن کے بعد نہ کھاؤ۔

۷۔ رقص نغمہ موسیقی اور ڈراموں میں حصہ نہ لو (ہندو مت کے بالکل الٹ)۔

۸۔ پھولوں کے ہاروں اور خوشبو، عطریات، جواہرات اور مالاؤں سے پرہیز کرو۔

۹۔ اونچے اونچے اور چوڑے بستروں پر سونے سے پرہیز کرو۔

۱۰۔ سونا چاندی قبول مت کرو۔

بدھ مت بھی آواگون میں یقین رکھتا تھا۔ بدھ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ خدا کو نہیں مانتا تھا اس لیے پوجا پاٹ بھی نہیں کی مگر پرانی کتب اور اشوک کے کتبات توحید کا پیغام دیتے ہیں۔ بدھ مت میں بھی تحریف ہوئی اور کہا گیا کہ صحیح علم صرف بدھی بھکشوؤں (Monks) کے پاس ہے اور پھر بھکشوؤں کی بن آئی۔ آہستہ آہستہ بدھ مت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے اتنے فرقے ہو گئے کہ اصل کی شناخت ہی گم ہوگئی۔ بدھ مت کی تعلیمات کافی سخت تھیں جن پر عمل کرنا بہت مشکل تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور معاشرتی اور تمدنی تبدیلیوں کے زیر اثر بدھ مت میں بھی کافی تبدیلیاں لائی گئیں۔ ہمارے پیروں فقیروں، صوفیا اور چلوں (چالیس دن) پر زور دینے والے علما کی طرح بدھ مت میں بھی چلوں کو رواج دیا گیا۔ بدھ مت کے ماننے والوں کے لیے آج کل صرف اتنا کافی ہے کہ وہ زندگی میں ایک بار بھکشو بن کر ایک چلہ کاٹ لیں اور بس پھر نجات یقینی۔ کیا آسان نسخہ ہے۔ برما، تھائی لینڈ وغیرہ میں بعض لوگ چھٹیوں کے دوران اپنے بچوں کو بھکشو بنا دیتے ہیں اور تعلیم سے فارغ ہونے والے طلبہ بھی ایک دو چلوں کے لیے بھکشو بن جاتے ہیں اور پھر ساری عمر آزادی۔

اشوک

ہندوستان کے بادشاہ اشوک نے 273 ق م میں بدھ مت قبول کیا اور طاقت کے زور سے اسے ہندوستان میں خوب پھیلایا۔ اس کے بعد 800 سال تک ہندوستان میں یہ مذہب خوب زوروں پر رہا۔ پہلی صدی عیسوی میں کاتشکا بادشاہ نے افغانستان، اور موجودہ پاکستان کے علاقوں کو فتح کر کے پشاور کو اپنا صدر مقام بنایا اور بدھ مت قبول کر لیا۔ یہاں سے بدھ مت چین، جاپان، بنگال، برما، کوریا، تھائی لینڈ، بھوٹان، نیپال اور تبت وغیرہ ہر طرف پھیل گیا۔

تاریخی اندازوں کے مطابق پہلی اور دوسری صدی عیسوی میں بدھ مت غالباً دنیا کا سب سے بڑا مذہب تھا۔ ہندو مت نے بدھ مت کی سخت مخالفت کی مگر بدھ مت میں برہمنوں کے جبر اور ظلم و ستم کے ہاتھوں پسی ہوئی انسانیت کے لیے بہت کشش تھی۔ اس لیے بدھ مت نہایت تیز رفتاری سے پھیلتا چلا گیا۔ لیکن برہمنیت بھی آسانی سے ہار ماننے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والی نہ تھی۔ اس نے نہایت عیاری سے ایک الٹا کھیل کھیلنے کی بڑی کامیاب کوشش کی اور بے چارے مہاتما بدھ پر ہی قبضہ جما لیا۔ انہوں نے مہاتما بدھ کو وشنو دیوتا کا ایک اوتار قرار دیدیا اور اس طرح بڑی آسانی سے بدھ مت کو اغوا کر کے ہندومت کی ایک شاخ بنانے کی کوشش کی۔ ہندوستان کی حد تک تو وہ اس میں کامیاب ہو گئے مگر دوسرے ممالک میں بدھ مت مختلف شکلوں میں نہ صرف زندہ رہا بلکہ پھیلتا گیا۔ تبت اور منگولیا میں بدھ مت لامہ ازم بن گیا مگر ہندوستان میں ہندوؤں نے دھرم نہ بدلنے والے پر امن بدھوں کو مار مار کر ختم کر دیا۔ اس طرح ساتویں صدی عیسوی میں بدھ مت ہندوستان سے تقریباً ختم ہو گیا بلکہ جبراً ختم کر دیا گیا ؂

برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں   شمع گوتم جل رہی ہے محفل اغیار میں

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

ہندومت کی کوکھ سے جنم لینے والے قابل ذکر مذاہب میں سے سکھ مت شاید دنیا کا سب سے کم عمر مذہب ہے جو کہ پندرھویں صدی عیسوی میں وقوع پذیر ہوا۔ ویسے تو قادیانیت کی عمر بھی بہت کم ہے مگر قادیانیت کا ماخذ ہندومت نہیں بلکہ اسلام ہے جس کی مختلف طریقوں سے مرمت کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ بہت سارے دوسرے لوگوں کی مرمتی کوششوں کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب نے لفظ خاتم النبیین کی من مانی تشریح کر کے نبیوں کے سلسلے کو جاری رکھنے کی کوشش کی۔ ہمارے خیال میں خاتم کا مطلب اگر وہ لیا جائے جو مرزا صاحب بتاتے ہیں تو پتہ نہیں کب اور کہاں سے کون اپنے ماتھے پر نبوت کی مہر لگائے ظاہر ہو جائے اور ہمیں کافر اور بے ایمان بنانے پر تل جائے۔ یا آخرت میں نجات کی خاطر ہم اپنے ایمان کی تجدید کے لیے بستر اپنے کندھوں سے نہ اتاریں اور نئے نئے نبیوں کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تلاش میں ساری دنیا کی خاک چھانتے پھریں اور خود ساختہ نشانیوں اور منہ مانگے معجزوں کی مدد سے اصلی نبی کو پہچاننے کی کوشش کریں ورنہ دوزخ کا ایندھن بنیں۔ کیونکہ حضور پاک ﷺ تک تو ہر نبی اپنے بعد آنے والے نبی کی نشانیاں بتا دیا کرتا تھا۔ ہم تو اللہ کا بہت بہت شکر ادا کرتے ہیں کہ اب نبوت ختم ہے اور کوئی نبی نہیں آئے گا ورنہ یہ بزرگ اور اولیاء کرام سب نبی ہوتے اور اگر یہ نہ مانتے تو ہم انہیں زبردستی بنا لیتے۔ آپ ﷺ واقعی نبی رحمت ہیں۔

ہندومت کے کروڑوں دیوی دیوتاؤں پر مشتمل مشرکانہ تصور خدا کے بالکل الٹ سکھ مت کی بنیاد ایک خدا کو ماننے پر ہے۔ اس لحاظ سے یہ ہندومت کے مقابلے میں ایک نیا مذہب کہا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ وحی و رسالت کا سلسلہ خاتم النبیین ﷺ کی رسالت کے ساتھ ہی ختم ہو چکا ہے اس لیے سکھ مت کے ایک غیر الہامی دین ہونے میں کوئی شک نہیں۔ یہ بھی کسی حد تک اکبر کے دین الٰہی کی طرح مختلف مذاہب کا ملغوبہ ہی ہے کیونکہ اس میں چند ایک اسلامی اصولوں کی مدد سے ہندومت کو مرمت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایک خدا پر ایمان اور بتوں کی پوجا سے انکار کے علاوہ دوسری بہت سی باتیں سکھ مت میں وہی رہیں جو کہ ہندوؤں میں پہلے سے ہی موجود تھیں۔ شاید بابا گورونانک کو انہیں بدلنے کا موقع نہ ملا اور وہ اس دنیا سے اٹھا لیے گئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گورونانک جی

پلیٹ فارم پر مندر میں موسیقی کے شور سے بچنے کے لیے ہم اپنا مختصر سا بیگ کاندھے پر ڈالے دوسرے سرے کی طرف چلے اور پھر پلیٹ فارم کے دونوں سروں کے درمیان چہل قدمی نے باقاعدہ گشت کی شکل اختیار کر لی۔ مگر ذہن مسلسل سکھوں اور گورونانک پر ہی مرتکز رہا۔ سکھ ہیں بڑی دلچسپ قوم۔ گورو کے سچے چیلے، وضع قطع میں منفرد، پانچ ککوں کے پابند، میل جول میں کھلے ڈھلے، رہن سہن میں سادہ، بھنگڑے اور ڈھول تماشے کے شوقین، رنگ رنگیلے لطیفے سنانے میں مشہور، اور پنجابی بولنے میں بانکپن، پنجابی زبان پنجابیوں کے نہیں انہیں کے دم قدم سے زندہ ہے۔ جب تک ایک بھی سکھ زندہ ہے، پنجابی زبان بھی زندہ ہے کیونکہ اپنا گرنتھ صاحب جو پنجابی میں ہے۔

شیخ کبیر

سکھ مت کی بنیاد بابا گورونانک نے رکھی۔ ہندومت کے ان گنت خداؤں کے علی الرغم سکھ صرف ایک خدا میں یقین رکھتے ہیں۔ اس عقیدے کا آغاز ان سے کافی پہلے جناب شیخ کبیر المعروف بھگت کبیر (1518ء) کر چکے تھے۔ مشہور ہے کہ شیخ کبیر ایک مسلمان صوفی درویش اور ایک اچھے شاعر تھے لیکن تصوف کے ساتھ ساتھ وہ ہندومت کے خلاف چلنے والی بھگتی تحریک سے بھی بہت متاثر تھے۔ ہندو بھگتی تحریک دراصل ہندومت میں برہمنیت کے خلاف ایک احتجاجی تحریک تھی جس میں دیوی دیوتاؤں کی بجائے ایک خدا کی محبت اور انسانی مساوات پر زور دیا جاتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بھی ذات پات اور بتوں کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پوجا سے انکار کا پرچار کیا اور ایک خدا کی محبت کو نجات کے لیے کافی سمجھا۔ مگر شیخ کبیر اپنے عقیدے کی تبلیغ کے لیے کوئی پرزور عوامی تحریک نہ برپا کر سکے جس کی وجہ اغلباً یہ ہے کہ ان کے خیالات صوفیا کے ایک نہایت محدود طبقے تک پہنچ سکے جو کوئی باقاعدہ نظم قائم نہ کر سکا۔ اس کے باوجود ہندو اور مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد ان سے متاثر تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اسی طرح کی کوششوں کو سمیٹتے ہوئے جناب گورونانک نے سکھ مت کا آغاز کیا اور بہت تھوڑے عرصے میں ایک خاطر خواہ تعداد کو اپنا ہم نوا بنا لیا۔ بابا گورونانک کی طلسماتی شخصیت، ان کے پیروکاروں کی جانثاری اور انتظامی صلاحیتوں کی بدولت سکھوں کا ایسا گروہ وجود میں آیا جس نے بعد میں ان تھک محنت کی، ہر طرح کے مصائب جھیلے، قربانیاں دیں اور اپنی طاقت کا لوہا منوا کر رہے۔

گورونانک جی 1469ء میں ننکانہ صاحب (تلونڈی) ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد صاحب ایک ہندو کھشتری تھے اور گاؤں میں آبیانہ وغیرہ اکٹھا کرنے والے سرکاری ملازم یا نمبردار تھے۔ گورونانک جی نے اپنی ابتدائی تعلیم بھی وہیں سے حاصل کی۔ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت میں ہندو اساتذہ کے ساتھ ساتھ چند مسلم اساتذہ کا بھی حصہ ہے۔ تعلیم کے بعد آپ بھی سرکار کے اکاؤنٹنٹ اور مینیجر رہے۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ گورونانک جی نے شادی بھی مسلمان گھرانے میں کی اور ان کی بیوی بھی مسلمان سکھنی تھی۔ نانک جی کا مزاج بچپن ہی سے شاعرانہ تھا اور تصوف کی طرف مائل بھی۔ انہیں نوعمری سے ہی بزرگان دین کے مزاروں پر حاضری دینے، مراقبے کرنے اور چلے وغیرہ کاٹنے کا بہت شوق تھا۔ ایک دن ایک ندی میں نہاتے ہوئے غائب ہو گئے اور تین دن بعد وہیں سے ظاہر ہوئے اور اعلان کیا کہ انہیں ایک نئی روحانی روشنی ملی ہے۔ پھر انہوں نے ہندو اور مسلم دونوں عقیدوں کا انکار کیا اور ایک نئے عقیدے کو جنم دیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مردانہ صاحب

اس کے ساتھ ساتھ حالات یہ بھی بتاتے ہیں کہ انہی جیسی عادات کا مالک ان کے بچپن کا ایک مسلمان دوست بھی تھا جس کا نام بھائی مردانہ بتایا جاتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جناب گورونانک کی ملی جلی ابتدائی تعلیم اور مردانہ صاحب کی دوستی اور مصاحبت نے ان کے خیالات کی ترویج میں بہت اہم اثر ڈالا۔ گورونانک صاحب ذات پات سے متنفر تھے اور توحید کی طرف مائل تھے، لاالہ الااللہ کا ورد کرتے تھے، سید علی ہجویریؒ اور بابا فریدؒ کی روحانی صحبت سے روح کی پیاس بجھاتے رہے، حضور پاک ﷺ سے بہت محبت کرتے تھے اور آپ ﷺ کے پیغمبر خدا ہونے پر یقین رکھتے تھے۔ ان کے عقاید اسلام کے کافی قریب تھے۔ مردانہ ہی کے مصاحب کی حیثیت سے گورونانک نے مسلم لباس پہن کر بیت اللہ کا حج کیا اور روضہ مقدس کی زیارت کے لیے مدینہ شریف بھی تشریف لے گئے اور حضور پاک ﷺ کی مدح میں نعتیں تک کہیں۔ بعد ازاں بابا گورونانک زیارات کے لیے بغداد بھی گئے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ بغداد میں زیارات سے واپسی پر کرتار پور میں بھائی مردانہ صاحب وفات پا گئے اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد 1539ء میں بابا گورونانک بھی فوت ہو گئے۔

بابا گورونانک سکھوں کے مذہبی پیشوا اور گورو ہونے کے ساتھ ساتھ اس علاقہ میں ایک درویش بزرگ کی حیثیت سے عام مسلمانوں میں بھی بہت مقبول تھے اور انہیں حاجی نانک کہا جاتا تھا۔ اس کی وجہ ان کا باقاعدگی سے اونچی آواز میں لا الہ الااللہ کی مالا جپنا، حضور پاک ﷺ کی شان بابرکات میں نعتیں کہنا، حج کرنا، مدینہ شریف میں حاضری دینا اور بغداد میں زیارات کا سفر تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ ان کی وفات پر سکھوں اور مسلمانوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں اس بات پر سخت تنازعہ پیدا ہو گیا کہ ان کو مسلمانوں کے طریقے پر جنازہ پڑھ کر دفن کیا جائے یا سکھوں کے طریقہ پر جلایا جائے۔ دونوں گروہ اپنی اپنی بات پر اڑ گئے۔ رات گئے تک مسلمانوں اور سکھوں میں جھگڑا ہوتا رہا اور کشیدگی بڑھتی گئی۔ مسلمان کہتے تھے کہ حاجی گورونانک صاحب توحید پرست تھے اور کسی توحید پرست کو ہم جلانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ مگر سکھ کہتے تھے کہ نانک صاحب ہمارے گورو اور ہمارے مذہب کے بانی اور پیشوا تھے لہٰذا ہم جیسے چاہیں ان کا کریا کرم کریں۔ یہ جھگڑا رات گئے تک جاری رہا اور پھر کچھ حضرات نے نہایت عقلمندی سے لوگوں کے مشتعل جذبات کو ٹھنڈا کیا اور معاملہ رفع دفع کرانے کے لیے فیصلہ صبح تک کے لیے ملتوی کرا دیا۔

پھول

صبح جب لوگ سو کر اٹھے تو عجیب منظر پایا۔ بابا گورونانک صاحب کا وجود خاکی غائب تھا اور اس کی جگہ بستر پر تروتازہ پھولوں کا ڈھیر تھا۔ کچھ لوگوں نے ان کی بزرگی اور درویشانہ شخصیت کے پیش نظر عام لوگوں میں مشہور کر دیا کہ فرشتے ان کی روح کے ساتھ ساتھ ان کی لاش کو بھی آسمانوں پر لے گئے ہیں اور اس کی جگہ پر پھول رکھ گئے ہیں۔ اس سے دونوں گروہوں میں جھگڑا فساد بننے سے تو رک گیا مگر یہ عقدہ آج تک نہیں کھل سکا کہ یہ سب کیسے ہوا کس نے کیا اور بابا گورونانک کہاں دفن ہیں؟ بعد میں کچھ صلح کن لوگوں کی کوششوں سے پھولوں اور بستر کی چادر کو دو برابر حصوں مین تقسیم کیا گیا اور ایک ایک حصہ مسلمانوں اور سکھوں کو دے دیا گیا۔ مسلمانوں نے وہ پھول اور چادر کا ٹکڑا دفن کر دیا جب کہ سکھوں نے اپنے حصے کے پھولوں اور چادر کے ٹکڑے کا باقاعدہ کریا کرم کیا یعنی ہندوؤں کی طرح اس کو جلایا اور راکھ کو تبرک کے طور پر رکھ لیا۔ بابا گورونانک نے اپنے خدا کا نام ''سچا نام'' رکھا اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے ''ہری'' یعنی رحمدل بھی کہا۔ گورونانک صاحب نے سکھوں کے لیے بت پرستی کے ساتھ ساتھ سگرٹ اور شراب کو بھی حرام قرار دیا اور گوشت حلال کیا۔ تاہم یار لوگ دارو یعنی شراب سے جان نہ چھڑا سکے البتہ سگریٹ نہیں پیتے۔ سکھوں کے پانچ شعار بھی ہیں جن کی پابندی ہر سکھ کے لیے لازمی ہے۔ یہ پانچ شعار یا سکھ مت کے نشان پانچ ککے یا پانچ Ks کہلاتے ہیں یعنی: کیس (بال رکھنا)، کنگھا رکھنا، کچھا پہننا، کلائی میں کڑا پہننا اور کرپان رکھنا۔

گورو

سکھ مت اس لحاظ سے انقلابی مذہب نکلا کہ اس میں گورو صاحب نہ صرف مذہبی پیشوا تھا بلکہ سیاسی لیڈر اور راہنما بھی۔ سکھوں کے اب تک کل دس گورو ہوئے ہیں اور سری گرنتھ صاحب اب ان کے گیارھویں اور سدا بہار گورو ہیں۔ سب سے پہلے گورو بابا گورونانک صاحب تھے جن کے عقیدت مندوں میں ہندو، سکھ اور مسلمان سبھی تھے۔ مگر پانچویں گورو ارجن سنگھ سے لے کر دسویں گورو گوبند رائے تک (1600ء سے 1708ء تک) سارے کے سارے گورو عام طور پر مسلمان مغل بادشاہوں سے لڑتے ہی رہے۔ اب جو تحقیقات سامنے آ رہی ہیں ان سے پتہ چل رہا ہے کہ ان لڑائیوں کے پس پردہ مغلوں کے ہندو درباریوں کی سازشیں تھیں جن کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اور نوبت لڑائیوں تک جا پہنچی۔ ابتدائی سکھ تحریک میں پانچویں گورو ارجن سنگھ دیو جی کا دور سب سے اہم رہا ہے۔ انہوں نے امرتسر میں 1600ء میں گوردوارہ ہری مندر (گولڈن ٹمپل) تعمیر کروایا اور اس کے ساتھ مشہور جھیل بھی بنوائی۔ گوردوارہ ہری مندر سے متعلق یہ بھی بتاتے چلیں کہ اس کے لیے زمین مغل شہنشاہ اکبر اعظم نے تحفہ کے طور پر گورو رام داس جی کو دی تھی۔ اس کے بعد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب گوروار جن سنگھ دیو جی نے باقائدہ تعمیر شروع کی تو اس کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے ان کی نظر حضرت میاں میرؒ پر پڑی جن کے وہ عقیدت مند بھی تھے۔ چنانچہ حضرت میاں میرؒ نے لاہور سے امرتسر جا کر 1588ء میں گوردوارہ ہری مندر کا سنگ بنیاد اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا۔

گرنتھ صاحب

سری گوروار جن سنگھ دیو جی نے سب سے اہم کام جو کیا وہ سکھوں کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب مرتب کرنے کا تھا۔ اس سے پہلے تک سکھوں کی کوئی متفقہ مقدس مذہبی کتاب نہ تھی۔ بابا گورونانک کی تمام کی تمام تعلیمات اب تک متفرق تھیں۔ گوروار جن سنگھ نے سب تعلیمات کو ایک جگہ جمع کیا اور اس نئی کتاب کا نام گرنتھ صاحب رکھا۔ گرنتھ صاحب میں بابا گورونانک سے لے کر پانچویں گوروار جن سنگھ تک سب کی تعلیمات شامل ہیں۔ یہ پنجابی زبان میں ہے جو گورمکھی رسم الخط میں تحریر کی گئی اور 1604ء میں مکمل ہوئی۔ اس میں تقریباً چھ ہزار مناجات ہیں جن میں سے تقریباً ایک ہزار بابا گورونانک کی اور باقی بعد کے چار گوروؤں کی ہیں۔ لیکن یہ چیز بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ گرنتھ صاحب میں بڑے گورو صاحبان کے کلام کے ساتھ ساتھ بابا فریدؒ، شیخ کبیر اور بھائی مردانہ جیسے صوفیائے کرام کا کلام بھی شامل ہے۔ اصل گرنتھ صاحب کے 1430 صفحات ہیں اور اکتیس غلاف۔ کتاب کی حد تک گرنتھ صاحب دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جس کا ادب واحترام شاید سب سے زیادہ کیا جاتا ہے، اور مختلف موقعوں پر اس کا جلوس نکالا جاتا ہے جو بذات خود ایک عبادت سمجھی جاتی ہے۔ خاص خاص تہواروں پر سکھ اس کا پاٹھ کرتے ہیں۔

گرنتھ صاحب اپنے تقدس کی وجہ سے عام مارکیٹ میں دستیاب نہیں ہے اور نہ ہی یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عام سیل کے لیے کتابوں کی دوکانوں اور دوسری پبلک جگہوں پر رکھی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ عام طور پر سکھ بھی اسے اپنے گھر میں نہیں رکھتے کیونکہ اسے گھر میں رکھنے کے لیے بھی کافی مشکل اور لمبے چوڑے آداب مقرر ہیں۔ اس کے لیے ایک صاف ستھرا علیحدہ کمرہ درکار ہے۔ جس میں اچھا فرنیچر ہو اور خوب آراستہ پیراستہ ہو، مزید برآں گرنتھ صاحب کو ہاتھ لگانے سے یا چھونے سے پہلے نہانا ضروری ہے۔ بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو کتاب نانک صاحب کے زیر استعمال تھی اس کو چھونے کے لیے ضروری ہے کہ 1200 مرتبہ لگاتار غسل کیا جائے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اس کڑی شرط کی وجہ سے وہ کتاب آج تک صرف ایک بار کھولی جاسکی ہے۔ جس کسی نے بھی یہ کارنامہ انجام دیا اس کی ہمت کی داد دینا پڑتی ہے ورنہ شاید وہ بند ہی پڑی رہتی۔ دسویں گورو گوبند رائے نے "راج کرے گا خالصہ باقی رہے نہ کو"، "ست سری اکال" اور "واہ گورو جی کا خالصہ" جیسے نعرے ایجاد کیے اور سکھوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی کہ ان کا بھی ایک علیحدہ اپنا وطن ہونا چاہیے۔ پانچوں ککوں یعنی Ks پر عمل ہر سکھ کے لیے لازمی قرار دیا۔ پہلے ہر گورو مرتے وقت نیا گورو نامزد کرتا تھا مگر دسویں گورو گوبند سنگھ نے مرتے وقت کسی کو بھی گورو نامزد نہ کیا بلکہ کہا کہ آج کے بعد گرنتھ صاحب ہی تمہارا گورو ہوگا۔ گورو گوبند سنگھ لگتا ہے سکھ ہونے کے باوجود نہایت دور اندیش گورو تھے کہ اس فیصلے سے انہوں نے سکھ مت کو بہت حد تک تفرقہ بازی سے بچالیا۔

سکھوں کے پانچویں گورو کی چندو لال ہندو کے ہاتھوں المناک موت کے بعد عام طور پر مغلوں کے خلاف ہی رہے اور مسلسل لڑتے رہے۔ 1606ء کے بعد انگریزوں سے بھی ان کی نہ بنی۔ مگر 1849ء میں آخری سکھ حکمران مہاراجہ دلیپ سنگھ جو پہلے تو انگریزوں کے سخت خلاف تھے مگر بعد میں انگریزوں سے صلح کرلی اور انگریزوں کے نہایت وفادار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہے حتیٰ کہ 1857ء کی جنگ آزادی میں بھی انہوں نے زیادہ تر انگریزوں ہی کا ساتھ دیا۔اس لیے انگریزی فوج میں ان کا کوٹہ کافی زیادہ تھا جواب ہندوستان کی حکومت کی ان پر بے اعتمادی کی وجہ سے بہت کم کر دیا گیا ہے۔اور تو اور مہاراجہ دلیپ سنگھ نے مشہور زمانہ کوہ نور ہیرا بھی انگریزوں کے حوالے کر دیا جواب تک تاج برطانیہ کا حصہ ہے.

دوستی دشمنی

قیام پاکستان سے پہلے سکھوں اور مسلمانوں کی دوستیاں مثالی حد تک مشہور تھیں۔مگر ظہور پاکستان کے وقت سکھ ماسٹر تارا سنگھ کی کوتاہ اندیشی تھی یا سادہ لوحی کہ وہ ہندو سازش کا شکار ہو گئے۔ماسٹر صاحب نے قائداعظمؒ کی پیشکش کو ٹھکرا دیا اور نہرو اور گاندھی جی کی چکنی چپڑی باتوں میں آگئے اور ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف ہو گئے۔کانگریس کا وعدہ تھا کہ وہ سکھوں کو مشرقی پنجاب میں خالصتان بنا کر دیں گے۔سکھوں نے چونکہ سوچنے سمجھنے اور سیاسی معاملات ماسٹر جی کے سپرد کیے ہوئے تھے اس لیے اب ان کا حکم ماننے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا۔چنانچہ دوستی کو دشمنی میں بدلتے دیر نہ لگی اور 'سکھوں' نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر وہ مظالم ڈھائے کہ دنیا ہلاکو خان کی بغداد کے گلی کوچوں میں کی جانے والی ظالمانہ قتل و غارت گری کو بھول گئی۔قیام پاکستان کے موقع پر مشرقی پنجاب سے آبادی کے انخلا کے دوران 1947ء میں بے شمار مسلمان شہید کیے گئے اور ہزاروں کی تعداد میں مسلمان عورتیں اغوا کی گئیں اور پھر آج تک یہ پتہ نہیں چل سکا ان اغوا شدہ بے چاری عورتوں سے کیا سلوک کیا گیا۔افسوس کہ سکھوں نے بابا گورونانک جی کا کہنا نہ مانا۔

آپریشن بلیو سٹار

لاالہ کے اقراری سکھوں سے یہ امید تو نہ تھی مگر سازشوں کا شکار ہوتے ہوئے انہوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے 1947ء میں ہندوؤں کا ساتھ تو دے دیا مگر انہیں یہ سودا بہت مہنگا پڑا، اور یہ ایک نہایت پر درد اور سبق آموز تاریخی داستان بن گئی۔ پاکستان بننے کے بعد ہندوؤں کی حکومت ٹال مٹول کرتے کرتے بالآخر کشمیر کی طرح اپنے وعدے سے ہی مکر گئی۔ سکھوں کو پھر پتہ چلا کہ ان کے ساتھ کتنا بڑا دھوکہ کیا گیا ہے۔ ہندوؤں نے خالصتان بنانے کی اجازت دینے کی بجائے مشرقی پنجاب کو ہی تقسیم در تقسیم کر دیا اور سکھوں کی قوت کو بھی تقسیم کرنے کی کوشش کی۔ سکھوں نے اپنا مطالبہ نہ چھوڑا اور حکومت سے ٹکرا گئے۔ ہندو اکثریت کی حکومت نے سکھوں کی کوئی شرط نہ مانی اور سکھوں کی خالصتانی تحریک کو بزور قوت دبانے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں پہلے ہندو نیتاؤں نے کافی تحمل کا مظاہرہ کیا مگر مسز اندرا گاندھی مہم جوئی اور جذباتیت کا شکار ہو گئی اور اس نے جون 1984ء میں ان کے امرتسر میں سب سے مقدس اور مرکزی گوردوارے گولڈن ٹمپل پر ہی حملہ کر دیا اور اس بھرپور فوجی حملے کو آپریشن بلیو سٹار کا نام دیا۔ اس ظالمانہ آپریشن نے سکھوں کی آنکھیں کھول دیں۔ اس بارے میں سکھ دبے دبے الفاظ میں پاکستان کو بھی ایک الزام دیتے ہیں کہ اس وقت کی بے مثال و بے نظیر حکومت نے اس معاملہ میں سکھوں کی بجائے راجیو گاندھی کی حکومت کی مدد کی تھی۔

سکھوں نے شاید گولڈن ٹمپل کا انتقام لینے کی کوشش کی اور بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کو اس کے سکھ محافظوں نے ہی موقع پا کر گولی سے اڑا دیا۔ اندرا گاندھی کا اس طرح انتقاماً قتل کیا جانا کسی نے بھی پسند نہ کیا۔ مگر سکھوں کو تو اس کی بہت ہی زیادہ قیمت چکانا پڑی۔ اس قتل کے بعد ہندوؤں نے سکھوں سے جو ظالمانہ سلوک کیا اس نے 1947ء کی یاد تازہ کر دی۔ انتہا پسند ہندو جماعتوں کے مسلح جتھوں نے سکھوں کا بہت بڑی تعداد میں قتل عام کیا۔ چنانچہ سکھوں کی ابھرتی ہوئی تحریک کا زور بڑی حد تک ٹوٹ گیا، اور اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے نتیجہ میں ہندوستان اور زیادہ فوج کشمیر میں بھیجنے کے قابل ہوگیا۔ آج کل سکھ مجموعی طور پر بہت مشکل میں ہیں مگر بھارتی حکومت سے ان کی کشمکش جاری ہے۔ سکھ دبنے اور جھکنے والی قوم نہیں، جذبہ بیدار ہے، جدوجہد بھی جاری ہے اور امید کی جاتی ہے کہ یہ قوم جلد یا بدیر اپنا حق لے کر رہے گی۔

سکھ مت اس وقت صرف مشرقی پنجاب تک محدود ہے۔ مگر سکھ دنیا کے تمام ممالک میں پائے جاتے ہیں اور اپنے تہذیبی رویوں اور پانچوں ککوں (5Ks) (یعنی کیس، کڑا، کنگھا، کچھا اور کرپان) کی سختی سے پابندی کی وجہ سے اپنی ایک علیحدہ پہچان رکھتے ہیں۔ یہ انتہائی محنتی، جفاکش، بہادر اور وفا کیش قوم ہے۔ مگر ہندو اکثریت اور ان کی دیکھا دیکھی اور قومیں بھی ان کی سادگی اور وضع قطع کی وجہ سے انہیں مضحکہ خیز انداز (Laughing stock) میں پیش کرتی ہیں۔ سکھ جہاں کہیں بھی ہوں ان کی نسلی اور تہذیبی بنیادیں (Roots) ادھر مشرقی پنجاب میں ہی ملتی ہیں۔ بظاہر یہ دکھائی دیتا ہے کہ دنیا میں اس وقت سکھ مت بھی ہندومت ہی کی طرح کوئی بڑھنے یا پھیلنے والا مذہب نہیں ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سکڑنے کی بجائے یہ اپنے آپ کو قائم رکھے ہوئے ہے اور یہی اس مذہب کا کمال ہے۔

مہاراجہ دلیپ سنگھ کی طرف سے تاریخی کوہ نور ہیرا انگریزوں کے حوالے کرنے کا ہمیں بہت دکھ اور غصہ تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے یہ سب کچھ بالی ہی کا کیا دھرا ہو۔ مزید برآں راجہ رنجیت سنگھ کا ملکہ نور جہاں کی قبر کی کھدائی کرانا اور وہاں زیورات تلاش کرنا بھی بالی ہی کا جرم لگا۔ اور تو اور ننگے پاؤں کنکریوں والی گندی اور گیلی سڑک پر چلنے کی وجہ سے پاؤں کے تلوؤں میں جو جلن سی محسوس ہو رہی تھی اس کا قصوروار تو بلاواسطہ بالی ہی تھا۔ چنانچہ ان سب وجوہات کی بنا پر ہم یہ سوچ رہے تھے کہ آج نہ تو بالی کو آئس کریم کھلانا ہے اور نہ ہی اسے کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ٹپ دینا ہے۔ یہ سکھوں نے آخر اپنے آپ کو سمجھ کیا رکھا ہے؟ ہم اپنے اس اقدام پر عمل کرنے کا ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ ہمیں ایک ایسا واقعہ یاد آ گیا جس کی وجہ سے ہمیں اپنا یہ ظالمانہ اور غیر مہربانہ ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔

دوستی کا مظاہرہ

آزادی کے وقت سکھ مسلم فساد ظلم اور بربریت کی ایک انتہا تھی جو سکھ لیڈر شپ میں دور اندیشی کے فقدان کا نتیجہ تھی۔ یہ قتل و غارت گری سکھ مسلم دشمنی کا سبب بنی۔ اس کی دوسری انتہا آپریشن بلیو سٹار اور اندرا گاندھی کے قتل کے بعد جنونی ہندوؤں کے ہاتھوں سکھوں کا قتل عام تھی جس کے بعد سے اب تک سکھ مسلم دشمنی بتدریج زوال پذیر ہے۔اور امید کی جاتی ہے کہ شاید جلد ہی یہ قیام پاکستان سے پہلے کی سطح پر آ جائے۔ بہر حال ہندو اکثریت کے ظالمانہ رویہ کی وجہ سے سکھ دھیرے دھیرے مسلمانوں کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ سکھوں کے دوستانہ رویہ اور اپنائیت کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ شاید وہ اپنے پرانے طرز عمل کی تلافی کرنا چاہتے ہوں۔ اس دوستانہ رویے کا ایک زبردست اور زوردار مظاہرہ اس وقت دیکھنے میں آیا جب ہم ایک مرتبہ ڈاکٹر امتزاج حسین اور سید عرفان احمد وغیرہ کی معیت میں ایف اے او (FAO) کی ایک کانفرنس میں شمولیت کے لیے بنکاک گئے۔

ہم نے کچھ بنکاک پلٹ دوستوں سے سن رکھا تھا کہ وہاں کے درزی ایسے ہیں جو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر سوٹ تیار کر کے وعدے کے مطابق جہاں آپ چاہیں وہاں پہنچا دیتے ہیں۔ بنکاک کے درزیوں سے متعلق یہ ایک زبردست قسم کا انکشاف تھا ورنہ ہمارے ہاں تو درزی اور وعدہ دو متضاد چیزیں خیال کی جاتی ہیں۔ زمانہ طالب علمی سے لے کر اب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تک تقریباً 40 پچاس سالوں میں کبھی ایک مرتبہ بھی ایسا غیر معمولی واقعہ ہمارے ساتھ تو پیش نہیں آیا کہ کسی درزی نے وعدے کے مطابق کپڑے سی کر ہمیں عنایت کر دیے ہوں۔ اس لیے ہمیں بڑا اشتیاق تھا کہ کسی ایسے درزی کی زیارت کی جائے اور اس کا کام دیکھا جائے۔

بنکاک کے بازاروں میں خاص طور پر کپڑے کے کاروبار میں ایسے لگا جیسے غالب اکثریت سکھوں ہی کی ہو۔ ایک سٹور سے ہمیں کپڑا پسند آیا تو ہمارے ساتھیوں نے دو دو سفاری سوٹ بنانے کا آرڈر دیا۔ ہمارا جی چاہا کہ ہم بھی ایک آدھ سوٹ بنا لیں مگر ہماری پسند سفاری سوٹ کی بجائے شلوار قمیض تھی۔ سٹور کے مالک ایک نوجوان سردار جی تھے اور ٹیلر ماسٹر بھی خود ہی تھے۔ ہمارے ساتھیوں سے سفاری سوٹوں کا آرڈر تو انہوں نے نہایت خوشی سے لیا۔ مگر ہماری باری انہوں نے شلوار قمیض بنانے سے معذرت کر دی۔ ہمارے اصرار اور دوستوں کی سفارش کے باوجود وہ نہ مانے۔ ہم تقریباً مایوس ہو چلے تھے کہ ہمیں کاؤنٹر پر کھڑی ہوئی سردار جی کی خوبصورت بیوی جو جین اور شرٹ میں ملبوس تھی ہمارے قریب آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اور اس وقت ہماری خوش گوار حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے سردار صاحب سے مسئلہ پوچھا اور ساتھ ہی کہا کہ چچا کی شلوار قمیض میں بناؤں گی۔ چنانچہ ہم نے دو کی بجائے اکٹھے چھ سوٹ بنانے کا آرڈر دے دیا۔ ایسا کیوں نہ ہوتا۔ درزی منفرد، کپڑا بہترین، سلائی پسندیدہ، اور دام بھی بہت مناسب۔ ہمارے ساتھی دیکھتے ہی رہ گئے۔

اگلے دن جب سردار جی سلے ہوئے کپڑے لے کر ہمیں ہوٹل میں دینے کے لیے تشریف لائے تو ہمیں یقین ہو گیا کہ واقعی بنکاک کے درزی کوئی اور ہی مخلوق ہیں۔ ہمارے یہاں کے درزیوں سے ان کی کوئی رگ نہیں ملتی۔ ہم نے ان کا اور خاص طور پر ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی پتنی کا بہت شکریہ ادا کیا کہ جس کے تعاون کے بغیر بنکاک میں شلوار قمیص کا سوٹ تیار کرانا ممکن نہ تھا۔ اس دوران ہمارے ساتھی میاں واجد نے چلتے چلتے سردار جی سے پوچھا کہ حالات کیسے جا رہے ہیں؟ تو سردار جی فوراً سمجھ گئے کہ پوچھا کیا جا رہا ہے۔ جواب دیا کہ ہمارے پاس سرمائے کی کوئی کمی نہیں ہے اور ہم خرچ کرنا بھی جانتے ہیں۔ ہمارے پاس گھبرو جوان بھی ہیں جو کہ دلیر اور بہادر بھی ہیں اور لڑنا مرنا بھی جانتے ہیں. ہماری امنگیں اونچی اور ہمتیں جوان ہیں مگر کمی صرف ایک بات کی محسوس ہو رہی ہے کہ ہماری کمر تھپکنے والا کوئی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی حوصلہ دینے والا ہے۔ ہم نے اس سلسلہ میں سردار جی سے مدد کا کوئی وعدہ نہ کیا اور نہ ہی اس بات پر کوئی معذرت کی کہ اس ''بے مثالی'' دور میں ہمارا طرز عمل کمر پر تھپکی کی بجائے اس کی الٹی تصویر کیوں پیش کر رہا تھا۔ یہ بات بہرحال اطمینان بخش ہے کہ اس کے باوجود سکھوں کے ساتھ پاکستان کے تعلقات اور ننکانہ صاحب آنا جانا ٹھیک ہی جا رہا ہے۔

بدحواسی

چنانچہ ہم نے حاتم طائی کی فراخ دلی کا سوچا اور سکھوں کی زیادتیوں سے چشم پوشی کرنے کی کوشش کی۔ اس کا سب سے پہلا مظاہرہ بالی کو سکھوں کی تمام زیادتیوں سے بری الذمہ قرار دینا تھا۔ ایسے ہی جذبات کی رو میں بہتے ہوئے ہم نے کوہ نور ہیرے کا نقصان بھی بھلا دیا۔ ابھی ہم بالی کو آئیس کریم کھلانے کی آفر کرنے ہی والے تھے کہ گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر ٹپٹا سے گئے۔ اس وقت اپنے آپ کو خیال ہی خیال میں بالی کے ساتھ گوردوارہ سے ہوٹل جانے کی بجائے ہم نے اپنے آپ کو آگرہ ریلوے سٹیشن کے چھوٹے مندر کی مورتی کے سامنے کھڑے پایا۔ گاڑی کو آہستہ آہستہ حرکت کرتے ہوئے دیکھ کر تو اپنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بدحواسی پر قابو پانا ہی مشکل ہو گیا۔ اصل بات یوں تھی یہ گاڑی کے آنے کا نہیں بلکہ روانہ ہونے کا سگنل تھا۔ جب ہم اپنے خیالات میں گم بالی سے غصہ اور ناراضی کا اظہار کر رہے تھے تو اس دوران پتہ نہیں کب چپکے سے گاڑی آ گئی اور ہمیں اس کے آنے کا احساس تک نہ ہوا۔ اب دہلی روانگی کے لیے گاڑی حرکت میں آ چکی تھی اتنا موقع نہ تھا کہ اپنا کمپارٹمنٹ تلاش کر کے بیٹھا جائے۔ اس لئے جلدی جلدی جو کمپارٹمنٹ سامنے آیا دوڑ کر اس میں سوار ہو گئے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ گاڑی کے تمام کمپارٹمنٹ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح منسلک تھے کہ پوری گاڑی میں گھومنا پھرنا آسان تھا۔ چنانچہ چند اور لوگوں کی طرح ہم بھی اپنی سیٹ تلاش کرنے نکل کھڑے ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم آہستہ آہستہ مقررہ کمپارٹمنٹ تلاش کرتے کرتے اپنی سیٹ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ سیٹ خالی نہ تھی تاہم جب ہم نے وہاں پہنچ کر سیٹ نمبر پڑھنے کی کوشش کی تو ایک صاحب نے خود ہی ایک طرف ہوتے ہوئے ہماری لیے سیٹ خالی کر دی اور ہم شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی سیٹ پر براجمان ہو گئے۔

بونے

ہم اپنی سیٹ پر بیٹھ تو گئے لیکن اس کہاوت کا سوچ کر ہمیں خود ہی ہنسی آ گئی جو لوگوں نے بنا رکھی ہے کہ گورا کوئی کام کرنے سے سو سال پہلے سوچتا ہے، ہندو دس سال پہلے سوچتا ہے، مسلمان وقت کے وقت سوچتا ہے اور سکھ کام کرنے کے بعد سوچتا ہے۔ اب پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اصلی سکھ کون ہے؟ ڈیڑھ دو گھنٹے گاڑی کا انتظار کرنے کے باوجود بھی چلتی گاڑی پر دوڑ کر بیٹھنے کی بدحواسی تو شاید معمولی بات ہو مگر ہمارا ذہن اس کے ساتھ ساتھ کچھ پیچھے چلا گیا۔ سوچا کہ ہم تو پاکستان میں بحیثیت ایک قوم بدعہدیوں، عہد شکنیوں، ناانصافیوں، فتنہ پردازیوں، بدعنوانیوں، خود غرضیوں، خوشامدوں اور مکر مکا کے ساتھ ساتھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بے شمار قسم کی حماقتوں کی گولڈن جوبلی منا چکے ہیں۔ اس دوران ہمیں اپنے حکمران چننے کے مواقع بہت کم ملے اور جب کوئی ایسا موقع ہاتھ آیا بھی تو ہمیں اچھے حکمران چننے کی توفیق نہ ملی اور نہ ہی ہمیں غیروں سے اچھی سودے بازی کرنے کا سلیقہ آیا کہ کاروبار ہی میں ترقی کرتے اور وطن عزیز کو چالیس ارب ڈالر سے زائد رقم کا مقروض تو نہ بناتے۔ اور تو اور ملک تو ہم نے کسی فوج کی مدد کے بغیر صرف عوامی تحریک کے بل بوتے پر حاصل کر لیا۔ اس کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کے لیے ایک زبردست اور بہترین اسلامی فوج بھی قائم کر لی۔ مگر اس کے بعد کیا ہوا اس سے کوئی سبق سیکھنے کو تیار نہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے فوجی حکمرانوں اور نادان، لالچی اور مکر کے ماہر سیاست دانوں نے مل کر عوام ہی کو جمہوریت سے خارج کر دیا۔ یہ بات سوچتے ہوئے ہمیں بیچارے بالی سمیت تمام کے تمام سکھ اپنے مقابلے میں بونے نظر آئے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آگرہ سے متھرا

قیاس

سیٹ پر بیٹھ کر اطمینان کا سانس لیا، حواس مجتمع کیے اور ماحول کا مشاہدہ کرنے کی کوشش کی۔ آمنے سامنے اور دائیں بائیں والی سیٹوں پر بیٹھے ساتھی مسافروں نے ہمارا اور ہم نے ان کا جائزہ لیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کچھ لوگوں نے ہماری بدحواسی کو نظر انداز نہیں کیا۔ بہرحال ہمارے بائیں طرف بیٹھے ہوئے مسافر نے کچھ اپنایت کا اظہار کرتے ہوئے آداب عرض سے خوش آمدید کہا اور ہمارا حال احوال دریافت کیا۔ ہم نے جواباً آداب کہا اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ ابھی ہم یہ سوچ ہی رہے تھے کہ بات چیت کیسے شروع کریں کہ انہوں نے خود ہی بات کو آگے بڑھایا اور کہا کہ میرا قیاس ہے کہ آپ پاکستان سے آئے ہیں؟۔ ہم نے ان کے صحیح اندازے کی داد دینے کے انداز میں جواب دیا کہ آپ کا قیاس بالکل درست ہے۔ اس کے بعد وہ موصوف کہنے لگے کہ آپ کے لباس اور چہرے مہرے سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ آپ پاکستان سے آئے ہیں۔

تعارف

ہمیں ان صاحب کا رویہ کافی دوستانہ لگا اور یہ تھے بھی نوجوان سے۔ اس لیے ہم نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے کہا کہ ذرا تعارف تو ہو جائے۔ وہ بولے کہ میرا نام رام مہندر کمار ہے، اور میں ایم بی اے ہوں۔ آج کل دہلی میں ایک نجی سطح پر قائم بہت بڑی تجارتی کمپنی کا مینجر ہوں۔ ہم نے بھی اپنا تعارف کرادیا اور آگرہ کے سفر کا مدعا بھی بتادیا کہ تاج محل دیکھنے کی آرزو تھی جو آج پوری ہوگئی ہے۔ ساتھ بیٹھے ہوئے دو تین اور مسافروں سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی مختصر تعارف ہوا۔ کونے میں بیٹھے ہوئے ایک بالکل خاموش طبع آدمی نے نہ تو اپنا تعارف کرایا اور نہ ہی ہماری باتوں میں کسی دلچسپی کا اظہار کیا۔ وہ بدستور اخبار پڑھنے میں مصروف رہے۔ البتہ کبھی کبھی کنکھیوں سے ہماری طرف دیکھ لیتے تھے۔ تاہم ہم نے بھی ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی اور بظاہر انہیں نظر انداز ہی کیے رکھا اور دوسرے ساتھی مسافروں کے ساتھ گفتگو آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ باقی کے ساتھی مسافر پڑھے لکھے اور ملازمت پیشہ لگتے تھے اور ان کا شاید کسی پاکستانی کے ساتھ سفر اور بات چیت کا پہلا موقع تھا کیونکہ ان کے گفتگو کے انداز سے کافی گرم جوشی کا اظہار ہو رہا تھا اور قابل تعریف حد تک بہت خوش اخلاقی سے پیش آ رہے تھے۔

دہلی کے ریلوے ریزرویشن میں بکنگ آفس کے ٹکٹ بابو سردار جی نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ آگرہ سے واپسی پر رات ہوگی اس لیے کھڑکی کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھنے کا کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا۔ اس وقت باہر گھپ اندھیرا تھا۔ تاج ایکسپریس اپنی پوری رفتار سے واپس دہلی کی طرف دوڑ رہی تھی۔ ٹرین میں صفائی اور روشنی کا خوب انتظام تھا۔ رات ہونے کے باوجود گرمی کافی تھی۔ ٹرین میں پنکھوں کا انتظام اچھا تھا مگر پھر بھی گرمی کا احساس ہو رہا تھا۔ ہم نے باہر رات کے اندھیرے کو غنیمت جانا کہ اس طرح ساتھی مسافروں سے گفتگو اور گپ شپ کا خوب موقع ملے گا اور آج ہم اس کا بھرپور فائدہ اٹھانے جا رہے تھے۔

فرق

گفتگو کا باقاعدہ آغاز ہمارے سب سے قریبی ہمسائے ایم بی اے صاحب نے کیا اور وہی کچھ پوچھا جو ہم بھی باہر سے آنے والے ہر غیر ملکی سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے ہمارے ہاں آکر کیسا محسوس کیا؟ انہوں نے ساتھ ہی یہ بھی پوچھ لیا کہ ہندوستان آکر آپ نے پاکستان کے مقابلے میں کیا کوئی فرق پایا؟۔ ہم نے جواب دیا کہ آج کے تجربہ سے یہ تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے پاس تاج محل ہے جو کہ ہمارے پاس نہیں بلکہ وہ پوری دنیا میں صرف ایک ہے جس نے اسے نہیں دیکھا وہ انسانی جذبات کی عظمت اور اعلیٰ ترین تعمیراتی شاہکار دیکھنے سے محروم رہا۔ مزید یہ کہ اس وقت ہم جس تاج ایکسپریس ریل سے سفر کر رہے ہیں اس کی سروس پاکستانی گاڑیوں سے بہت بہتر ہے۔ ہمارے ہاں یہ ادارہ بے توجہی کا شکار ہے۔ انہوں نے کچھ فخریہ انداز سے ہماری بات سے اتفاق کیا اور کہا کہ ہم ریلوے کی سروس کو اور بہتر بنا رہے ہیں اور ہماری کوشش ہے کہ یہ جاپان کا مقابلہ کرے۔ انہوں نے مزید پوچھا کہ ہمارا مدعا ہندوستان اور پاکستان کے عام حالات سے تھا۔ ہم نے کہا کہ فی الحال اس سلسلہ میں زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ہمیں ہندوستان آئے ہوئے ابھی زیادہ سے زیادہ ایک ہی ہفتہ ہوا ہوگا۔ ہمارا یہ ہفتہ بھی تقریباً سارے کا سارا سیمی نار کی نذر ہو گیا۔ سارا سارا دن ہال میں بند کارروائی میں مصروف، صرف شام کو دو تین گھنٹے ملتے تھے جن میں دہلی کے منتخب مقامات کی سیر کر لیتے تھے۔ اتنے تھوڑے عرصہ کے مشاہدہ کے بعد اتنے اہم سوال کا تفصیلاً جواب دینا آسان نہیں۔ پھر بھی چند ایک اہم باتیں جو ان دنوں ہمارے مشاہدے میں آئیں وہ عرض کیے دیتے ہیں۔

ہم نے بتانا شروع کیا کہ دہلی اور لاہور کے موسم میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ مگر چونکہ اسلام آباد سے آئے ہیں اس لیے دہلی خاصا گرم لگ رہا ہے۔ دہلی کے بازاروں کی رونق بھی لاہور کے بازاروں سے ملتی جلتی ہے۔ دہلی میں سائیکل رکشا بے انتہا ہیں جب کہ پاکستان میں یہ نایاب ہیں۔ دہلی میں آٹو رکشا لاہور کی نسبت بہت زیادہ ہیں۔ جب کہ لاہور میں کاریں دہلی سے بہت زیادہ ہیں۔ فضائی آلودگی (Air pollution) بھی لاہور میں بہت زیادہ ہے جب کہ دہلی میں بہت ہی زیادہ۔ ادھر پینٹ شرٹ مردوں کا اور ساڑھی عورتوں کا عام لباس ہے، جب کہ ہمارے ہاں مرد و زن سبھی زیادہ تر شلوار قمیض ہی پہنتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔ ادھر بڑے شہروں کے فٹ پاتھ رات کو پوری طرح آباد ہوتے ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے ادھر نہیں۔ آپ کے ہاں سائیکل رکشا عام سواری ہے جب کہ ہمارے ہاں یہ ناپید ہے اور آٹو رکشا عام سواری ہے۔ ادھر مردوں کو جلایا جاتا ہے ادھر ہمارے ہاں مردوں کو دفن کیا جاتا ہے۔ بھارت میں گائے اور بندر مقدس دیوتا ہیں جب کہ ہمارے ہاں گائے کا گوشت کھایا جاتا ہے اور بندر کے ناچ سے بچے خوب لطف اندوز ہوتے ہیں۔ آپ کی پولیس شاید صرف رشوت لیتی ہے جب کہ ہماری پولیس کو دروغ بر گردن راوی کبھی کبھار بے چارے ڈاکوؤں کی راہنمائی کرنے کا ناخوشگوار فریضہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔ آپ کے ہاں دوائیں بہت سستی ہیں جب کہ ہمارے ہاں یہ غریبوں کی پہنچ سے باہر ہوتی جا رہی ہیں اور نیم حکیموں کی چاندی ہو رہی ہے۔ ادھر مندر مسجدوں کو برداشت نہیں کر پا رہے مگر ہمارے ہاں مندر، گرجا گھر اور دوسرے مذاہب کی عبادت گاہیں اور ان کے ماننے والے سبھی امن میں ہیں۔

ہندوستان میں بھی حکومتی اختیارات پر غالباً بیوروکریسی قابض ہے اور ہمارے ہاں بھی یہی طبقہ گوروں کی جگہ پر کیے ہوئے ہے۔ آپ کے ہاں عام تعلیمی تناسب کافی زیادہ ہے خاص کر ہندوؤں میں جب کہ ہندوستانی مسلمانوں میں یہ تناسب کم ہے۔ مگر پاکستان میں خواندگی کا تناسب خاصا کم ہے۔ انصاف، علاج اور تعلیم ہمارے ہاں بہت مہنگی ہے جب کہ آپ کے ہاں قدرے سستی ہے۔ ادھر مارشل لا نہیں آتا لیکن ہمارے ہاں جب جی چاہے آ جاتا ہے اور جب دل بھر جائے واپس چلا جاتا ہے۔ ہندوستانی فلمیں ہمارے ہاں بہت مقبول ہیں جب کہ ہماری فلموں کو ہندوستان میں کوئی نہیں پوچھتا۔ آپ کی میڈم لتا منگیشکر شاید ہندوستان میں اتنی مشہور نہ ہوں گی جتنی کہ ہمارے ہاں ہیں، ہر ویگن، ٹیکسی، بس، ریستوران، بازار، گلی غرضیکہ ہر جگہ میڈم لتا ہی لتا ہے۔ ادھر سڑکوں پر ہر طرف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان ہی ہندوستان نظر آتا ہے اور شاید گھروں میں بھی ہندوستان ہی ہو۔ لیکن ہمارے ہاں نہ تو سڑکوں پر پاکستان ہے اور نہ ہی گھروں میں کہیں پاکستان دکھائی دیتا ہے بلکہ ہر جگہ جاپان، چین، کوریا اور یو۔ ایس۔ اے وغیرہ ہیں۔ ادھر ہندوستان آ کر ہم اپنے آپ کو کافی حد تک اجنبی پا رہے ہیں کیونکہ بازاروں اور سڑکوں وغیرہ میں تمام کے تمام سائن بورڈ اور اطلاعات ہندی زبان میں ہیں جب کہ ہمارے ہاں یہ عام طور پر اردو میں ہیں۔ بہرحال ایک نہایت قابل فخر چیز ہم دونوں میں مشترک ہے اور ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے بڑھ کر اس کے محافظ اور اس کو ترقی دینے کے دعویدار ہیں اور وہ چیز ہے انگریز اور انگریزی کی غلامی جو کہ ہماری اور آپ کی مشترکہ میراث ہے۔ تمام مسافر ساتھی ہماری باتیں بڑے غور سے سن رہے تھے اور ہمارے آخری فقرے پر وہ کچھ مسکرائے بھی اور اثبات میں سر کو ہلکی سی جنبش بھی دی۔ ان کی مسکراہٹ بہت قلیل الوقتی ثابت ہوئی کیونکہ ساتھ ہی ہم نے یہ بھی کہہ دیا ایک سب سے بڑا فرق اور بھی ہے جس سے کہ شاید آپ پورا اتفاق نہ کریں اور وہ ہے مسئلہ کشمیر جس کو ہم یو۔ این۔ او کی قراردادوں کے مطابق حل کرنا چاہتے ہیں اور آپ مان کر نہیں دے رہے۔

ہندوستان اور پاکستان کا اس طرح بے ربط سا موازنہ کرتے کرتے ہمارا گلہ خشک ہو گیا اور بولنے میں کچھ دشواری پیش آنے لگی۔ ہم ذرا سانس لینے کو رکے اور پانی کی بوتل سے ایک گھونٹ پانی کا لیا اور گلے کو تر کرنے کی کوشش کی۔ اس دوران ایم بی اے صاحب کو بولنے کا موقع مل گیا اور وہ گویا ہوئے کہ جناب آپ کا صرف ایک ہفتہ کے مشاہدہ کا یہ حال ہے اور اگر آپ کو ایک آدھ سال ادھر رہنے کا موقع مل جائے تو پتہ نہیں آپ کی یہ تقابلی لسٹ کتنی طوالانی ہو جائے؟

ایک اور صاحب نے ہماری طرف اشارہ کیا اور ہماری نالائقی کو خراج تحسین پیش

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہوئے کہا کہ یہ صاحب اگر دس پندرہ سال اور بھی ہندوستان میں قیام پذیر رہیں تو بھی شاید اس لسٹ میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہ کر سکیں اور ساتھ ہی ہمیں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میری دانست میں آپ کی لسٹ کی کچھ چیزیں یک طرفہ ہیں۔ ہم نے کہا کہ ان باتوں میں ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز آپ کو یک طرفہ محسوس ہو رہی ہو کیونکہ یہ سب کی سب ذاتی مشاہدات اور اخبارات اور ٹی وی کی اطلاعات پر مبنی ہیں۔ اگر کوئی چیز اصلاح طلب ہے تو ہمیں اس بات سے بڑی خوشی ہوگی کہ اس کی تصحیح فرما دی جائے۔

سیاچین

وہ صاحب بڑی دور کی کوڑی لائے کہ دراصل یہ سب کچھ فوج کا کیا دھرا ہے۔ ہندوستان میں بظاہر تو فوج سیاست میں نہیں ہے مگر 18 بیس سیاسی جماعتوں کی مخلوط حکومت بھی تو کوئی مستحکم حکومت نہیں کہلا سکتی، اس لیے لامحالہ ملک میں سب سے زیادہ طاقت ور عنصر فوج ہی ہے۔ اسی طرح پاکستان میں بھی سب سے طاقت ور عنصر فوج ہے۔ دونوں طرف کی یہی فوجی قوت پاکستان اور ہندوستان کے عوام کو آپس میں ملنے نہیں دیتی۔ اس لیے کہ اس سے اس کے مفادات پر ضرب پڑتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے مزید کہا کہ اگر مرتے ہیں تو غریب عوام، سیاسی یا فوجی نیتا تو نہیں مرتے۔ پھر بتانے لگے کہ پچھلے سال ہمارے گاؤں میں سیاچین سے تین لاشیں آئی ہیں اور یہ صرف ایک گاؤں کی بات ہے۔ باقی ملک کا کیا حال ہوگا۔ بتائیے بھلا اس میں کس کا فائدہ ہے!

ہم نے عرض کیا کہ سیاچین کا گلیشیر پاکستان بننے کے بعد سے 40 سال تک بالکل برف کی طرح ٹھنڈا خاموش پڑا تھا۔ پاکستان کا حصہ ہونے کے باوجود ہماری فوج نے ایسا کبھی نہ سوچا کہ وہاں جا کر صدیوں سے منجمد برف پر ٹینکوں سے سکیٹنگ کرے۔ لیکن ہندوستان کی فوج کی مہم جوئی کی داد دینا پڑتی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو ٹھنڈا کرنے کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیے اتنی بلندی پر محاذ چنا جو پوری دنیا کی تاریخ میں ایک ریکارڈ بننے کے قابل ہو گیا۔ ہماری طرف سے تو اب بھی یہ پیشکش ہے کہ ہندوستانی فوج باعزت طریقے سے یہ علاقہ خالی کر دے تو ہم بھی جنگ بندی کا اعلان کر دیں گے۔ اور اگر ہندوستانی سیاستدان اپنی فوج کو نیچے نہیں اترنے دیتے تو سیاچین کی برف تو شاید نہ پگھلے مگر انڈین اکانومی ضرور پگھل جائے گی۔ گو پاکستان ہندوستان سے چھوٹا ملک ہے، اس کے معاشی وسائل بھی کم ہیں اور اس کے پاس فوج بھی ہندوستان جتنی بڑی نہیں ہے مگر پھر بھی مقابلہ جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ہندوستان چاہے۔ ہم نے تو یہاں تک سن رکھا ہے کہ جو روٹی لاہور میں دو روپے میں ملتی ہے وہ سیاچین پہنچتے پہنچتے بیس روپے کی ہو جاتی ہے۔ مگر ہندوستان میں یہی روٹی سیاچن پر پہنچتے پہنچتے 200 روپے کی ہو جاتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستان کی حکومت کب تک غریب عوام کا پیٹ کاٹ کر ہیلی کاپٹر اور بارود خریدتی ہے اور پاکستان کو بھی آگ اور بارود کا کھیل کھیلنے پر مجبور کرتی ہے۔

ہوا کا رخ

ان کے چہروں کے تاثرات سے پتہ چلتا تھا کہ ہماری اس طرح کی کھلی کھلی گفتگو کچھ پسند نہیں کی جا رہی مگر ہماری مجبوری تھی کہ ہم یہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ایک صاحب بولے کہ آپ لوگ یعنی پاکستانی اور ہم لوگ 1947ء سے پہلے اکٹھے رہتے تھے۔ رہن سہن اور بودوباش بھی ایک جیسی تھی۔ ہمارے دکھ سکھ سانجھے تھے۔ پتہ نہیں کہ آپ کے قائداعظم کو اچانک کیا سوجھی کہ ملک کا بٹوارہ کرا کے چھوڑا۔ یہی نہیں انہوں نے مزید کہا کہ ہمارے ہاں تو کئی مرتبہ ہوا کا رخ پہچاننے کے لیے محدود پیمانے پر ووٹنگ ہوئی (Opinion Polls) اور ہر بار 90 فیصد سے زائد ووٹ اس حق میں آئے ہیں کہ ہم پھر سے ایک ہو جائیں اور یہ جبر کی مصنوعی سرحدیں مٹا دیں۔ ہمارے موسمی حالات ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے ہیں، کھانے پینے کے رنگ ڈھنگ ایک سے ہیں، مقامی کلچر بہت حد تک ایک سا ہے، ہماری عادات ایک جیسی ہیں، مسائل ایک ہیں اور پھر قومیتیں بھی بڑی حد تک ملتی جلتی ہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ کیا اس قسم کی کوئی تحریک کبھی پاکستان میں بھی اٹھتی ہے، ہے کوئی ادھر بھی اس طرح کی کوشش کرنے والا؟

خاردار کارنامہ

ہم نے عرض کیا کہ مقامی اخبارات کی اطلاعات کے مطابق ہمارے ہاں بھی ایک مضبوط ہندوستانی لابی موجود ہے۔ ویسے تو جو لوگ 1947ء میں ترک وطن کر کے پاکستان چلے گئے تھے وہ تمام کے تمام اپنی اپنی جنم بھومی کو یاد کرتے ہیں۔ وہ بڑے حسرت بھرے لہجے میں بیتے حسین دنوں کی داستانیں سناتے ہیں اور آخر میں تان اس بات پر آکر ٹوٹتی ہے کہ انہیں صرف اکثریتی آبادی کی تنگ نظری کی وجہ سے اپنا پیارا وطن چھوڑنا پڑا۔ بلکہ وطن مالوف کو یاد رکھنے کے لیے انہوں نے تقسیم کے بعد پاکستان جا کر اپنے گاؤں محلوں اور گلیوں کے نام تک اپنے پرانے گاؤں اور محلوں کے نام پر رکھے۔ مگر اس سب کے باوجود وہ لوگ کبھی بھی سرحدیں مٹانے کی بات نہیں کرتے۔ لیکن ملک میں اور لابیاں ضرور موجود ہیں جو یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دے رہی ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے جھوٹے سچے بیانات اور راگ رنگیلی مخلوط تقریبات سے متاثر ہو کر کچھ لوگ جب ان کی طرف متوجہ ہونا شروع ہوتے ہیں اور ان کی کوششیں کچھ رنگ لانے کی پوزیشن میں آتی محسوس ہوتی ہیں تو آپ لوگ بابری مسجد کی شہادت جیسا کوئی نہ کوئی چبھتا ہوا خاردار کارنامہ سرانجام دے ڈالتے ہیں۔ اگر کبھی ایسا موقع نہ بھی ملے تو کم از کم ہندو مسلم فسادات ہی شروع کرا دیتے ہیں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کشمیر میں مظالم کی انتہا کر دیتے ہیں، گھروں کو آگ لگا کر جلا ڈالنا اور بیچاری معصوم کشمیری خواتین کی اجتماعی آبروریزی آپ کی کشمیر میں متعین فوج کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روزمرہ کے من پسند مشغلے ہیں۔اسی طرح اگر کسی وقت بالکل کوئی بھی بہانہ نہ ملے تو انتہا پسند سیاستدانوں کی طرف سے پاکستان کی کرکٹ ٹیم کے خلاف بیان بازی تو کہیں نہیں گئی۔ چنانچہ آپ لوگوں کے اس طرح کے اقدامات اور بیانات کی وجہ سے پاکستانی عوام ایسی لابیوں کے پروپیگنڈہ سے متنفر ہو جاتے ہیں اور مظاہروں پر اتر آتے ہیں، اس طرح تعلقات والا کھاتا واپس زیرو پوئنٹ پر آجاتا ہے۔ایسے حالات میں کچھ ایسا احساس ابھرتا ہے کہ جیسے پاکستان ابھی تک اپنی تکمیل کے مراحل سے گزر رہا ہو۔

ہماری ان کچھ کچھ چبھتی ہوئی باتوں پر وہ صاحب اور دوسرے مسافر بہت چیں بچیں ہوئے اور کہنے لگے کہ بھگوان جانتا ہے ہمارے عوام کا اس میں رتی بھر قصور نہیں ہے۔ یہ سب کیا دھرا صرف خود غرض سیاسی نیتاؤں کا ہے۔ وہ نفرت کی یہ دیواریں خود ہی نہیں توڑنا چاہتے۔ہم نے جواب دیا کہ بات اتنی سادہ بھی نہیں ہے جتنی کہ آپ لوگوں کا خیال ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سیاسی نیتا اقتدار کے حریص اور خود غرض ہوں مگر بیوقوف نہیں۔ وہ بڑے دوراندیش ہیں۔عوام میں مقبول رہنے کے لیے وہی زبان بولتے ہیں جو عوام سننا چاہتے ہیں۔ ہر اس کام سے بچنا ان کی مجبوری ہے جس کے کرنے سے ان کی مقبولیت کا گراف نیچے گرنے کا شائبہ ہو۔اور یہ بات تو ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ہندو جاتی بھی ووٹ صرف اسی نیتا کو زیادہ دیتی ہے جو پاکستان کے خلاف بڑھ چڑھ کر زیادہ بولے خصوصاً حکومت پاکستان کے خوب لتے لے۔

وہ بولے کہ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ ہوتا کچھ اس طرح سے ہے کہ پہلے یہ لیڈر صاحبان بذات خود پاکستان پر طرح طرح کے جھوٹے سچے الزامات لگا لگا کر سادہ لوح عوام کو پاکستان کے خلاف بھڑکاتے ہیں اور بعد میں اسی نفرت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسمبلیوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ پھر اپنی پوزیشن قائم رکھنے کے لیے انہیں اپنی اس روش پر قائم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہنا پڑتا ہے۔ ورنہ درحقیقت عام شہروں اور دیہاتوں میں لوگ صرف پاکستانی فوج کے خلاف ہیں حکومت کے نہیں۔

ہم نے پھر اس بات پر زور دے کر کہا کہ آپ کی بات ہندوستان کی حد تک سو فیصد صحیح ہو سکتی ہے مگر پاکستان میں لوگ حکومت کے خلاف ضرور ہو جاتے ہیں مگر فوج کے نہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر یہ اسلامی فوج نہ ہوتی تو خدانا خواستہ 1965ء میں نقشہ بدل چکا ہوتا۔ اچانک ایک اور صاحب بولے کہ ہمارے عوام بے چاروں کو تو یہ تک پتہ نہیں ہے کہ کشمیر کا اصل مسئلہ کیا ہے۔ انہیں تو بس یہ بتایا گیا ہے کہ پاکستان نے ہندوستان کے علاقے پر زبردستی قبضہ کر رکھا ہے اور ہندوستان کی حکومت اور فوج اسے واپس حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ہم نے کہا کہ آپ کے عوام کو یہ بتایا جانا چاہیے کہ جب دو حکومتوں کے درمیان باہمی طور پر کوئی معاہدہ طے پا جاتا ہے تو دونوں حکومتوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اسے ایمانداری سے نبھائیں بھی۔ مگر ہندوستان میں یہ نہیں ہو رہا۔ ہندوستان نے پاکستان کے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا کہ کشمیر میں جلد ہی استصواب رائے کرایا جائے گا اور کشمیریوں کو ان کا حق دیا جائے گا۔ یہ وعدہ ہندوستان نے یو این او UNO کے بین الاقوامی فورم میں پوری عالمی برادری کے روبرو کیا تھا مگر اب پچاس سال سے بھی زائد عرصہ گزر چکا ہے اور یہ وعدہ ہے کہ وفا ہونے کو نہیں آ رہا۔ بلکہ ظلم تو یہ ہے کہ نہتے اور پر امن کشمیریوں پر سات لاکھ سے بھی زائد فوج کا پہرا بٹھا رکھا ہے جو وہاں طرح طرح کے غیر انسانی مظالم روا رکھے ہوئے ہے۔

غلطی

ایک اور صاحب جو اب تک ہماری گفتگو نہایت خاموشی سے سن رہے تھے بولے کہ یہ سب ہمیں اس لیے کرنا پڑ رہا ہے کہ ہم باقی بچے کھچے ہندوستان کو متحد رکھنا چاہتے ہیں۔ ابھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تک تو ہمارا پاکستان کی علیحدگی کا زخم بھی نہیں بھرا اور ہم اپنی دھرتی کے مزید ٹکڑے ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے۔ ہم نے عرض کیا کہ ہمیں تو خود ایک چھوٹا سا ٹکڑا لے کر علیحدہ ہونے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ آپ کے بڑوں نے دو غلطیاں ایسی کی ہیں جن میں سے ایک تو پوری ہو چکی جب کہ دوسری اپنے انجام کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ایک صاحب نے جلدی سے پوچھا بتائیے وہ کون کون سی؟ ہم نے بتایا کہ پہلی غلطی کے روح رواں مہاتما گاندھی تھے وہ یوں کہ حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ ہندو مسلم اتحاد کے بہت بڑے حامی تھے اور اسی لیے انہوں نے کانگرس میں شمولیت اختیار کی۔ مگر یہ ان نیتاؤں کی کوتاہ نظری تھی کہ انہوں نے قائداعظمؒ جیسے ہر دلعزیز، بااصول راہنما اور قانون دان کو کانگرس چھوڑ کر پاکستان بنانے پر مجبور کیا۔ گاندھی جی باقی نیتاؤں کو ''ہندوستانی نیتا'' کہتے تھے مگر قائداعظمؒ کو ''محمڈن'' کہہ کر اقلیتی ہونے کا احساس دلاتے تھے۔ ہمارا اندازہ ہے کہ مسلم لیگ کو اس وقت اگر قائداعظمؒ جیسا لیڈر نہ ملتا تو شاید پاکستان اب تک علامہ اقبال کا خواب ہی رہتا۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے ہم نے کہا کہ دوسری غلطی پنڈت نہرو جی کے حصے میں آئی۔ اور وہ پہلی سے بھی بڑی تھی۔ وہ یوں کہ انہوں نے معاہدے کے مطابق ملک کی تقسیم نہ ہونے دی اور کشمیر کو اس کے حق سے محروم رکھا۔ اب حالات اس حد تک آگے بڑھ چکے ہیں کہ ہندوستان کے لیے کشمیر پر جبراً قبضہ رکھنا یا معاہدے کے مطابق چھوڑنا دونوں ہی بہت مشکل ہیں۔ 1947ء میں تو صرف کشمیر کی بات تھی مگر اب سنا ہے کچھ اور علاقے بھی کشمیریوں جیسی ہی زبان استعمال کرنے کی کوشش میں ہیں۔ اب ہندوستان کی بچت اسی میں ہے کہ حکومت اپنے عوام کو صاف صاف بتادے کہ کشمیر میں استصواب ایک بین الاقوامی معاہدہ تھا اور ہم اسے پورا کرنے جا رہے ہیں۔ ہم نے بات کو مزید بڑھاتے ہوئے کہا کہ ہمارے ہاں تو کچھ لوگ کشمیر کے تناظر میں ایسے بھی سوچتے ہیں کہ چلو اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بہانے ہم نے 1971ء والے نوے ہزار جنگی قیدیوں کا بدلہ لے لیا ہے۔ انہی صاحب نے پوچھا وہ کیسے؟ ہم نے کہا کہ آپ کی سات لاکھ سے زائد فوج کو چند ایک کشمیری مجاہدین نے قیدی نہیں بنا رکھا تو اور کیا ہے؟ دراصل فوج کا زیادہ عرصہ جنگی حالت میں رہنا نہ صرف جنگی نقطہ نظر سے بلکہ اقتصادی حیثیت سے بھی انتہائی خطرناک ہوا کرتا ہے۔ اس سے انہوں نے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ یہ بھی فوج کے فرائض میں شامل ہے۔

ہم نے اپنی بات جاری رکھی اور کہا کہ بفرض محال اگر آپ کا نقطہ نظر صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی کشمیر میں سات لاکھ فوج کا رکھنا ایک المیہ اور ظلم کبیر ہے اور ظلم و جبر زیادہ دیر نہیں چل سکتا۔ اس لیے کہ ایک نہ ایک دن ظلم نے اپنے انجام کو پہنچنا ہی ہوتا ہے۔ کشمیریوں نے بہت عرصہ انتظار کیا اور جب وہ پاکستان اور ہندوستان کے کسی تصفیہ تک پہنچنے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے خود ہی آزادی کی تحریک شروع کر دی۔ اب آزادئ کشمیر کی یہ جدوجہد پوری طرح کشمیریوں کے ہاتھ میں ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ تحریک انہی کے ہاتھوں اپنے منطقی انجام کو پہنچے گی (ان شاء اللہ) اور ہندوستان کو بہت جلد کشمیریوں کا حق آزادی ان کو دینا پڑے گا۔

زرعی پیداوار اور بھوک

www.kitabosunnat.com

ہم نے موضوع بدلتے ہوئے سب سے اہم مسئلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا کہ آپ کے ہاں زرعی پیداوار بہت بہتر ہونے کے باوجود غربت بھوک اور افلاس اتنی ارزاں اور آوارہ کیوں ہے۔ ایم بی اے صاحب بولے کہ ہمارے ہاں گندم اور خوراک تو بہت پیدا ہوتی ہے بعض اوقات گوداموں اور سٹوروں میں پڑی پڑی گلتی سڑتی رہتی ہے۔ مگر عوام تک صحیح طرح نہیں پہنچ پاتی۔ ہم نے پوچھا کہ اس کی اصل وجہ کیا ہے؟ ان صاحب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے اس کا بہت اچھا جواب دیا۔ کہنے لگے کہ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ گندم اور خوراک کی پیداوار پر اخراجات اٹھتے ہیں کیونکہ پیداواری عوامل بہت مہنگے ہیں۔ زمینداروں کے لیے بجلی اگرچہ مفت ہے تاہم اس کی پیداوار پر حکومت کا خرچہ تو آتا ہے۔ اب حکومت تمام غریبوں کو خوراک مفت تو تقسیم نہیں کر سکتی؛ زیادہ سے زیادہ وہ یہ کر سکتی ہے کہ گندم کچھ سستی کر دے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ حکومت گندم جتنی بھی سستی کر دے عوام کی بڑی اکثریت غربت کی لائن سے اتنا نیچے ہے کہ اسے خریدنے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

ہم نے دوبارہ پوچھا کہ اس بہت غریب عوامی اکثریت کے لیے حکومت کیا کر رہی ہے؟ ایک دل جلے نے کہا کہ دفاع کو مضبوط کر رہی ہے اور اپنی فوج کو بڑھا رہی ہے۔ ایک اور صاحب نے بڑے پتے کی بات کی کہ ہمارا پورا معاشرہ ایک قسم کے طبقاتی نظام میں جکڑا ہوا ہے اور یہ طبقاتی کشمکش بڑھتی ہوئی مادیت پسندی کی وجہ سے اپنے عروج پر ہے۔ ہوس زر اور رشوت عام ہے۔ دور رس منصوبہ بندی سے ہٹ کر اب زیادہ تر شارٹ کٹس کی بات کی جاتی ہے۔ اور شاید اسی وجہ سے عوام کی بہتری کے لیے کی جانے والی تمام کوششیں کسی نہ کسی مرحلے پر پہنچ کر ناکام ہو جاتی ہیں۔ بہر حال یہ بات باعث اطمینان ہے کہ ملک میں ایک طبقہ ایسا بھی موجود ہے جو کافی منظم ہے اور اپنے حقوق کے حصول کے لیے کوشاں بھی ہے اور یہ طبقہ ہمارے زمینداروں کا ہے۔ ہم نے ان کی اس بات سے اتفاق کیا کیونکہ ہم ڈاکٹر وندانہ شیوا کا ایک لیکچر سن چکے تھے اور اخبارات سے اس بات کا بھی پتہ چلا تھا کہ کچھ عرصہ پہلے لاکھوں چھوٹے زمینداروں نے اپنے چھکڑوں، گدھا گاڑیوں اور ٹریکٹروں کے ساتھ دہلی کا گھیراؤ کر لیا تھا اور حکومت کو ان کے مطالبات ماننے پڑے تھے۔ ہمارے خیال میں اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں حکومت نے زمین کی حد ملکیت بارہ سے چودہ ایکڑ کر رکھی ہے نتیجۃً وہاں کوئی بڑا جاگیردار نہیں ہے اسی لیے زمیندار طبقہ فعال اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاندار ہے۔ ہمارے ہاں تو جاگیردار وڈیرے کی مرضی کے خلاف چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی۔ غربت کے مارے زرعی مزارعوں اور مزدوروں کا منظم ہونا خام خیالی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اسی دوران ہمیں ایسے لگا جیسے گاڑی آہستہ ہو رہی ہو اور تھوڑی ہی دیر میں گاڑی ہولے سے رک گئی۔ اندازے کے مطابق یہ متھرا ہی کا ریلوے اسٹیشن تھا۔ دراصل اس وقت ہمیں بڑی شدت سے صبح والی چائے یاد آ رہی تھی۔ دروازے کی طرف نظر دوڑائی اور چائے والے کو گاڑی کے کمپارٹمنٹ میں داخل ہوتے دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی اور ہم نے دل ہی دل میں کہا کہ آ جا تینوں اکھیاں اڈیک دیاں۔ ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنی طرف بلایا۔ وہ گرم گرم چائے کا ساوار اور وہی متھراوی کپ لیے ہمارے پاس آ گیا۔ ہم نے اپنے ہمسایوں سے چائے کا پوچھا۔ سب نے شکریے کے ساتھ انکار کر دیا۔ چنانچہ ہم نے اس سے ایک کپ چائے کا لیا۔ کپ صبح ہی کی طرح نفیس مٹی کا بنا ہوا تھا اور اس میں سے مٹی اور چائے کی ملی جلی خوشبو بھی آ رہی تھی۔ ہمارے بعد کونے میں بیٹھے ہوئے صاحب نے بھی چائے لی۔ گرم گرم مزے دار چائے کی چسکی کے ساتھ ہی ہم نے اپنے گلے میں کافی بہتری محسوس کی۔ ہماری طرح پلیٹ فارم پر بھی چائے کے سٹال تھے مگر ان پر چائے پینے والوں کا رش ہمارے ہاں سے کافی کم تھا۔ اسی لیے شاید ہمارا چائے کا امپورٹ بل بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

متھرا سے دہلی

گاڑی متھرا کے سٹیشن پر تھوڑی سی دیر رکی اور پھر چل پڑی۔ اب کے اس کی منزل دہلی تھی۔ سفری ساتھیوں سے بات چیت ابھی جاری تھی۔ گرم چائے کی چسکی کے ساتھ ساتھ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے ہم نے مزید کہا کہ بڑوں سے یہ سن رکھا تھا کہ ہندو حساب میں بہت تیز ہوتے ہیں اور اب کمپیوٹر میں سبقت لے جانے کی وجہ سے ہمارا خدشہ تھا کہ ان کا حساب اب اور تکڑا ہو گیا ہوگا۔ مگر ہمارا خیال غلط ثابت ہو رہا ہے اور لگتا ہے کہ آپ کا حساب بے حساب نہیں ہوا۔ ایم بی اے صاحب بولے کہ آپ کی یہ بات صحیح نہیں ہے۔ ہم واقعی حساب کتاب میں بہت تیز ہیں، ویسے بائی داوے (By the way) آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا حساب بے حساب نہیں ہوا؟

کشمیر کے بدلے پورا پاکستان

ہم نے جواب دیا کہ ہمارا مشاہدہ بالکل درست ہے اگر آپ کے نیتا اور سیاستدان سوشلزم کے دعوے دار نہ بنتے اور اٹوٹ انگ کی گردان چھوڑ کر حساب کتاب لگا کر سوچتے تو ایک کشمیر دے کر پورا پاکستان خرید لیتے۔ ہماری اس بات پر کونے میں خاموش بیٹھے صاحب نے بھی چونک کر ہماری طرف دیکھا، تاہم انہوں نے اپنا اخبار بینی کا تاثر قائم رکھا۔ دوسرے صاحب نے دلچسپی سے پوچھا کہ ہم ہیں پاکستان کے خریدار اب آپ بتائیں کیا قیمت ہے پاکستان کی اور یہ کیسے ممکن ہے؟ ہم نے کہا کہ یہ ممکن ہی نہیں بلکہ یہ بہت آسان ہے اور قیمت بھی بہت مناسب۔ معاملہ صرف سیدھی سمت پہلا قدم اٹھانے کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اگر ہندوستان کشمیر میں محصور اپنی سات لاکھ فوج واپس بلا لے، وہاں یو این او کی قرارداد کے مطابق منصفانہ استصواب رائے ہو جائے اور ہندوستان اور پاکستان دونوں کشمیریوں کا فیصلہ مان لیں۔ ابھی بات ادھوری ہی تھی کہ وہ صاحب درمیان ہی میں بول پڑے کہ اس طرح تو ہم کشمیر بھی کھو بیٹھیں گے اور اس کے علیحدگی پسندانہ اثرات ملک کے کچھ باقی حصوں پر بھی پڑنے کا امکان ہے۔ ہم نے کہا کہ یہ صرف آپ کا وہم ہے ورنہ عوام کو بتایا جا سکتا ہے کہ یہ ہندوستان کی بین الاقوامی ذمہ داری ہے کہ کیے گئے وعدوں کو نبھایا جائے۔ آپ عوام کو حقائق بتانے کی ہمت تو کریں کہ اپنا وعدہ پورا نہ کر کے ہندوستان دنیا میں بدنام ہو رہا ہے۔ مسئلہ صرف عوام کو اعتماد میں لینے کا ہے ورنہ چھوٹے موٹے گرداب کہاں نہیں ہوتے؟ ہر ملک میں کچھ عناصر ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی بقا ہی علاقائی، لسانی اور مذہبی جھگڑوں کے پیدا کرنے میں ہوتی ہے۔ ویسے اگر ان علاقوں میں بے اطمینانی زیادہ ہے تو مرکزی حکومت کے لیے سوچنے کا مقام ہے کہ اس کی کیا وجوہات ہیں؟ کیونکہ جب تک کسی طبقہ کے ساتھ صریح بے انصافی نہ ہو اور اس کے جائز حقوق پامال نہ کیے جا رہے ہوں اس وقت تک امن وامان کی فضا زیادہ خراب نہیں ہوتی۔

وہ صاحب پھر گویا ہوئے کہ آپ نے وہ پاکستان خریدنے والی کیا بات کی تھی؟ ہم نے کہا کہ یہی تو کام آپ کے کرنے کا ہے جو نہایت منافع بخش ہے اور ہے بھی بہت آسان۔ اور اگر آپ اس پر عمل کر سکیں تو یہ پاکستان تک محدود نہیں رہنے کا بلکہ یہ ارد گرد کے تمام ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اس طرح نیپال، بھوٹان، سری لنکا، افغانستان، اور اس سے آگے روس کے نو آزاد ممالک غرضیکہ ایک دنیا کی دنیا ہے جو اس انتظار میں ہے کہ ہندوستان اسے ''فتح'' کرے پیار اور محبت سے اقتصادی اور معاشی طور پر نہ کہ توپوں، ٹینکوں اور راکٹوں سے۔ اس وقت اس علاقے کا صنعتی بادشاہ چین بنتا جا رہا ہے اور اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ ساتھ اس کے اپنے ہمسایوں کے ساتھ تعلقات بھی نہایت دوستانہ ہیں سوائے ایک کے۔ چین اس طرح دوستانہ پالیسی کی بنا پر اپنی صنعتی مارکیٹ کو بے مثال تیزی کے ساتھ وسعت دے رہا ہے۔ اور اگر ہندوستان کی یہی جنگجویانہ پالیسی برقرار رہی تو ہمیں یہ شک ہے کہ ہندوستان کی رہی سہی ساکھ بھی ختم ہو جائے گی اور خود ہندوستان کی مارکیٹ چین کے قبضہ میں ہوگی۔ لیکن اب بھی ہندوستان کے لیے موقع ہے کہ وہ اپنی سیاسی پالیسی بدلے اور حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے ہمارے فارمولے پر عمل کرے اور پھر دیکھے کامیابی کس طرح اس کے قدم چومتی ہے۔

ہم نے ساتھیوں کو بتایا کہ اس وقت بھی پاکستان بہت ساری اشیاء ہندوستان سے درآمد کرتا ہے جن کی تعداد ہزاروں میں ہے مثلاً پان اور چھالیہ کے ساتھ ساتھ گرم مصالحے، دیسی دوائیں، پنساری نسخہ جات، کیمیکلز، مختلف فصلوں کے بیج اور چینی وغیرہ۔ ان کی درآمد پر بہت سارا زرمبادلہ بھی خرچ آتا ہے مگر آپ حیران ہوں گے کہ ان اشیاء پر صرف کیا جانے والا زرمبادلہ اس رقم کا عشر عشیر بھی نہیں جو ہم دوسرے ممالک مثلاً چین، جاپان، امریکہ اور یورپ وغیرہ کو ادا کرتے ہیں۔ ہم نے ذرا زور دے کر کہا کہ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جو اگر عام قسم کے ہتھیاروں پر خرچ کرنا چھوڑ دے کیونکہ اس سے اچھے ہتھیار تو ہمارے ہاں پشاور کے باڑے میں بنتے ہیں اور ان کی بجائے دوسری انڈسٹری کی طرف توجہ کرے تو جاپان اور امریکہ کو پیچھے چھوڑ سکتا ہے۔ ہندوستان میں سڑکوں پر ہندوستان ہے گاڑی بڑی ہو یا چھوٹی، سب ساختہ ہندوستان ہے۔ مارکیٹ کے عوامی جائزے سے عیاں ہوتا ہے کہ ہندوستانی گھروں میں بھی ہندوستان ہی ہوگا۔ یعنی فرنیچر برتن، سامان بجلی سب ساختہ ہند ہی زیر استعمال ہو رہا ہوگا۔ مگر پاکستان میں سڑکوں پر پاکستان ہے اور نہ ہی گھروں میں۔ دونوں جگہوں پر جاپان، چین اور کوریا وغیرہ کا قبضہ ہے اور اس میں کہیں کہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امریکہ اور یورپ بھی پایا جاتا ہے۔

مٹی کے متھراوی کپ میں گرم اور مزے دار چائے کی چسکیوں کے ساتھ ساتھ ہم نے اپنی بات بھی جاری رکھی اور کہا کہ اگر کشمیر کا مسئلہ حل ہو جائے تو ہندوستان کی برآمدات آناً فاناً اتنی بڑھ جائیں گی کہ پورا کرنا محال ہوگا۔ ہمارے بڑے بزرگ لوگ تو ہندوستانی اشیاء کے دلدادہ ہیں۔ ایک دفعہ وہ 1947ء سے پہلے کی باتیں شروع کر دیں تو ختم ہونے میں نہیں آتیں۔ اپنے زمانے کی چیزوں کی اب تک تعریفیں کرتے نہیں تھکتے۔ مگر ہندوستانی سیاستدانوں اور معاشی ماہرین کو یہ اندازہ نہیں ہے کہ پاکستان اب تک ان دوسرے ممالک سے کتنے کھرب ڈالر کی چیزیں منگوا چکا ہے۔ پاکستان اگر اپنی ضرورت کی آٹو موبائل ہی جاپان کی بجائے ہندوستان سے درآمد کرتا تو ہندوستان کی یہ انڈسٹری اب جاپان کا مقابلہ کر رہی ہوتی۔ پر امن حالات میں پاکستان کی تمام تجارت پر ہندوستان بآسانی قبضہ کر سکتا ہے۔ ہماری اس بات سے انہوں نے کچھ کچھ اتفاق کیا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ہمارے نیتاؤں کی عقل میں یہ بات کبھی نہیں آئے گی۔ اس وقت آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تقریباً سبھی لوگ ہمارے شریک گفتگو تھے سوائے کونے میں بیٹھے پراسرار شخص کے، تاہم لگتا تھا کہ اس کے کان بھی ادھر ہی لگے ہیں صرف آنکھیں اخبار پر ہیں۔

سب سے بڑی جمہوریت

ایم بی اے صاحب نے ایک اور نکتہ اٹھایا کہ انڈیا اس وقت دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے۔ پچاس سال سے زائد عرصہ ہوا ہم نے جمہوریت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ یہ عوام میں اپنی جڑیں مضبوط کر چکی ہے۔ ہماری فوج بھی جمہوریت کا ایک ستون ہے وہ پاکستانی فوج کی طرح جب جی چاہے اپنے ملک کو فتح کرنے نہیں نکل کھڑی ہوتی۔ یہ جمہوریت ہی کا کمال ہے کہ انڈیا اس وقت دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے اور ہم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس ترقی کی رفتار کو اور تیز کرنے کی فکر میں ہیں۔ ہم نے انہیں بتانے کی کوشش کی کہ ہماری فوج کا اس میں کوئی قصور نہیں بلکہ یہ ہمارے سیاستدانوں کی نااہلی، ہوس اقتدار اور ہوس زر کی سزا ہے جو جمہوریت، عوام اور فوج کو بھگتنا پڑتی ہے۔ سیاستدان اگر ملکی سیاست میں ہاکی اور فٹ بال کی طرح چھینٹا جھپٹی نہ کریں بلکہ کرکٹ کی طرح کھیلیں تو فوج کو دخل اندازی کا موقعہ نہ ملے۔ رہی ہندوستان کی دن دگنی اور رات چوگنی ترقی والی بات تو یہ تو دل کو نہیں بھاتی اور نہ ہی ہمیں اس کے آثار کہیں نظر آ رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیوں آپ کو ترقی کے آثار نظر نہیں آ رہے؟ ہم نے آہستہ سے جواب دیا کہ تیز رفتار زرعی اور صنعتی ترقی کے لیے سیاسی استحکام اور امن وامان بہت ضروری ہے۔ ایسا امن جس میں قوم کے نوجوان خصوصی طور پر ایسے نوجوان جن میں لیڈرشپ کی صلاحیتیں ہوں وہ فوج میں بھرتی ہو کر سیاچین کے برفانی تودوں میں منجمد نہ ہو جائیں بلکہ صنعتی میدان میں نئی ٹیکنالوجی کے ساتھ مسلح ہو کر سرگرم عمل ہوں۔

ہم نے مزید کہا کہ ہمارے خیال میں ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس نے بلا جواز بیک وقت ایک سے زیادہ جنگی محاذ کھول رکھے ہیں اور اپنے انتہائی قیمتی وسائل ایسے محاذوں میں جھونک رہا ہے جہاں کامیابی کے امکانات نہایت کم ہیں۔ ہم نے زور دے کر کہا کہ جو بنیادی تعمیراتی ترقی ہندوستان میں ہونا تھی وہ نہرو اور اندرا گاندھی کے دور تک ہو گئی۔ اب ایسا ہونا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ سیاسی استحکام کی بات آپ بھول جائیں کیونکہ جمہوریت میں رواداری کی بجائے ہندوستان میں نفرتوں اور متعصب گروہی سیاست نے زیادہ ترقی کی ہے۔ بھلا اٹھارہ بیس سیاسی جماعتوں اور متشدد گروہوں کے ملغوبے کی حکومت کو آپ امن اور سیاسی استحکام کہہ سکتے ہیں؟ اب یہ کسی سیاسی حکومت کے بس کی بات نہیں رہی کہ لمبی مدت کی پالیسیاں مرتب کرے اور ان پر عمل پیرا بھی ہو۔ اب تو بڑی بڑی پارٹیاں اپنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حکومت بنانے کی خاطر چھوٹے متعصب بال ٹھاکرے کی طرح کے گروپوں کی غلام ہیں۔ جس کی وجہ سے زیادہ تر مالی وسائل ایسے گروپوں کی خوشنودی کی خاطر محدود مدتی منصوبوں کی نذر ہو جاتے ہیں اور لمبے عرصے کی منصوبہ بندی فائلوں میں ہی بند پڑی رہتی ہے۔

ہماری اس بات سے انہوں نے بادل ناخواستہ اتفاق کیا اور مزید بتایا کہ اب ہندوستانی مسلمانوں میں بھی سیاسی شعور بڑی تیزی سے ابھر رہا ہے۔ بہت سے مقامات پر مسلمان اپنی پسند کی پارٹی کو کامیاب کرانے کے معاملہ میں فیصلہ کن حیثیت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ ہم نے مشورہ دیا کہ اس کا ایک ہی حل ہے کہ آبادی کے تناسب سے جداگانہ انتخابات کرائے جائیں۔ ہماری اس تجویز سے انہوں نے اتفاق نہ کیا اور کہا انڈیا ایک سیکولر ملک ہے اس لیے ایسا کرنا ممکن نہیں۔ ہم نے پوچھا کہ یہ کیسا سیکولرزم ہے؟ اور وشوا ہندو پریشد جیسی متعصب پارٹیاں آئے دن کس سیکولرزم کا مظاہرہ برسر عام کرتی رہتی ہیں؟ ہم نے یہ بھی باور کروانے کی کوشش کی کہ آپ کے بقول انڈیا جمہوریت کا علمبردار ہے اور جمہوریت کی وجہ سے اب تک قائم ہے۔ مگر یہ بھی تو بتائیے کہ یہ کس قسم کی جمہوریت ہے جو کشمیر میں فوجی ٹینکوں اور بندوقوں کی مدد سے نافذ کی جاتی ہے۔ اس کی ہمیں سمجھ نہیں آتی جب کہ اس معاملہ میں بین الاقوامی عہد و پیمان بھی موجود ہے۔ ایک اور صاحب گویا ہوئے کہ ہم تو امن چاہتے ہیں مگر پاکستان نہیں چاہتا۔ اگر پاکستان کشمیر میں مجاہدین بھیجنا بند کر دے تو وہاں بھی امن ہو سکتا ہے۔

ہم نے بتایا کہ مجاہدین کو حکومت پاکستان نہیں بھیج رہی۔ بلکہ مجاہد بننا اب ایک کلچر ہو چلا ہے۔ فلسطین میں فلسطینیوں کی طرح کشمیر میں بھی سب کشمیری بچے ہی مجاہدین کی شکل میں نظر آ رہے ہیں۔ اس مجاہد کلچر کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ پہلے روس نے افغانستان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر چڑھائی کر دی اور پندرہ سے بیس لاکھ افغانوں کی شہادت کا باعث بنا، پھر یوگوسلاویہ نے یورپین ممالک کی مدد سے بوسنیا میں مسلمانوں کی نسل کشی کا بیڑا اٹھایا اور اپنے تعلیم یافتہ، متمدن اور روشن خیال ہونے کا پورا پورا ثبوت بے شمار اجتماعی قبروں کی شکل میں دیا۔ اسرائیل کے اکسانے پر ہندوستان نے بھی اس معاملہ میں پیچھے رہنا گوارا نہ کیا اور خوبصورت گلابوں، طرح طرح کے پھولوں اور پھلوں کی نازک سرزمین کشمیر میں سات لاکھ سے زائد فوج اتار دی۔ اور اس طرح یہ ظالمانہ اور غاصبانہ حملہ آور قوتیں عالم اسلام میں مجاہدین کے شوق شہادت کی بیداری کا سبب بنیں۔

حکومتی سطح پر شاید صرف افغانستان میں مجاہدین کی امداد کی گئی جس کے نتیجے میں روس جیسی جابر اور ظالم سلطنت تباہی و بربادی کا شکار ہوئی۔ روس کے اس انجام سے کئی مسلمان حکومتوں کو آزادی بھی ملی مگر اس سے امریکہ کی بن آئی اور اب وہ پوری دنیا پر اپنا نیو ورلڈ آرڈر نافذ کر کے تمام معاشی وسائل اور اقتصادیات اپنے قبضے میں کرنا چاہتا ہے۔ کیمونزم کی شکست کے بعد سے تو جہاد ایک کلچر کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ جن کشمیری نوجوانوں کو نوعمری ہی میں کچھ کر گزرنے کی تمنا ہوتی ہے وہ اپنا شوق شہادت دل میں بسائے جہاد کے راستے پر چل نکلتے ہیں اور دشمن سے جا ٹکراتے ہیں۔ جیسے جیسے ہندوستان کی فوج بڑھ چڑھ کر ظلم کرتی ہے یہ ردعمل بھی اسی تناسب سے بڑھ رہا ہے۔ کشمیر کے معاملے میں پاکستانی عوام یہ کہتے ہیں کہ پاکستانی فوج تو حکومت کے بین الاقوامی معاہدوں کی پابند ہے مگر حکومتی کوششیں اور مذاکرات نشستند و گفتند و برخاستند سے آگے نہیں بڑھ پا رہے۔ تاہم نجی سطح پر چند جہادی تنظیمیں (NGOs) ہیں جو امداد وغیرہ جمع کرتی ہیں۔

اگروادی

ایک صاحب کا خیال تھا کہ اگر پاکستان کشمیر سے اگروادیوں کو نکال لے تو ہم بھی اپنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فوج نکال لیں گے۔ ہم نے کہا کہ پاکستان کی حکومت اس سلسلہ میں کچھ نہیں کر سکتی وہ تو مجاہدین بھیجنے کی بجائے انہیں روک رہی ہے۔ حتیٰ کہ ملک کے کسی بھی حصے میں ان کو ٹریننگ کیمپ قائم کرنے کی اجازت نہیں۔ یہاں تک کہ اب اس کا سارے کا سارا کنٹرول بھی مقبوضہ کشمیر کے اندر کشمیریوں کے ہاتھ میں ہے۔ اپنے بنیادی حقوق کے حصول کے لیے یہ خالصتاً ایک عوامی جذبہ ہے جو روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے اور یہ ایک فطری سی بات ہے۔

خوف

یہاں ہم تاج ایکسپریس میں بیٹھے بیٹھے اپنے ساتھی ہندو مسافروں کے سامنے جب کشمیری نوجوانوں کے شوق شہادت کا تذکرہ کر رہے تھے تو اپنے دل میں کچھ کچھ خوف سا محسوس ہوا۔ ہماری باتیں نہایت تلخ حقائق کی غماز تھیں اس لیے اس بات کا خیال آتے ہی سوچا کہ اگر ان لوگوں نے ہمیں بھی اگروادیوں کا ساتھی سمجھ لیا تو کیا ہوگا؟ حاضرین کے چہروں کے تاثرات بھی کچھ اس بات کی چغلی کھا رہے تھے کہ یہ لوگ ایسی کھری کھری ناقدانہ باتیں سننے کے عادی نہیں ہیں تاہم یہ غنیمت تھا کہ یہ سب لوگ پڑھے لکھے بہت اچھے شہری تھے۔ ہماری کوشش پھر بھی یہی رہی کہ وہ تمام ارمان آج پورے کر لیے جائیں جو سیمی نار میں ایسی بحثیں کرنے کے مواقع نہ ملنے کی وجہ سے دل میں رہ گئے تھے۔

ہم نے اپنی دلی کیفیت چھپاتے ہوئے موضوع بدلنے کی کوشش کی اور یہ پوچھا کہ ہندوستان میں بے روزگاری کا کیا حال ہے اور کیا طبقاتی اثرات میں کمی واقع ہو رہی ہے؟ ہمارا اشارہ ذات پات کی تقسیم کی طرف تھا۔ کہنے لگے کہ بے روزگاری آج کل زوروں پر ہے۔ دیہاتوں میں ان پڑھ لوگوں کے لیے تو پھر بھی کچھ نہ کچھ زرعی مزدوری کے مواقع موجود ہیں مگر پڑھے لکھے افراد کے لیے خصوصاً میٹریکولیٹ اور گریجوایٹس کے لیے یہ مواقع بہت کم ہیں۔ حال ہی میں سروسز کے سلسلہ میں ایک چھوٹی سی کھڑکی انفارمیشن ٹیکنالوجی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(Information Technology) کی کھلی ہے مگر اس میں بھی مقابلے کا رجحان اس قدر زیادہ ہے کہ پتہ نہیں یہ بھی کب بند ہو جائے۔

ہندوستانی فلمیں

ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا، بات پہنچی تیری جوانی تک۔ ایم بی اے صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا کہ جناب ایک اہم بات تو رہ ہی گئی۔ ہم نے بھی اشتیاق کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا کہ بتایئے وہ کون سی بات ہے؟ بولے کہ ہماری فلمیں پاکستان میں بہت مقبول ہیں اور وہاں پابندی کے باوجود ان کی بڑی مانگ ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ہم نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ آپ کی اطلاع بالکل صحیح ہے۔ پابندی تو شاید صرف کاغذی ہے کیونکہ بھارتی فلمیں ہر ویڈیو شاپ پر موجود ہیں اور علی الاعلان فروخت ہو رہی ہیں۔ اب تو کمپیوٹر سی ڈی (CD) نے یہ کام اور بھی آسان کر دیا ہے۔ ساتھ ہی ہم نے بھی پوچھ لیا کہ سنا ہے کہ پاکستانی ٹی وی ادھر بڑی دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے۔ بولے ہاں کسی حد تک درست ہے اور وہ بھی صرف مشرقی پنجاب کی حدود میں خاص خاص ڈراموں یا کرکٹ میچوں کے مواقع پر ورنہ آرٹ اور کلچر میں ہمارا مقابلہ پاکستان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اسی لیے ہماری فلمیں پاکستان میں بہت زیادہ مقبول ہیں اور بہت اچھا بزنس کر رہی ہیں۔

ٹرین میں دوران سفر گفتگو کرنا ہو تو کچھ اونچی آواز سے بولنا پڑتا ہے سو ہمیں بھی یہی کرنا پڑ رہا تھا اس لیے گلا کچھ گلہ کرتا ہوا محسوس ہوا۔ متھراوی کپ کی گرم گرم چائے سے کچھ سہارا ملا تھا مگر اب پھر پہلے والی حالت تھی۔ تاہم گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ ہم نے کہا کہ کلچر سے اگر آپ کا مطلب نیم عریانی اور فحاشی ہے تو واقعی اس کا مقابلہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ ہندوستانی فلمیں پہلے بھی پاکستان میں کافی مقبول تھیں اور اب بھی ان کی مانگ میں کمی نہیں آئی۔ مگر ان کی مقبولیت کی وجہ آرٹ یا کلچر کی خوبی نہ کل تھی نہ آج ہے۔ جو طبقہ ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فلموں کا زیادہ شوقین ہے اس میں 90 فیصد لوگ ان پڑھ، مزدور اور تانگے رکشے چلانے والے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ کچھ تعداد نوجوانوں کی بھی ہے۔ مگر ان سب کی مانگ نہ کلچرل شو ہیں اور نہ آرٹ پر مبنی فلمیں بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ اب تک خالص آرٹ پر مبنی جتنی فلمیں بھی بنیں ساری کی ساری تقریباً فیل ہوئیں۔ بات جاری رکھتے ہوئے ہم نے مزید کہا کہ تین چار دہائیاں پہلے جو فلمیں مشہور ہوئیں تھیں ان میں دلیپ کمار، مدھو بالا اور نرگس وغیرہ کی فلمیں زیادہ ہوتی تھیں آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ان لوگوں کی فلموں کی پاکستان میں مقبولیت کی وجہ کیا تھی۔ یا پھر زیادہ بزنس ان فلموں نے کیا جو ہلکی پھلکی تھیں یا پنجابی زبان میں بنی تھیں جیسے کہ مکھڑا وغیرہ۔ مگر اس وقت بھی جب پاکستانی کسی فلم میں یہ دیکھتے تھے کہ مسلمان اداکارہ ہندو اداکار سے رومانس کر رہی ہے تو وہ اس کا برا مناتے تھے اور اس کے خلاف سینما ہالوں میں بڑھکیں مارتے تھے۔ لیکن آج کل ہمارے خیال میں ہندوستانی فلموں کی مانگ کی دو بڑی وجوہات ہیں:

گلیمر

پہلی سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ موجودہ ہندوستانی فلموں میں گلیمر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ہندوستان نے اپنا روایتی شرم وحیا والا انداز چھوڑ کر مغربی کلچر اپنا لیا ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ مغربی کلچر کو بھی مات دینے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کوشش میں ہندوستانی فلمی ستاروں کی طرف سے مشرقی اقدار سے کلیتاً کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے کالی دیوی کی طرح قدرتی لباس کو ترجیح دی جا رہی ہے جس کی وجہ سے فلم بین لوگ انگریزی فلموں کی بجائے دیسی فلموں کی طرف مائل ہو رہے ہیں کہ زبان اور ماحول سمجھنے میں آسانی رہتی ہے۔

ہندوستانی فلموں کی پاکستان میں پسندیدگی کی دوسری بڑی وجہ فلمی ستاروں کے سیٹ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپ میں جینڈر کی تبدیلی ہے۔ یعنی آج کل بہت پہلے والا بدلہ چکایا جا رہا ہے۔ اس وقت فلمی کرداروں میں مسلم لڑکے کافی آگے آ رہے ہیں جب کہ لڑکیاں زیادہ تر ہندو کاسٹ ہو رہی ہیں۔ ہمارے فلم بین پہلے سے زیادہ شوق سے ہندوستانی فلمیں دیکھتے ہیں اور اب انہیں سکرین پر رومانس کے مناظر دیکھ کر غصہ نہیں آتا بلکہ اب خوشی میں بڑھکیں مارتے ہیں۔ مزید یہ کہ کرداروں کے اسلامی نام ہونے کی وجہ وہ کچھ اپنائیت بھی محسوس کرتے ہیں۔ گلف اور دوسرے عربی ممالک میں بھی لیبر فورس چونکہ انہی ممالک سے گئی ہوئی ہے اور انہی وجوہات کی بنا پر وہ بھی ہندوستانی فلموں کی بہت بڑی مارکیٹ بن گئی ہے۔ تاہم ہمارے ہم سفر حضرات کو ہمارا یہ جائزہ بھی پسند نہ آیا۔ کیونکہ انہوں نے پھر بھی آرٹ اور کلچر کی بات کی جو ہم نے پھر بھی تسلیم نہ کی۔

مہنگائی

موضوع گفتگو پھر بدلا۔ یہ موضوع ترقی پذیر ممالک کا سب سے اہم موضوع شمار کیا جاتا ہے۔ آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ مہنگائی کے علاوہ کوئی اور موضوع اتنا اہم، اتنا جاندار اور اتنا ہر دل عزیز ہو ہی نہیں ہو سکتا جس پر ہر کوئی کھل کر اظہار خیال کر سکے۔ چنانچہ پتہ لگا کہ یہ سب لوگ بھی مہنگائی کے ڈسے ہوئے ہیں۔ وہ سب بھی مہنگائی ہی کا رونا رو رہے تھے کہ یہ کم بخت ہے کہ بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ آمدنی چیونٹی کی رفتار سے بڑھتی ہے مگر مہنگائی چوکڑیاں بھرتی آتی ہے۔ مہنگائی کے ساتھ ساتھ سمگلنگ پر بھی بات ہوئی ہم نے فخریہ بتایا کہ ہمارے ہاں ہر شہر بلکہ ہر محلے میں باڑہ مارکیٹیں بنی ہوئی ہیں جہاں سے دنیا جہاں کی تازہ سے تازہ چیزیں خریدی جا سکتی ہیں۔ جو چیز آپ جب چاہیں جہاں سے چاہیں خرید سکتے ہیں۔ اس پر انہوں نے کچھ حسرت اور کچھ حیرت سے ہماری طرف دیکھا اور کہا کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں اس طرح کی ساری چیزیں ہم ہندوستان میں ہی بنائیں۔ ہم نے کہا کہ خواہش

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو ہماری بھی یہی ہے مگر ہر ملک ہر قسم کی مصنوعات میں خود کفیل نہیں ہو سکتا۔ آپ کے پاس ہندوستان میں ایک نہایت وسیع صنعتی میدان ہے مگر اس کی ترقی میں صرف ایک رکاوٹ حائل ہے اور وہ ہے مسئلہ کشمیر۔ آپ لوگ اگر اپنی انڈسٹری کو ترقی دینا چاہتے ہیں تو اس مسئلے کا آبرومندانہ حل ڈھونڈیں اور ہمسایوں سے اچھے تعلقات بنائیں تاکہ آپ کی مارکیٹ میں وسعت پیدا ہو۔ دیکھیے آپ کی ٹاٹا کمپنی شاید جاپان کی ہنڈا اور امریکہ کی فورڈ سے بھی پرانی ہے مگر مارکیٹ نہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک ہندوستان ہی میں کھڑی نظر آتی ہے۔ اگر پاکستان کی آٹو کی ضروریات کی درآمد پر خرچ ہونے والے اربوں ڈالر کا رخ ٹاٹا وغیرہ کی طرف ہوتا تو آپ خود اندازہ کیجیے کہ یہ صنعت اب کہاں کی کہاں پہنچ چکی ہوتی۔ بہر حال آپ کے ہاں بننے والے مصنوعی سونے کے زیورات پاکستان کی خواتین میں بہت مقبول ہیں اور ہم نے بھی دہلی میں ایک سردار جی سے چند ایسی چیزیں خریدی ہیں۔

ایسی ہی ہلکی پھلکی باتوں میں مگن تھے کہ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ شہری آبادیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ گاڑی کی رفتار آہستہ ہونا شروع ہوئی۔ اور لوگوں نے اپنا اپنا سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ دہلی کا ریلوے سٹیشن قریب آ رہا ہے۔ ایک ساتھی سے پوچھا کہ کیا یہ نظام الدین اولیاء ہی ہے۔ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ ہم نے بھی پانی کا گھونٹ لیا اور بوتل بند کر کے بیگ میں رکھ لی اور ساتھیوں سے دوبارہ مخاطب ہو کر کہا کہ اگر ہماری کسی بات سے آپ میں سے کسی ساتھی کی دل آزاری ہوئی ہو تو ہم معذرت خواہ ہیں۔ اس گفتگو سے ہمارا مقصد صرف یہ تھا کہ آپ لوگوں کا نقطہ نظر معلوم کیا جائے اور اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کی جائے۔ ایم بی اے صاحب نے بھی ایسے ہی جذبات کا اظہار کیا اور کہا کہ آج پہلی مرتبہ کسی پاکستانی کے ساتھ کھل کر بات کرنے کا موقع ملا ہے جو کہ ہم نے خوب استعمال کیا۔ اس سے ہمیں اس بات سے آگاہی ہوئی کہ ان کے جذبات کیا ہیں۔ ہم نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معمولی سی وضاحت کی کہ جو باتیں آج ہم نے آپ سے کی ہیں وہ ہمارے ملک کی مڈل کلاس کی نمائندگی کرتی ہیں جو سب سے بڑی اکثریت ہے۔ یہ باتیں خاص طور پر ان لوگوں کی نمائندگی بالکل نہیں کرتیں جو بہت زیادہ شدت پسند ہیں یا بہت زیادہ روشن خیال ماڈرن اور لبرل۔ مسئلہ صرف ایک ہے آیئے آپ اور ہم مل جل کر اسے حل کر لیں تاکہ ہم سب کی آنے والی نسلیں امن و آشتی سے رہ سکیں۔ مزید یہ کہ اس مسئلہ کے حل ہونے سے معاشی لحاظ سے ہماری نسبتِ ہندوستان کا بہت زیادہ فائدہ ہے جس پر اسے سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔

اس سلسلہ میں یہ بھی بتاتے چلیں کہ یہ سب باتیں جو ہم نے آج آگرہ سے دہلی آتے ہوئے فراٹے بھرتی ہوئی تاج ایکسپریس میں اپنے ہندوستانی ساتھیوں سے کیں وہ کوئی فوری آمد نہ تھیں اور نہ ہی وہ فوری آورد تھیں کیونکہ خاکسار کی سوچ وبچار اور عقل وفکر کی رسائی بہت محدود ہے۔ بلکہ یہ سب باتیں تو وہ تھیں جو کہ ہم خیال ہی خیال میں کئی بار ہندوستانی لیڈروں اور حکومتی نمائندوں سے کرتے چلے آرہے تھے اور آج کا یہ موقع تو ہماری اسی بار بار کی خیالی ریہرسل کا ایک عملی نمونہ تھا۔

گاڑی ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ رک گئی اور لوگ گاڑی کے رکنے سے پہلے ہی اپنا سامان اکٹھا کر کے اٹھا کر بلکہ اپنے اوپر لاد کر دروازوں کے پاس پہنچ چکے تھے۔ ہم آرام سے اپنی سیٹ پر ہی بیٹھے رہے ایک صاحب نے ہمیں بتانے کی کوشش کی کہ یہ نظام الدین اولیاء ہے۔ ہم نے بھی اٹھنے کی کوشش کی اور رش کچھ کم ہونے پر اطمینان سے گاڑی سے اتر آئے۔ گیٹ پر ٹکٹ چیک ہوا اور ہم آہستہ آہستہ ٹہلتے ہوئے ریلوے سٹیشن سے باہر آ گئے۔ شکر کیا کہ صبح جہاں سے چلے تھے بخیریت وہیں واپس پہنچ گئے۔ رات کافی گزر چکی تھی اور اب ہمیں اسٹیشن سے واپس ہوٹل سمراٹھ پہنچنے کا مسئلہ درپیش تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوٹل سمراٹھ واپسی

رینٹ اے رکشا

نظام الدین اولیاء ریلوے سٹیشن سے باہر نکلے تو رکشوں اور ٹیکسیوں کا کافی رش تھا، خاص طور پر آٹو رکشا تو قطار اندر قطار بہت زیادہ تعداد میں موجود تھے۔ ٹیکسیوں کی قطار قدرے کم لمبی تھی۔ ایک رکشے والے نے ہمارے ساتھ رابطہ کیا اور ہم نے حسب عادت کرایہ پوچھ لیا کیونکہ کافی تجربات کا نچوڑ یہی تھا کہ میٹر پر چلنا ہمیشہ گھاٹے کا سودا ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ صرف تیس روپے دے دیں۔ صبح والے رکشے کے دس روپے کے مقابلے میں تیس روپے زیادہ لگے۔ اتنے میں سامنے ایک چھوٹے سے کیبن پر نظر پڑی جس میں دو کھڑکیاں تھیں اور ان میں ایک ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ ایک آدمی سے ہم نے پوچھا کہ یہ کیا سلسلہ ہے تو جواب ملا کہ یہ ٹیکسی یا رکشا کرایہ پر حاصل کرنے کے لیے سروس (Rent a Richshaw or Taxi Service) ہے۔ ان کے کرائے فاصلہ کے حساب سے مقرر ہیں۔ سائیکل رکشا ہم نے صبح ''انجوائے'' کر لیا تھا اس لیے اب آٹو رکشا کی باری تھی۔ چنانچہ ہم بھی آٹو رکشا کی قطار میں لگ کر کھڑے ہو گئے۔

اپنی باری آنے پر ہم نے بتایا کہ سمراٹھ ہوٹل جانا ہے۔ بوتھ میں سے ہمیں پندرہ روپے کا کوپن دیا گیا کہ منزل پر پہنچ کر رکشے والے کو دے دینا۔ رکشے کا ڈرائیور بھی ڈرائیوروں کی قطار میں ہمارے سامنے ہی کھڑا تھا۔ اس نے وہیں ہمارے ہاتھ سے کوپن لے لیا اور ہمیں اپنے پیچھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ رکشا درمیانی قسم کا بجاج (لوکل میڈ) تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہمارے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے سٹارٹنگ ہینڈل کو ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ اوپر کھینچا ہلکی سی گھر گھر سنائی دی اور تیسرے یا چوتھے جھٹکے پر اچانک ایسے لگا جیسے رکشا کے اندر کوئی زلزلہ آ گیا ہو۔ رکشا ڈرائیور نے تیزی سے رکشے کو آگے بڑھا دیا۔ تین یا چار موڑ کاٹنے کے بعد مین روڈ پر آتے ہی اس نے ٹرین کے انجن کی طرح ہاتھ سے پورا تھراٹل کھول دیا۔ پھر کیا تھا ایسے لگا جیسے ہم کنکورڈ میں بیٹھ گئے ہوں اور کنکورڈ بھی ایسا تھوڑ دلا کہ ایک ہلکی پھلکی سواری بٹھا کر ایسے شور مچا رہا تھا جیسے اس نے سارا دہلی شہر اپنے سر پر اٹھا رکھا ہو۔

گدھے

تھوڑی ہی دیر میں رکشا ہوٹل سمراٹھ کے باہر مین روڈ پر آ کر رک گیا۔ رکشا ڈرائیور نے اعلان کیا کہ ہمیں اس سے آگے جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ہم نے سوچا کہ شاید اس کے شور کی وجہ سے اسلام آباد کی طرح اس ہوٹل کے علاقہ میں بھی اس کا داخلہ بند ہو۔ ہماری انتظامیہ نے شور کی وجہ سے آٹو رکشا کا داخلہ اسلام آباد میں بند کر رکھا ہے۔ ہم نے پوچھ لیا کہ تانگے تو شور نہیں کرتے پھر ان کا داخلہ اسلام آباد میں کیوں بند ہے؟ اس لحاظ سے انہیں کیپٹل میں داخل ہونے کی اجازت ہونی چاہیے۔ بتایا گیا ایک تو تانگہ سست رفتار سواری ہے، دوسرے گھوڑا صاحب ٹائلٹ کے معاملہ میں بڑا آزاد خیال واقع ہوا ہے۔ مگر دل لگتی بات وہی ہے جو عوام کہتے ہیں کہ عوام کی طرح عوامی سواریوں کی بھی کوئی عزت و وقعت نہیں ہے۔ جس طرح ہر طرف سے عوام پر پابندیاں ہی پابندیاں عائد ہیں اسی طرح عوامی سواریوں کا داخلہ بھی اچھی سڑکوں پر ممنوع ہے۔ البتہ یہ پابندی اسلام آباد کی حد تک گدھوں پر لاگو نہیں ہے کیونکہ اسلام آباد کی تعمیر میں سب سے زیادہ حصہ گدھوں ہی کا ہے۔ اسلام آباد کی سڑکوں پر صبح صبح گدھے عام چلتے پھرتے نظر آ جاتے ہیں۔ ان کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خصوصی موجودگی کا پتہ تو اس وقت چلتا ہے جب اس قبیلے کا کوئی معزز رکن بڑی تحمل مزاجی سے ٹہل ٹہل کر سڑک عبور کرتے ہوئے سڑک کے عین درمیان گاڑی کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔

ہوٹل سمراٹھ کی راہداری تقریباً آدھا کلومیٹر لمبی تھی اور یہ فاصلہ ہمیں پیدل ہی طے کرنا پڑا۔ تھکاوٹ پہلے ہی بہت ہو رہی تھی۔ ہم جلدی جلدی لفٹ کے ذریعے کمرہ میں پہنچے، گرم گرم شاور لیا اور کپڑے بدلے۔ اس طرح طبیعت میں کچھ تازگی آ گئی۔ ہم نے سوچا کہ رات زیادہ ہو رہی ہے کھانے کا وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے کھانا کھایا جائے۔ ڈائننگ ہال ابھی تک کھلا تھا تاہم اس میں رش معمول سے بہت کم تھا۔ ٹیبل بوائے بلکہ ٹیبل اولڈ بوائے سے پوچھا کہ آج حاضری بہت کم محسوس ہو رہی ہے۔ جواب ملا کہ اتوار کے روز اور چھٹی والے دن عام طور پر ایسے ہی ہوتا ہے۔ لوگ دہلی سے باہر جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے تو ٹیبل اولڈ بوائے ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ کیونکہ آج وہ جوڑا بھی نظر نہیں آ رہا تھا جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ میوزک کارنر میں بھی بڑے خان صاحب اکیلے بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ ان کی ساتھی نوجوان سنگر بھی شاید چھٹی پر تھی۔ خان صاحب بیٹھے بیٹھے خود ہی بغیر کسی فرمائش کے کسی نہ کسی غزل کا تار چھیڑ دیتے تھے اور پھر ان کی اس حرکت کا خمیازہ سارے ہال کو بھگتنا پڑتا تھا۔ شاید آج وہ خانہ پری ہی کر رہے تھے۔

کفایت شعاری

ہمارے کھانے کے پروگرام میں حسب معمول آج بھی کفایت شعاری ہی کا راج تھا۔ کیونکہ چن ویر صاحب کے ہاں کھانے کی کل کی دعوت کے جواب میں ہم نے بھی انہیں اگلی شام ہوٹل میں مدعو کر رکھا تھا اور کوشش یہ تھی کہ کم از کم ہوٹل میں تو اپنی جیب سے کچھ خرچ نہ کرنا پڑے اور اوسطاً یومیہ پانچ سو روپے میں ہی گزارا چل جائے۔ اس لیے ہم نے آج

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صرف اڑھائی سو روپے میں گزارہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ ہم نے دو بے وزن روٹیاں، ایک ٹکڑا کانٹے دار مچھلی کا لیا اور میٹھے کے نام پر جو چیز ملی وہ لاہور شہر کی عام بیاہ شادیوں میں ملنے والی مٹی کی ٹھوٹھی سے بھی کم مقدار میں کھیر تھی لیکن تھی مزے دار۔ کچھ تو سفر کی وجہ سے تھکاوٹ بہت تھی اور دوسرے ہال میں رونق بھی عام دنوں کی نسبت بہت کم تھی اس لیے بڑے ہوٹلوں میں کھانا روایتی انداز میں آہستہ آہستہ اور لمبا کر کے کھانے کی بجائے ہم نے کھانا جلدی جلدی ختم کیا اور سیدھے اپنے کمرے میں چلے آئے۔ تھکن کے باعث فوراً لیٹ جانے میں ہی عافیت سمجھی اور پھر صبح نماز کے وقت ہی آنکھ کھلی۔

صبح ہی صبح چن ویر صاحب کمرے ہی میں تشریف لے آئے۔ گاڑی تک پہنچے تو یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ گاڑی بالی سنگھ والی نہ تھی۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ بالی والی گاڑی تو صرف سیمی نار کے دنوں کے لیے کرایہ پر حاصل کی گئی تھی۔ اس لیے اب دفتر والی سرکاری گاڑی ہی چلے گی۔ ہمیں بالی سنگھ سے الوداعی ملاقات نہ کرنے کا سخت افسوس ہوا۔ بالی ایک فرض شناس اور دلیر سکھ نوجوان تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ دو چیزیں اسے بہت تنگ کرتی ہیں۔ ہم نے پوچھا کہ بھئی کون کون سی تو بولا کہ ایک تو کیس (بال) خصوصاً گرمیوں میں اور دوسری برہمن کی ذات۔ کیسوں سے وہ خود جان نہیں چھڑانا چاہتا اور برہمن پر اس کا بس نہیں چلتا اس لیے معلوم ایسے ہوتا ہے جیسے کہ مستقبل قریب میں وہ ان دونوں میں سے کسی سے بھی جان نہ چھڑا پائے گا۔

ہوٹل سے نکلتے ہی سب سے پہلے چن ویر کے ساتھ دہلی میں پی آئی اے کے آفس گئے تاکہ اپنی اسلام آباد واپسی کی سیٹ کی کنفرمیشن کرا سکیں۔ معلوم ہوا کہ کل یعنی منگل والی فلائیٹ میں ہماری سیٹ ابھی تک کنفرم نہ ہو سکی تھی۔ ویٹنگ لسٹ میں بھی ہمارا نمبر ساتواں تھا۔ اس پر ہمیں سخت تشویش لاحق ہوئی۔ ہمارے خیال میں تاج محل دیکھنے کے بعد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان میں مزید قیام اب بے فائدہ محسوس ہوا۔ اس لیے ہماری کوشش یہ تھی کہ جیسے کیسے بھی ہو یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ ہمیں سارک انتظامیہ کے ارادے بھی زیادہ نیک نہ لگ رہے تھے کیونکہ ان کے پروگرام کی جو بھنک ہمارے کانوں تک پہنچ چکی تھی اس کے مطابق انتظامیہ کا خیال کچھ اس طرح تھا کہ اگر ہمیں منگل تک سیٹ نہ ملی تو وہ ہمیں انٹرنیشنل ہوسٹل میں منتقل کردیں گے۔ ہمیں یہ کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ ایک فائیوسٹار ہوٹل سے نکال کر کسی ہوسٹل میں ڈال دیے جائیں۔ ادھر پاکستان میں انڈیا اور پاکستان کا کرکٹ سیزن شروع ہونے والا تھا۔ انڈین ٹیم پاکستان پہنچ چکی تھی۔ کرکٹ کے شائقین اور انتظامی افسران کے دوروں کا بہت زور تھا جس کی وجہ سے سیٹ کا ملنا محال نظر آرہا تھا۔

بہرحال سیٹ کی کنفرمیشن کے لیے ہم نے بھی اپنا ''روایتی'' طریقہ آزمانے کا فیصلہ کیا اور سب سے پہلے اپنے دوست خواجہ شاہ نواز کو اسلام آباد فون کیا۔ رابطہ ابھی تک بدستور خراب تھا، گفتگو آواز کے شدید زیروبم کی وجہ سے خاصی بے ربط محسوس ہورہی تھی۔ تاہم بہت کوشش کے بعد ان تک اپنی بات پہنچانے میں کچھ کامیابی ہوگئی۔ ہم نے کہا کہ بھئی یہاں کافروں میں پھنس گئے ہیں اپنی حمیت کو ذرا سا جگاؤ اور ہمیں یہاں سے نکالنے کا کچھ بندوبست کرو۔ انہوں نے یقین دلایا کہ انتظام ہوجائے گا۔ ہم نے تسلی کے لیے دوبارہ زور دیا تو پھر غصے میں بولے کہ کہہ جو دیا انتظام ہوجائے گا اور اگر تم وہاں اتنے ہی اوکھے ہو تو پھر تیار رہو اگر تمہیں جہاز کے پہیے کے ساتھ باندھ کر بھی لانا پڑا تو لے آئیں گے۔ ہم نے فوراً ہامی بھرلی۔ ہمارے خواجہ صاحب ایسے کاموں میں کافی مہارت رکھتے ہیں اور ہم کبھی کبھی ان کی خدمات سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔

پی آئی اے آفس سے نکل کر ہم چن ویر کے ساتھ انسٹی ٹیوٹ کی سیڈ ٹیکنالوجی لیبارٹری میں آگئے۔ سیڈ ٹیکنالوجی کے ماہرین کے ساتھ اتوار کی تاج محل کی سیر کا تذکرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوا۔ ایک خاتون ٹیکنالوجسٹ نے پوچھا کہ تاج محل دیکھ کر کیا محسوس ہوا۔ ہم نے کہا کہ انتہائی خوبصورت اور جاذب نظر۔ اور پھر خاتون سے بات جاری رکھنے کے لیے ہم نے وضاحت چاہی کہ آپ کس نقطہ نظر سے پوچھ رہی ہیں؟ کہیں آپ کا اشارہ ؎

ایک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر ، ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق

کی طرف تو نہیں؟ خاتون نے جواب دیا کہ نہیں، میں ایسا نہیں سوچتی یہ تو اپنی اپنی سوچ اور وسعت قلبی پر منحصر ہے اور اسی نقطۂ نظر سے آپ کے تاثرات جاننے کی کوشش کی۔

تحفہ

ہم نے جواب دیا کہ آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔ ہمارے تاثرات آپ نے پوچھے ہیں تو سنیے، یہ تاج محل ایک بادشاہ کا اپنی مرحومہ بیگم کو ایک تحفہ تھا۔ زندہ بیگم کو تحفہ دینا اتنی اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ اس کے لیے خدمت اور محبت شرط نہیں مگر مرحومہ بیگم کی خدمت میں اتنا خوبصورت اور پائیدار تحفہ پیش کرنے کا مطلب ہے کہ مرحومہ کا کنٹری بیوشن نہایت اعلیٰ رہا ہوگا تبھی تو شاہجہاں، شہنشاہ ہند ہونے کے باوجود اسے نہ بھلا سکا اور اس کی یاد کی وجہ سے اس نے اپنے آپ کو تاج محل بنانے پر مجبور پایا۔ اس پر خاتون نے کچھ کچھ قابل تحسین نظروں سے دیکھا۔ ہم نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اگر ہمارا بس چلے تو ہمارا دل یہ چاہتا ہے کہ ہم اس پورے تاج محل کو جمنا کنارے سے اٹھا کر گلدستے کی طرح ایک خوبصورت ٹرے میں سجائیں اور اپنی اکلوتی بیگم کی خدمت میں اس کے جیتے جی ہی پیش کر دیں۔ اس بات پر وہ اور دوسرے حاضرین بہت ہنسے۔ خاتون پھر گویا ہوئیں کہ مانا کہ آپ کو اپنی اکلوتی بیگم سے بڑی محبت ہے مگر اس بہانے ہم آپ کو اپنا تاج محل تو نہیں لے جانے دیں گے۔ اگر آپ ہمارا تاج محل لے گئے تو ہم کیا کریں گے اور ہندوستان یاترا پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آنے والے اتنے بے شمار لوگوں کو کیا دکھلائیں گے؟

ہندوستان کی پہچان

ہم نے جواب دیا کہ کاش ہم یہ تاج محل لے جا سکتے کیونکہ ہندوستان میں کچھ لوگ ایسی باتیں کر رہے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تاج محل جیسے مشہور زمانہ شاہکار کو بھی برداشت کرنے پر تیار نہیں۔ خاتون نے کہا کہ آپ کے ارادے ہمیں خطرناک لگتے ہیں۔ ویسے تاج محل کی طرف سے آپ بے فکر رہیں بابری مسجد کے واقعہ کی وجہ سے بھارت سرکار بہت محتاط ہو چکی ہے اور ہمیں قوی امید ہے اب آئندہ ایسا کچھ نہیں ہونے دے گی۔ اور ویسے بھی تاج محل تو ہندوستان کی پہچان ہے، اس دھرتی کے ماتھے کا جھومر ہے، انگوٹھی کا نگینہ اور ہندوستان کا بہترین تعارف ہے۔ ہم نے بھی دعا کی کہ آئندہ یہ لوگ ایسی حرکت سے باز رہیں ورنہ جہاں دنیا ایک بہترین شاہکار سے محروم ہو جائے گی وہاں ہندوستان اپنی پہچان کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑے آمدنی کے ذریعے سے بھی محروم ہو جائے گا اور اس کی ابھرتی ہوئی ٹورزم کی صنعت دم توڑ جائے گی۔

آج ہمارے پاس وقت کافی تھا۔ ہم نے اپنے میزبانوں سے خواہش کی کہ وہ ہمیں اپنی سیڈ ٹسٹنگ لیبارٹری دکھا دیں تو ان کی بڑی مہربانی ہو گی۔ انہوں نے بے دلی سے اس کی ہامی تو بھر لی لیکن لیبارٹری دکھانے کا کوئی انتظام یا اہتمام نہ کیا۔ ہمارا پروگرام تو یہ تھا کہ اس لیبارٹری کا اپنے ہاں کی سیڈ ٹسٹنگ لیبارٹریوں سے موازنہ کریں گے اور دیکھیں گے کہ ہماری کارکردگی اور معیار ان سے کس قدر مختلف ہے۔ مگر ہوا یوں کہ پہلے تو انہوں نے خود ہمیں اپنے دفتر میں گرم گرم چائے پلائی، پھر وہ ہمیں اپنے ایک ساتھی (Colleague) کے پاس لے گئے۔ گپ شپ کے ساتھ ساتھ وہاں دوبارہ چائے نوش فرمائی گئی۔ ابھی اٹھنے کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تیاری کر رہی رہے تھے کہ ان کے محکمہ کے پہلے ریٹائرڈ سربراہ ان سے ملنے کے لیے تشریف لائے۔ وہ تھے صاحب ذوق، آتے ہوئے بہت خوبصورت اور مزے دار قسم کے گلاب جامن بھی ساتھ لائے۔ چنانچہ گلاب جامنوں کے ساتھ چائے کا ایک اور دور چل پڑا۔ اتنے میں لنچ کا وقت ہو گیا۔ اور وہ صاحب ہمیں لنچ کے لیے انٹرنیشنل ہاسٹل لے گئے۔ ہماری مہمان نوازی تو خوب ہو رہی تھی مگر اندازہ ہو رہا تھا کہ دفتری اوقات میں ہمارے ہاں کی طرح کی چائے نوش میٹنگز ہمارے ہمسایوں میں بھی کافی حد تک مروج ہیں۔ ہم بہر حال ان لوگوں کی اس بات سے سو فیصد متفق نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ پاکستان میں ذاتی اور قومی سطح پر وقت ضائع کرنے کا راز صرف چائے، کرکٹ اور عدالتی نظام میں مخفی ہے۔

لنچ کے بعد انہوں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا کہ جناب آج تو وقت نہیں ملا اس لیے لیبارٹری کے معائنے کا پروگرام کل پر مؤخر کرتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ انہوں نے خود ہی ہمارا کل کا پروگرام کپاس کے ادارہ میں رکھا تھا اور فلائیٹ ملنے کی صورت میں دوپہر ہی میں ہمیں ائیر پورٹ پہنچنا تھا۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تجویز دی کہ آج شام ہمیں آرام کرنا چاہیے اور کل کی تھکاوٹ دور کر لینی چاہیے۔ ہمیں یوں لگا جیسے وہ کہہ رہے ہوں کہ آپ گھومنے پھرنے کی بجائے ہوٹل ہی میں رہیں۔ چنانچہ ہم نے بھی ہوٹل ہی میں رہنے کو ترجیح دی۔ ویسے بھی آج شام آٹھ بجے چن ویر صاحب رات کے کھانے پر تشریف لا رہے تھے۔ اس لیے زیادہ دیر ہوٹل سے باہر رہا بھی نہیں جا سکتا تھا۔

ہندی غزل

شام آٹھ بجے کھانے کا وقت طے تھا اور ہم چند منٹ پہلے ہی کھانے کے ہال میں پہنچ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں چن ویر صاحب بھی آ پہنچے۔ آج ہال میں بہت رونق تھی۔ وہ ''عجیب الطرفین'' جوڑا بھی موجود تھا اور خاتون حسب معمول صرف آنکھوں کے علاوہ بھرپور حجاب

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

میں تھی۔ مگر صاحب ٹی شرٹ اور جین میں ملبوس آج صرف سافٹ ڈرنک پر ہی گزارا کر رہے تھے۔ بڑے خاں صاحب کے ساتھ میوزک کارنر میں آج ان کی ساتھی نوجوان سنگر بھی موجود تھی۔ خوب فرمائشیں ہو رہی تھیں اور سامعین داد بھی خوب دے رہے تھے۔ جس وقت چن ویر صاحب تشریف لائے اس وقت مرزا غالب کی یہ غزل گونج رہی تھی:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارماں، لیکن پھر بھی، کم نکلے

ڈرے کیوں میرا قاتل؟ کیا رہے گا اس کی گردن پر
وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر یوں دم بہ دم نکلے

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں، لیکن
بہت بے آبرو ہو کر، تیرے کوچے سے ہم نکلے

بھرم کھل جائے، ظالم، تیرے قامت کی درازی کا
اگر اسی طرح پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا
اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

کہاں میخانے کا دروازہ غالب، اور کہاں واعظ!
پر اتنا جانتے ہیں، کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

چن ویر نے غزل سنتے ہوئے پوچھا کہ کیا آپ ہندی زبان سمجھ لیتے ہیں؟ ہم نے پوچھا آپ کی مراد خان صاحب کی غزل سے ہے تو بولے کہ ہاں۔ ہم نے بتایا کہ خان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صاحب ہندی نہیں بلکہ اردو غزل گا رہے ہیں اور وہ بھی اردو کے سب سے بڑے شاعر جناب مرزا غالب کی۔ چن ویر نے تھوڑی سی خفت محسوس کرتے ہوئے کہا کہ میں شعروشاعری کا زیادہ ذوق نہیں رکھتا، شاید اس لیے مجھے یہ کلام ہندی جیسا ہی لگا۔ ہم نے کہا کہ حکومت ہند نے اردو پر ہندی کا بورڈ لگا کر سب کچھ ہندی ہی ہندی کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر اردو پھر اردو ہے اس کی جڑیں اتنی مضبوط اور گہری ہیں کہ سخت مخالفت کے باوجود شاعری اور ادب کی آبیاری کر رہی ہیں۔

چن ویر کی حیرانی میں اضافہ کرتے ہوئے ہم نے مزید کہا کہ آپ کی میڈم لتا منگیشکر، محمد رفیع، آشا بھوسلے، مکیش اور عمومی طور پر پوری انڈین فلم انڈسٹری کے بے حد ممنون ہیں کہ ان لوگوں نے اردو کی ترویج وترقی کے لیے ہندوستان میں اتنی نمایاں خدمات انجام دی ہیں جو ہمارے بس کی بات نہ تھی۔ مزید کہا کہ اگر کبھی ایسا موقع آیا کہ ہندوستان میں اردو کی خدمت کرنے والے فنکاروں میں سے کسی کو نوبل انعام دیا جائے تو شاید میڈم لتا کے علاوہ کوئی اور اس کا مستحق نہ ٹھہرے۔ ہماری طرف سے یہ اعزاز بھی میڈم کے صرف آڈیو گانوں کی بنیاد پر ہوگا ویڈیو گانوں پر نہیں کیونکہ آج کل ہندوستانی ویڈیو اتنے شرمناک آرہے ہیں کہ شیطان بھی چیخ اٹھا ہوگا کہ میں نے ابھی اتنا آگے جانے کا نہیں کہا تھا۔ چن ویر نے کہا کہ آپ کا بہت بہت شکریہ آپ سمجھیے کہ یہ انعام ہمیں مل گیا، اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ فلم انڈسٹری کے اس چلن سے ہم خود بیزار ہیں مگر ہماری سنتا کون ہے؟ یہ بزنس کا دور ہے۔ ہمیں اس بات کا احساس تھا کہ چن ویر صاحب ہمارے خیالات میڈم لتا تک شاید نہ پہنچا سکیں اس لیے ہم خاموش ہی رہے اور انہیں کسی مشکل میں ڈالنا گوارا نہ کیا۔

ہوٹل میں کھانوں کا مینو پہلے ہی سے میز پر موجود تھا۔ ہم نے مینو کارڈ چن ویر کی طرف بڑھا دیا کہ اپنی پسند کی ڈشوں کا آرڈر دیں۔ انہوں نے دال ماش پسند کی۔ ہم نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چکن کا کہا تو بولے میں تو سیڈ خور (دال خور) ہوں اور گوشت سے مکمل پرہیز ہے۔ ہم نے کہا کہ سیمی نار میں لنچ پر تو ایسے لگتا تھا کہ جیسے سارے لوگ ہی چکن کھاتے ہوں۔ کہنے لگے کہ ہاں اب بہت سارے لوگ چکن اور پرندوں کا گوشت کھاتے ہیں لیکن میں وہاں بھی نہیں کھاتا۔ میری طرح کے اور بے شمار لوگ ہیں جو گوشت کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔ چنانچہ ہم نے بھی ان کے ساتھ سیڈ خوری کی یعنی سبزی دال پر اکتفا کرنا مناسب خیال کیا۔

چن ویر کے ساتھ کافی دیر تک مختلف موضوعات پر ڈھیر ساری باتیں ہوئیں۔ جب کبھی سیاست کی بات آجاتی تو موضوع بدل دیتے یا بات کو ٹال جاتے۔ تاہم وہ محکمانہ اور دفتری باتیں کھل کر کرتے رہے۔ بتانے لگے کہ شاید بیس سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد ہمارے تنخواہ کے سکیلوں پر نظر ثانی کی نوبت آئی ہے اور ہماری تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافہ بھی ہوا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ عارضی طور پر مختلف الاؤنسز مل ملا کر اصل تنخواہ سے دگنے سے بھی زیادہ ہو چکے تھے۔ جب ہم نے ان کے نئے سکیلوں کے حساب سے تقابلی جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ہماری اور ان کی تنخواہیں تقریباً برابر ہیں۔ ایک دو الاؤنسز انہیں ذرا مختلف ملتے تھے اور خوب تھے۔ مثلاً سب سے مفید اور بہتر الاؤنس جو 200 روپے ماہانہ تھا وہ جرنل الاؤنس (Journal allowance) تھا جو کہ کوئی سائنسی قسم کا رسالہ خریدنے کے لیے دیا گیا تھا۔ کہنے لگے کہ اتنے پیسوں میں کوئی انٹرنیشنل رسالہ تو آتا نہیں اور لوکل جرنل ویسے ہی مل جاتے ہیں اس لیے اس الاؤنس سے ہم اخبار خرید لیتے ہیں۔ اخبارات ہندوستان میں بہت سستے ہیں، اخبارات کے صفحات بھی زیادہ ہوتے ہیں اور ان کی قیمت پاکستان میں اخبارات کی قیمت سے آدھی سے بھی کم ہوتی ہے۔

چن ویر ذات کے برہمن نہ تھے۔ وہ بھی اونچی جاتی کے ساتھ ساتھ افسر شاہی کے بھی بہت خلاف لگ رہے تھے۔ ان کے بقول ذات پات، برادری، رشتہ داری اور اقربا پروری یا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کسی خاص گروپ کی ناجائز طرف داری ان کے ہاں بھی عام سی بات تھی۔ تقریباً 20 سال کی لگاتار سروس کے باوجود انہیں ابھی تک باہر کسی ٹریننگ یا دورے پر جانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ ہمارے دہلی کا دورہ کرنے کو ہماری خوش قسمتی قرار دے رہے تھے اور ہم پر رشک کر رہے تھے، ویسے کافی حد تک ان کی یہ بات صحیح بھی تھی۔

ناک

شادی بیاہ کی رسموں اور پابندیوں کے وہ بھی بہت شاکی تھے۔ بچیوں کے لیے لمبے چوڑے جہیز کی فراہمی ان کے ہاں بھی ایک بہت بڑی مصیبت تھی۔ ہم نے بتایا کہ مہندی اور مایوں کی رسمیں تو پہلے بھی پاکستان میں موجود تھیں مگر انہیں جو مقبولیت ہمارے ہاں اب ملی ہے اس کی مثال پہلے نہیں ملتی اور اس کی بڑی وجہ انڈین ٹی وی اور میڈیا پر مسلسل دکھائے جانے والے پرکشش اور گلیمر سے بھرپور شادی بیاہ کے پروگرام ہیں۔ کہنے لگے کہ نوجوانوں کو تو ایسے مواقع بھگوان دے مگر پتہ اسے چلتا ہے جسے بھگتنا پڑتا ہے۔ مزید کہنے لگے کہ خاندان اور برادری میں اپنی ناک اونچی رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی اپنی ناک اونچی رکھنے کا ارادہ کیا اور بھاری بھرکم اولڈ ٹیبل بوائے کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ آخر کار تیسرے اشارے پر وہ ہماری میز کے قریب آ ہی گیا اور ہم نے چن ویر کے ساتھ صلاح مشورہ کے بعد اسے ٹوٹی فروٹی آئس کریم لانے کا کہا تو وہ بولا کہ صرف ونیلا مل سکتی ہے چنانچہ ہم نے اسے ونیلا ہی لانے کا کہہ دیا۔ پچھتر روپے میں چھوٹے یعنی منی کپ کے برابر آئس کریم ملی مگر تھی بہت میٹھی اور مزے دار۔

کھانا کھانے کے بعد چن ویر کو ہوٹل کے مین گیٹ تک آ کر رخصت کیا اسی دوران ہمیں بھٹی صاحب کا یہ بتانا یاد آ گیا کہ دروازے پر جا کر مہمان کا خیر مقدم کرنا اور رخصت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتے وقت بھی دروازے تک جا کر مہمان کو الوداع کہنا سنت پاک کا درجہ رکھتا ہے۔ ہمارے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا کسی کافر کو بھی اسی انداز میں خوش آمدید کہنا اور رخصت کرنا کارثواب ہے؟ پھر ہمارے ذہن میں خود ہی اس سوال کا جواب بھی آ گیا کہ حدیث شریف میں شاید صرف مہمان کا ذکر ہے کسی کافر یا مسلمان مہمان کا نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دہلی سے لاہور

چن دیر کو رخصت کرنے کے بعد ہم نے ارادہ کیا کہ اسلام آباد گھر فون کریں اور گھر والوں خصوصاً بچوں کو بتا دیں کہ اب ہم پہلے والے عام قسم کے بابا نہیں رہے بلکہ ہم اب آگرہ میں تاج محل دیکھ کر آنے والے بابا ہیں۔ ہم نے آگرہ کے لال قلعہ کی بھی سیر کی ہے اور شاہ جہاں کی نہایت خوبصورت موتی جیسی موتی مسجد میں نوافل بھی ادا کیے ہیں۔ فون کرنے کا دوسرا مقصد خواجہ صاحب سے کل کی سیٹ کے بارے میں بھی دریافت کرنا تھا۔ تاہم جب ہم نے گھڑی میں وقت دیکھا تو معلوم ہوا کہ ابھی کال کے ریٹ کوارٹر ہونے میں تقریباً پندرہ منٹ باقی ہیں چنانچہ ہم نے وقت بچانے کی بجائے پیسہ بچانے کا سوچا اور سڑک کنارے چہل قدمی شروع کر دی۔

سڑک کافی کشادہ تھی اور ابھی تک اس کے کنارے فٹ پاتھوں پر رات کے باسیوں کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ بہت سارے لوگ ادھر ادھر سیر کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اس لیے ہم بھی چہل قدمی کرتے ہوئے اجنبی نہ لگے۔ سیر کرنے والے لوگوں میں آدمی زیادہ اور خواتین کم تھیں۔ تھوڑی دیر سیر کی اور پھر نزدیکی فون بوتھ پہنچ گئے۔ تین چار آدمی فون کرنے کے خواہش مند تھے مگر آپریٹر نے ہمیں دیکھتے ہی ان سے کہا کہ پہلے ان کے لیے پاکستان ملانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ہم نے اس پی سی او سے پہلے بھی دو تین بار فون کیا تھا اس لیے آپریٹر پہچانتا تھا۔ گھر فون ملانے کی کوشش کی اور جلد ہی لائن مل گئی اور ابھی ہم علیک سلیک ہی کر پائے تھے کہ لائن کٹ گئی۔ اس کے بعد کافی کوشش کے باوجود لائن نہ مل پائی۔ ہم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جھنجھلاہٹ میں ہوٹل واپس آ گئے۔ جلدی جلدی نماز عشاء قصر ادا کی اور یہ دعا کرتے ہوئے بستر پر لیٹ گئے کہ اللہ کرے صبح پاکستان کے لیے سیٹ کنفرم ہو جائے اور وطن واپسی کی نوید سننے کو ملے۔

صبح ہماری آنکھ جلدی ہی کھل گئی۔ نماز کے بعد پھر سیٹ کے لیے دعا کی۔ ابھی ہم ناشتہ سے فارغ ہوئے تھے کہ چن ویرا اپنے ایک ساتھی دوست کے ہمراہ تشریف لے آئے۔ ہم تینوں سیدھے پی آئی اے آفس پہنچے۔ چن ویر کے ساتھی ان معاملات کے ماہر نکلے انہوں نے ہم سے ٹکٹ لیا اور کاؤنٹر پر جا کر وہاں موجود خاتون کے آگے رکھ دیا۔ خاتون نے ٹکٹ دیکھتے ہی نفی میں سارا سر ہلا دیا۔ خاتون ہونے کے باوجود ان کا اس انداز سے نفی میں سر ہلانا ہمیں بالکل اچھا نہ لگا۔ چن ویر کے ساتھی نے ہمارا کیس بہت اچھی طرح پیش کیا جس پر خاتون نے کہا کہ ان کا کیس ہمارے پاس پہلے سے ہی اولیت (Priority) پر ہے۔ تاہم سر ہلانے کے ساتھ ساتھ ان کی انگلیاں بھی کمپیوٹر پر بڑی تیزی سے حرکت کرتی رہیں۔ اس دوران چن ویر کے ساتھی برابر اصرار کرتے رہے کہ ان کا آج پاکستان جانا بہت ضروری ہے۔ آپ مہربانی کریں وغیرہ وغیرہ۔

جنبش ڈانس

ہم دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ایک سمت کھڑے یہ سب کچھ دیکھتے رہے۔ خاتون کی انگلیاں کمپیوٹر کے کی بورڈ پر تیزی سے حرکت کر رہی تھیں اور ہم ان کے سر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آخر کار چند لمحوں کے لمبے انتظار کے بعد اس نوجوان خاتون نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔ ہماری جان میں جان آئی اور اس دفعہ اس خاتون کا سر ہلانا ہمیں بہت بھلا لگا۔ اس وقت ان خاتون کے سر کی مثبت انداز میں ہلکی سی جنبش کے سامنے ٹی وی خاتون نیوز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ریڈروں کے سر کا جنبش نما ڈانس کیا معنی رکھتا تھا۔ بہر حال سیٹ کنفرم ہونے پر ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ خواجہ صاحب کے بقول ہمیں اب جہاز کے پہیے کے ساتھ لٹک کر وطن واپس نہیں جانا پڑے گا بلکہ آرام سے سیٹ پر بیٹھ کر جائیں گے۔ کافروں کے ملک سے ایک مومن کو واپس پاکستان لانے میں مدد دینے پر ہم نے ان کا خصوصی شکریہ ادا کیا۔

چیک آوٹ

اپنے خواجہ صاحب کی یقین دہانی پر ہم نے صبح ہی ہوٹل چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا، اس لیے مسٹر چن ویرا اور ان کے دوست کے ساتھ ہوٹل سے نکلتے ہوئے سوچا کہ جاتے جاتے چیک آوٹ بھی کر لیتے ہیں۔ خیال تھا کہ چونکہ ہم سارک کے مہمان تھے اور ہم نے پوری کوشش کی تھی کہ پانچ سو روپے کی مقررہ حد سے زائد خرچ نہ ہو، اس لیے حساب برابر سرابر ہوگا اور مزید کوئی ادائیگی نہیں کرنا پڑے گی۔ مگر ہمیں کافی حیرانی ہوئی جب کاؤنٹر پر موجود اکاؤنٹنٹ نے مبلغ 475 روپے کا بل تھما دیا اور ادائیگی کرنے کا کہا۔ ہم نے پوچھا کہ یہ بل کیسا؟ تو بتایا گیا کہ یہ سوموار کا ہے جب ہم نے مسٹر چن ویرکورات کے کھانے پر مدعو کیا تھا۔ اس کو بتایا کہ پہلے دن ہم نے ہوٹل سے کھانا نہیں کھایا تھا، اتوار کی صبح ناشتہ کا بھی ناغہ تھا اور دو دن ہمارا رات کا کھانا بھی باہر تھا، کیا اس طرح حساب برابر نہیں ہو سکتا؟ جواب ملا کہ نہیں زائد خرچے کی آپ کو پے منٹ کرنا ہوگی۔ ہم نے کہا کہ آپ کا ہوٹل ایک اعلیٰ ہوٹل ہے اس لیے بات اصول کی کریں، جس دن ہم نے خرچ زیادہ کیا ہے وہ ہم دیتے ہیں اور جس دن ہمارا خرچہ کم ہے آپ دیں۔ اس پر وہ بڑے چین بچیں ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ ممکن نہیں۔ اس پر چن ویر صاحب کے دوست بولے کہ یہ بات ٹھیک کہہ رہے ہیں تم ہماری بات جنرل مینیجر سے کرواؤ، تم ہمارے مہمان کو خواہ مخواہ پریشان کر رہے ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اکاؤنٹنٹ نے اوپر کسی سے بات کی اور کہا کہ ٹھیک ہے اگر آپ یہ بل نہیں پے کر سکتے تو نہ کریں۔ ہم نے پانچ سو روپے کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے کہا کہ آپ اپنے پیسے لو، رسید بناؤ اور ہوٹل کے جی۔ ایم سے ہماری بات کراؤ۔ اس پر اس نے دوبارہ کسی سے بات کی اور پیسے وصول کیے بغیر ہی حساب بے باک کر دیا۔ ہم نے پے منٹ پر اصرار کیا اور چن ویر کے دوست تو ہوٹل انتظامیہ کے رویے پر بہت غصے میں تھے کہ جی۔ ایم سے بات ضرور کرنا ہے مگر چن ویر بار بار وقت کی کمی کا اعلان کر رہے تھے اس لیے ہم خاموش ہو گئے، مگر وہ بعد میں بھی اپنے غصے کا اظہار کرتے رہے۔

بہر حال ادھر سے مطمئن ہونے کے بعد ہم ریسرچ انسٹی ٹیوٹ آ گئے۔ یہاں ہمیں بتایا گیا کہ ڈائریکٹر کپاس جنہیں خصوصی طور پر ہماری ملاقات کے لیے بلایا گیا تھا تشریف لا چکے ہیں اور اب اپنے ادارے میں ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ ہمیں یہ بھی بتا دیا گیا کہ آپ کے پاس صرف ڈیڑھ گھنٹہ ہے جو آپ انسٹی ٹیوٹ میں گزار سکتے ہیں۔ ہم فوراً ہی ادارہ تحقیقات کپاس میں ڈائریکٹر آفس پہنچے۔ ڈائریکٹر صاحب بڑے تپاک سے ملے اور ملتے ہی چائے کی پیشکش کی۔ چونکہ ہمیں بتا دیا گیا تھا کہ ہمارے پاس صرف ڈیڑھ گھنٹہ ہے اس لیے ہم نے بہ دل نخواستہ سارا وقت چائے کی بجائے کپاس کی نذر کر دیا۔ ان کے ساتھ جلدی جلدی تجرباتی ایریا پہنچے جو قریب ہی تھا اور تجربات کے مطالعے کے دوران مسلسل بحث و تمحیص بھی جاری رہی۔

تحقیقات کپاس

ہندوستان میں کپاس کی تحقیقات کے اہداف بھی تقریباً وہی ہیں جو کہ پاکستان میں کپاس کے ماہرین کے ہیں یعنی پیداوار میں اضافہ، ریشے کی خصوصیات میں بہتری، گن (Ginning outturn - GOT) میں اضافہ، گرم موسم کا مقابلہ کرنے اور جلدی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چنائی دینے والی اقسام وغیرہ۔ پاکستان میں عام روایتی اقسام کی بہتری کی طرف توجہ دی گئی اور بہترین اقسام تیار کی گئیں خصوصی طور پر زیادہ کن والی اور جلدی پکنے والی۔ ہندوستان میں عام اقسام اتنی اچھی نہ بن سکیں مگر انہوں نے ہائبرڈ اقسام بنانے پر توجہ دی اور عام مزدوری خصوصاً بچوں اور عورتوں کی (Child and female labour) سستی ہونے کی وجہ سے دوغلی اقسام بنانے میں کامیاب رہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہندوستان میں آج کل اسی لاکھ ایکڑ سے زائد رقبہ پر کپاس کی ہائبرڈ اقسام کاشت کی جارہی ہیں جن کا ریشہ لمبائی اور نفاست میں بہت اچھا ہے اور بین الاقوامی مارکیٹ میں پاکستانی ریشے سے زیادہ قیمت میں فروخت ہو رہا ہے۔ پاکستان کی موجودہ اقسام کے ریشے کی نفاست کپاس کی فصل پر کاٹن لیف کرل وائرس (Cotton Leaf Curl Virus) کے شدید ترین حملے کی وجہ سے بین الاقوامی معیار سے قدرے کم ہے۔ لیکن آئندہ سالوں میں کاشت کے لیے دی جانے والی روایتی اقسام کا ریشہ بین الاقوامی معیار کے برابر ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

کپاس کے تحقیقاتی تجربات کی مطالعاتی سیر ہم نے بڑی تیزی سے مکمل کی اور فوراً ہی لیبارٹری میں واپس چلے آئے۔ لیبارٹری میں میزبانوں کی طرف سے جلدی جلدی الوداعی چائے کا بھی اہتمام کیا گیا۔ جس میں ہم نے اپنے میزبانوں کا بھرپور انداز میں شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے ہمیں سیمی نار میں شرکت کا موقع دیا، تاج محل دیکھنے کے لیے پوری راہنمائی اور مدد کی، سیمی نار کے بعد بھی ہماری مہمان نوازی میں کوئی کمی نہ آنے دی اور ہمارے آرام و آسائش کا پورا پورا خیال رکھا۔ انسٹی ٹیوٹ سے رخصت ہونے کے بعد ہم نزدیکی مارکیٹ سے ہوتے ہوئے ایئر پورٹ روانہ ہو گئے۔ اس نزدیکی مارکیٹ سے ہم نے اپنے دفتر کے ایک ساتھی کے لیے ایک ہومیو پیتھک دوائی خریدنا تھی جو کہ پاکستان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں نایاب تھی۔

الوداع

ایئر پورٹ پہنچ کر ہم نے یہ کوشش کی کہ چن ویر صاحب ہمیں پارکنگ لاٹ سے ہی الوداع کہہ دیں مگر وہ نہ مانے اور ڈیپارچر لاؤنج تک آنے پر اصرار کیا اور ہمارے ساتھ ساتھ ہو لیے۔ پارکنگ لاٹ میں گاڑی چھوڑتے ہوئے ہم نے ڈرائیور کا بہت شکریہ ادا کیا، بالی کے نہ ہونے کا افسوس ضرور تھا پھر بھی ہم نے اس کو کچھ انعام دیا اس پر ڈرائیور نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور شکریہ بھی ادا کیا۔ چن ویر صاحب ہماری راہنمائی کرتے ہوئے ڈیپارچر لاؤنج کی آخری حد تک ہمارے ساتھ ہی آئے۔ اس دوران ہمیں یوں محسوس ہوا جیسے وہ کوئی چیز اپنی بغل میں چھپانے کی کوشش کر رہے ہوں۔ یہ ایک خاکی رنگ کا پیکٹ تھا جو ان کی بغل کے سائز سے کافی بڑا تھا تاہم یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس میں کیا چیز بند ہے۔ میزبانوں کے لیے رخصت کرنے کی آخری حد تک پہنچ کر ہم نے چن ویر کا بہت بہت شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے بہت اچھے طریقے سے ہماری میزبانی کی، شاپنگ میں ہماری راہنمائی کی، ہر جگہ ہمارا ساتھ دیا اور ہر طرح ہمارے آرام کا خیال رکھا۔ آگرہ کی سیر کے حوالے سے تو ان کا بہت خاص شکریہ ادا کیا کیونکہ یہ ان کے تعاون کے بغیر ناممکن تھی ساتھ ہی ساتھ ہم نے ان کی بیگم کا بھی شکریہ ادا کیا جنہوں نے ہمیں بہت مزے دار کھانا کھلایا تھا۔

ہم نے الوداعی مصافحہ کے لیے چن ویر کی طرف ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے جھٹ اپنی بغل سے وہ پیکٹ نکال کر ہماری طرف بڑھا دیا۔ ہم نے لینے میں پس و پیش کیا تو انہوں نے بہت اصرار کیا اور گویا ہوئے کہ یہ میری اور میری بیگم کی طرف سے آپ کے اور آپ کی بیگم لیے ایک چھوٹا سا پر خلوص تحفہ ہے ساتھ لے جائیے ہماری یاد دلائے گا۔ چنانچہ ہم نے ان کے خلوص کے پیش نظر وہ پیکٹ لے لیا اور چن ویر اور ان کی بیگم کا بہت بہت شکریہ ادا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا۔ یہ تحفہ ایک سیاہ رنگ کی خوبصورت اونی شال تھی جو گھر میں بہت پسند کی گئی۔ چن ویر کو آداب کہتے ہوئے ہم آگے بڑھ گئے۔ چن ویر صاحب تھوڑی دیر تک وہاں گیٹ کے سامنے کھڑے ہمیں دیکھتے رہے اور ایک دفعہ پھر آداب اور نمستے کرتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے۔ سامان کی چیکنگ کے لیے ہم سکینگ مشین کی طرف مڑے اور اس کے ساتھ ہی مسافروں کے ہجوم میں وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

پاسپورٹ، سفری کاغذات اور سامان وغیرہ کی سکینگ کا دورانیہ بہت مختصر رہا۔ ہمارے پاس تھا ہی کیا سوائے ایک سفری بریف کیس اور سیمی نار سے متعلق مواد اور کتابوں سے بھرے ہوئے ایک ہینڈ بیگ کے۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم ڈیپارچر لاؤنج میں پہنچ گئے۔ جہاز کی روانگی میں ابھی کافی وقت تھا۔ ہم نے لاؤنج کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ لاؤنج کافی وسیع تھا۔ کلوز سرکٹ ٹی وی پر اشتہاری پروگراموں کے ساتھ ساتھ خواتین کی کھیلیں بھی دکھائی جا رہی تھیں۔ نوجوان کھلاڑیوں سمیت تقریباً تمام کے تمام پروگرام کچھ زیادہ ہی ایکسپوزنگ کی طرف مائل اور کلوز تھے۔ خیر ٹی وی پروگرام دیکھتے ہوئے اور کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے ہم نے لاؤنج کا چکر لگایا۔ ہمیں اس بات پر بڑی حیرانی ہوئی کہ کافی کا ریٹ یہاں بھی وہی پانچ روپے تھا جو ائیر پورٹ کی حدود سے باہر تھا۔ شاید اسی لیے ہم نے دوبار کافی پی۔ حیرانی اس لیے ہوئی کہ کوکا کولا کا ریٹ ہر جگہ مختلف تھا، انڈیا گیٹ میں 14 روپے فی بوتل، شاہی مسجد اور شاہی قلعہ کے علاقے میں 12 روپے اور اچھی بڑی مارکیٹوں میں 10 روپے تھا۔

لاؤنج میں گھومتے ہوئے ہم نے ایک بات خاص طور پر نوٹ کی کہ یہ جگہ لاؤنج کم اور صنعتی اور صنفی نمائش زیادہ لگتی تھی۔ ٹورزم کی تجارت بڑھانے اور صنعتوں کی نمائش کی ساری ذمہ داری بے چاری نوجوان صنف نازک کے ناتواں کندھوں پر ڈال دی گئی تھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہندوستانی صنعتوں کی نمائش بہت جاذب نظر اور جاندار تھی۔ صنعتی اشیاء برآمد کرنے کے لیے ترغیبات اور پیشکشیں بھی کافی پرکشش اور منافع بخش تھیں۔ اس طرح لاؤنج میں گھومتے پھرتے ہمیں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا اور پی آئی اے کی فلائیٹ کا اعلان ہوگیا۔ ہم بھی جیٹی کے راستے جہاز میں پہنچ گئے۔ دروازے کے ساتھ رکھے گئے اخباروں میں سے ایک اردو اخبار لیا، اپنی سیٹ تلاش کی اور بیٹھ کر جلدی جلدی اخبار دیکھنے لگے کہ کافی دنوں بعد پاکستانی اخبار ملا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں سفر کی مسنون دعا کی آواز آئی اور ساتھ ہی جہاز رن وے پر دوڑنے لگا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہمارا ہوائی جہاز پر پھیلائے گھن گرج کے ساتھ زمین کی پستیوں سے بلند ہوا اور پرواز کرتے ہوئے آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگا۔

ہمیں جہاز کی یہ ادا بڑی پسند ہے اور اس سے ہم لطف اندوز بھی بہت ہوتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر ہم نے جب بھی اپنا مقابلہ جہاز سے کیا اور تقابلی جائزہ لیا تو وہاں اپنے من میں بلند ہونے کی امنگ تو ضرور پائی مگر اپنی روایتی سست روی، آسائش پسندی اور کم کوشی چھوڑ کر جیٹ کی طرح قوت بازو پر بھروسہ کر کے جست لگانے کا حوصلہ نہ پایا۔ ایسے میں ہم نے کھڑکی سے باہر جھانکا تو بہائی مذہب کی خاموش عبادت گاہ لوٹس ٹمپل کی عمارت نمایاں طور پر نظر آرہی تھی جو آہستہ آہستہ نظروں سے معدوم ہوتی چلی گئی۔ اس طرح ہم دوسری مرتبہ ہندوستان سے پاکستان کی طرف روانہ ہوگئے۔ پاکستان کی طرف یہ سفر نصف صدی پہلے قیام پاکستان کے وقت قتل وغارت گری کے خوف ناک طوفانوں میں سے گزر کر کی جانے والی ہجرت کے مقابلے میں پرامن، بے خطر اور آرام دہ ضرور تھا مگر مرتبے کے لحاظ سے وہ ایک اسلامی مملکت کے قیام کی خاطر کیا جانے والا نظریاتی جہاد تھا جب کہ یہ صرف ایک سرکاری تحقیقاتی دورہ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''ضمیر خان''

جہاز میں بیٹھ کر قدرے اطمینان ہوا۔ اخبار کی ورق گردانی اور پی آئی اے کی میزبانی کا لطف لیتے ہوئے ہمیں محسوس ہوا جیسے پہلو میں سوئی سی چبھ گئی ہو۔ یاد آیا کہ اس طرح کی چبھن کا احساس اس وقت بھی ہوا تھا جب پی آئی اے آفس سے سیٹ کنفرم کروا کر باہر نکل رہے تھے۔ اس دوران پی آئی اے کے کاؤنٹر والی خاتون نے ایک دو بار ذرا عجیب سی نظروں سے ہماری طرف دیکھا بھی تھا جیسے پوچھ رہی ہو کہ ویٹنگ لسٹ کے حساب سے تو ابھی آپ کا حق نہیں بن رہا تھا مگر یہ کیسے ممکن ہوا؟ تاہم اس وقت ہم نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ اب کے یہ چبھن پہلے سے کافی تیز تھی۔ پتہ چلانے میں ذرا دیر نہ لگی۔ دراصل یہ چبھن ہمارے دیرینہ بلکہ ہمزاد ساتھی جناب ضمیر خان کی طرف سے تھی جو بار بار یہ کہہ رہا تھا کہ تم نے خواجہ صاحب کی فیور استعمال کر کے اپنے سے پہلے آنے والے چند مسافروں کا نہ صرف حق مارا ہے بلکہ اپنے ساتھ بھی زیادتی کی ہے اور ایک بے فائدہ جرم کے مرتکب ہوئے ہو۔ ہم ضمیر خان کو مسلسل یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے تھے کہ ہم نے کوئی ناانصافی نہیں کی، کوئی جرم نہیں کیا، واپسی کا ٹکٹ ہمارے پاس تھا اور اپنے پیارے وطن واپسی کے لیے ذرا اپنے دوست کو کہہ دیا تو کون سا طوفان آ گیا؟ تم اتنی سی بات پکڑ کر کیوں بیٹھ جاتے ہو؟ کریزی (Crazy) کہیں کے!۔

بلکہ ہم نے شکوہ کرنے کی کوشش کی تمہیں جب بھی موقع ملتا ہے اکھڑ قسم کے کوتوال بن بیٹھتے ہو، ہماری نہیں سنتے، ہلکی پھلکی چیزوں سے تو ذرا پرہیز کر لیا کرو۔ تم بھی ذرا اعتدال پسند اور روشن خیال بن جاؤ۔ جب سے ہم نے ہوش سنبھالا ہے شاید ہی ہمارا کوئی کام تمہیں پسند آیا ہو۔ ہر کام میں کیڑے نکالنا تمہارا محبوب شغل ٹھہرا، حتیٰ کہ نماز جیسی عبادت بھی کبھی جناب کے معیار پر پوری نہیں اتری۔ اس معاملہ میں بھی ہمارے حصے میں آج تک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملامت ہی آئی ہے۔ کبھی کہا کہ فلاں وقت جو سجدہ کیا تھا وہ خشوع و خضوع سے خالی تھا بلکہ اس میں ریا کاری تھی۔ ہمیں تو اب یہ خوش فہمی نہیں رہی کہ کبھی تو ہماری تعریف ہو بلکہ جناب اگر ہماری ملامت سے ہی باز آ جاؤ تو بڑی مہربانی ہوگی۔ ہمیں اس کا جواب یہ ملا کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے جناب کے کرتوت ہی ایسے ہیں۔ میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند۔

ضمیر کے ساتھ یہ "خان" کا اضافہ عام بے نقط "خاں" والا نہیں اور نہ ہی یہ وہ "خان" ہے جو ہمارے ایک سینئر ساتھی نے اپنا تبادلہ پشاور ہوتے ہی چغتائی کی جگہ خان فٹ کرنے کی کوشش کی اور بعد میں پشاور کے اصلی خانوں کو پتہ لگنے پر اسے واپس لے لیا۔ بلکہ یہ "خان" ہلاکو خان والا خان ہے جو اپنی ہی سناتا اور منواتا ہے۔ اس کے باوجود ہم نے اپنے سے سرزد ہو جانے والے چند ایک اچھے کاموں کا یاد دلا کر ضمیر خان سے داد چاہی تو جواب ملا کہ چپ ہی رہو تو بہتر ہے، اگر خلوص کی عینک سے دیکھا گیا تو شاید ہی کچھ نظر آئے۔ ہم نے ہار ماننے کی بجائے اپنا کیس ایک اور زاویے سے لڑنے کی کوشش کی اور کہا کہ دیکھو ضمیر خان تمہیں پتہ ہے کہ ہم اگست 1984ء میں لاہور سے اسلام آباد شفٹ ہوئے۔ آتے ہی ہم نے سی ڈی اے (اسٹیٹ آفس) میں ایک درخواست دی کہ چونکہ ہم لاہور سے اسلام آباد شفٹ ہو گئے ہیں اس لیے ہمیں بھی رہائش کے لیے عام سرکاری ملازمین کی طرح ایک عدد مکان الاٹ کر دیا جائے۔ سی ڈی اے والوں نے ہم سے درخواست لے لی اور ہمیں مطلع کر دیا کہ ویٹنگ لسٹ میں آپ کا نمبر 42 واں ہے اور باری آنے پر آپ کو مکان الاٹ کر دیا جائے گا۔ مزید بتایا کہ امید ہے تین چار سال کے اندر آپ کا نمبر آ جائے گا۔ ہم مطمئن ہو گئے۔

مگر اس کے بعد مسلسل ایسے ایسے 'بے نظیر' اور 'بے نواز' دور آئے کہ انتظار کرتے کرتے دس سال کا لمبا عرصہ گزر گیا لیکن لسٹ میں ہمارا نمبر 42 واں ہی رہا۔ اس پر بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملامت خان نے ہماری کوئی پذیرائی نہ کی بلکہ الٹا ہم سے ہی سوال کر دیا کہ کیا اس دوران آپ ایک دن کے لیے بھی بے گھر رہے؟ کیا میرے پروردگار نے تمہارے لیے باعزت طور پر رہائش کا انتظام کر کے نہیں دیا۔ اگر آج بھی تم بے صبری کا مظاہرہ نہ کرتے تو دیکھتے غائب سے تمہارے لیے کتنا اچھا انتظام ہوتا۔ بہر حال زچ اور شرمندہ ہو کر ہمیں ہی خاموش ہونا پڑا۔ ضمیر خان نے آئندہ کے لیے اس قسم کی حرکتوں سے باز رہنے کی تلقین کی اور ہم سے محتاط رہنے کا وعدہ لیا۔ کچھ عرصہ تک ہم نے وعدہ نبھانے کی کوشش بھی کی مگر ایک دن ہمیں پھر خواجہ صاحب سے فرمائش کرنا پڑی کہ ہمارے چند دوست حاجیوں کا مسئلہ حل کر دیں جو درمیانی فلائیٹوں کی بجائے پہلی فلائیٹوں سے جا کر حج کی سعادت حاصل کرنا چاہ رہے تھے کیونکہ بعد میں حاجیوں کا رش بہت ہو جاتا ہے، رہائش مہنگی ہو جاتی ہے اور تو اور بچوں، عزیزوں اور دوستوں کے لیے تبرکات اور تحفے تحائف کی قیمتیں بھی آسمان سے باتیں کرنے لگ جاتی ہیں۔

اسی کشمکش میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ ہمیں اس وقت پتہ چلا کہ ہم لاہور پہنچ گئے ہیں جب جہاز سے یہ اعلان ہو رہا تھا کہ اب سے تھوڑی ہی دیر بعد ہم لاہور ائیر پورٹ پر اترنے والے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جہاز زمین کے قریب آنے لگا اور جلد ہی لاہور کے ہوائی اڈے پر اتر گیا۔ ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ خیر سے اپنے وطن واپسی ہوئی۔ جہاز سے اترنے کے معاملہ میں بھی لوگوں کی بے چینی دیدنی تھی۔ جہاز کی سیڑھی لگنے اور گیٹ کھلنے سے پہلے ہی لوگ اپنا اپنا سامان اٹھائے سیٹوں کے درمیان انتہائی مختصر اور تنگ ایزل میں کھڑے ہو گئے۔ چند منٹ میں رش کم ہونے پر ہم نے بھی اپنا دستی سامان اٹھایا اور دروازے میں ایستادہ ائیر ہوسٹس سے سلام و دعا کرتے ہوئے جہاز سے باہر آ گئے۔ لاہور سے اسلام آباد کے لیے پی۔آئی۔اے کی ایک ڈومیسٹک فلائیٹ تھی۔ اس لیے سفری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کاغذات اور سامان کی جانچ پڑتال یہیں ہونا تھی۔ ہمارے ہاتھ میں نیلے رنگ کا سرکاری پاسپورٹ، ایک عدد دستی بیگ اور کتابوں کا تھیلا دیکھ کر بغیر کسی چیکنگ کے آگے بڑھ جانے کا اشارہ کر دیا گیا۔ فلائیٹ روانگی کے لیے تیار تھی، چنانچہ جلد ہی ہم اسلام آباد والی فلائیٹ میں سوار ہو گئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زیرو پوائنٹ اسلام آباد

جتنی دیر ہمیں دہلی سے لاہور پہنچنے میں لگی تقریباً اتنے ہی وقت میں لاہور ائر پورٹ سے اسلام آباد انٹرنیشنل چکلالہ پہنچ گئے۔ الحمدللہ. اپنا مختصر سا سامان لے کر ائیر پورٹ سے باہر آ گئے۔ پارکنگ لاٹ میں گاڑی موجود تھی چنانچہ ہم فوراً ہی اسلام آباد کے لیے روانہ ہو گئے۔ فیض آباد سے کیپٹل ایونیو کے راستے زیرو پوائنٹ پہنچے تو حسب معمول آج بھی طبعیت کو بہت زبردست دھچکا لگا بلکہ ذہنی صدمہ ہوا اور بہت سخت غصہ آیا اور آتا ہی چلا گیا۔ ذہنی صدمے اور غصے کی وجوہات معمولی نہیں غیر معمولی تھیں۔ پتہ نہیں اسلام آباد آنے جانے والے کتنے حساس دلوں کو یہ چیزیں غصہ اور کرب میں مبتلا کرتی ہوں گی۔

صفر مقام

ہمارا جب بھی اسلام آباد آتے جاتے ادھر سے گزر ہوا دو چیزوں نے ہمیں ہمیشہ ہی بہت ذہنی اذیت دی۔ ایک تو اسلام آباد داخلے کے چوک کا نام ''زیرو پوائنٹ'' یعنی صفر مقام اور دوسرا اسی جگہ پر فاختہ کی شکل میں اسلام آباد کا امتیازی نشان (Logo) زیرو پوائنٹ سے گزرتے ہوئے ہمیشہ یوں محسوس ہوا جیسے کہ یہاں پہنچ کر ہم ہی نہیں اسلام آباد بلکہ پورا پاکستان ہی زیرو ہو جاتا ہے۔ آزادی حاصل کیے پچاس سال سے زائد عرصہ گزر گیا اور ہم ابھی تک زیرو پوائنٹ پر ہی کھڑے ہیں اور اگر حکمرانوں نے ہاکی کلچر چھوڑ کر جمہوریت نہ اپنائی تو شاید خاکم بدہن ہمیشہ ہی زیرو پر رہیں۔ کسی نے یہ کیوں نہ سوچا کہ اس پوائنٹ کا نام اقبال پوائنٹ (بلندیوں کی طرف لے جانے والا پوائنٹ) رکھ دیتے۔ اس سے نہ صرف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مفکر پاکستان کی یاد تازہ ہو جاتی بلکہ ہمارے لیے بلندیوں کے راستے کی نشاندہی بھی ہوتی رہتی۔ مگر ہماری بدقسمتی کہ اسلام آباد کے ڈیزائن کرنے یا کرانے والوں میں کوئی بھی علامہ اقبالؒ یا قائداعظمؒ کا سپاہی نہ تھا۔ بلکہ مسند اقتدار پر شاید وہ لوگ براجمان تھے جو شریک سفر نہ تھے یا شاید وہ لوگ تھے جنہیں قائداعظمؒ نے بجا طور پر کھوٹے سکے کہا تھا۔ ان لوگوں نے جو کوششیں کیں ان میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی رہے کہ اسلام آباد کی تعمیر میں اسلامی کلچر یا اسلامی طرز تعمیر کی پرچھائیں تک نظر نہ آنے پائے۔

فاختہ

ہم پہلے ہی روح اقبالؒ سے سخت شرمندہ تھے کہ ان کے مرد قلندر اور مرد مومن بننے کا سبق ہمیں صرف ملکہ ترنم نور جہاں سے ہی سننا اچھا لگتا تھا کہ اسلام آباد کے بدیشی سوچ کے حامل نام نہاد دانشوروں نے ایک اور گل کھلایا کہ اسی زیرو پوائنٹ پر پاکستان کا امتیازی نشان (Logo) ایک فاختہ کی شکل میں نصب کر دیا اور مختلف سمتوں میں تیز لائٹیں لگا کر اس کو خوب روشن، خوبصورت اور نمایاں کرنے کی کوشش کی۔ خودی کو بلند کرنے کے لیے علامہ اقبالؒ کے شاہین بچوں کے سامنے نمونہ پیش کرنے کے لیے ہم نے پرندوں کی دنیا کے سب سے بزدل پرندے فاختہ کا انتخاب کیا۔ اسلام آباد کے ارباب حکومت اور ترقی پسند دانشوروں کی یہ دوسری مذموم کوشش تو پہلی سے بھی بازی لے گئی اور ان کی اس بزدلی نواز حرکت نے تو ہمیں جلا کر رکھ دیا۔

کوے ہی کوے

ایک طرف تو مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ دشمنوں کے مقابلے کے لیے ہر دم تازہ دم گھوڑے تیار رکھو اور ہم ہیں کہ ماتھے پر فاختہ کا جھومر سجائے بیٹھے ہیں۔ اس لحاظ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر ہم آنے جانے والوں کو کوئی پیغام دینا چاہتے تو اس پوائنٹ پر ایک زبردست طاقت ور تند و تیز جنگی گھوڑا بناتے اور اس پر ایک پرہیبت مجاہد بٹھاتے جو ہاتھوں میں شاہین میزائل تھامے ہوئے دشمنوں کو للکار رہا ہوتا تو اس چوک سے گزرتے ہوئے خصوصی طور پر نوجوان جہاد کی فکر کرتے اور ان کے جذبۂ جہاد کی آبیاری بھی ہوتی۔ اگر ان لوگوں میں اتنی جرأت نہ تھی تو کم از کم اقبالؒ کا شاہین ہی بنا دیتے تا کہ اقبالؒ کے ستاروں پر کمندیں ڈالنے والے نوجوان ستار اور گٹار کے ذریعے مراثی بننے کی بجائے شاہین صفت جوان بننے کی کوشش کرتے۔ مگر ان بے حمیت اور تاریخ سے بے بہرہ دانشوروں، کفن فروش سیاستدانوں اور مک مکا کے ماہر لیڈروں نے مل کر اللہ کے احکامات کو تو پس پشت ڈالا ہی تھا ساتھ ہی علامہ اقبالؒ جیسے پاکستان کے مصوروں اور محسنوں کو بھی شرمندہ کر دیا۔ اس چوک پر فاختہ کا ماڈل بنا کر پاکستان کے دشمنوں کو یہ پیغام دینے کی کوشش کی ہے کہ اسلام آباد میں نہ صرف فاختائیں رہتی ہیں بلکہ وہ یہ بھی سمجھیں کہ اگر وہ شاہین، عقاب یا باز نہیں بن سکتے تو فکر کی کوئی بات نہیں فاختہ کے لیے تو ''شکرا'' یا صرف کوا ہی کافی ہے۔ فاختہ پرندوں کی دنیا کا سب سے بدھو اور لاابالی پرندہ ہے جسے نہ رہنے کا سلیقہ اور نہ اپنی اور اپنے خاندان کی حفاظت کا ذرا برابر احساس۔ چند تنکے رکھے اور بیٹھ گئی انڈے دینے۔ شاہین اور عقاب تو دور کی بات ہے فاختہ تو ایسا بزدل پرندہ ہے کہ جس کا گھونسلہ اور انڈے توڑنے یا بچے مارنے کے لیے صرف ''کوا'' ہی کافی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ پرندوں کی حد تک اسلام آباد میں ہر طرف کوے ہی کوے نظر آتے ہیں۔

ہماری تو یہ دعا ہے کہ جلد سے جلد کوئی باحمیت، تاریخ دوست اور تہذیب شناس حکومت قائم ہو اور یہ دونوں ذلت و بزدلی کے نشان بدل دے۔ فاختہ اور شاہین کے تقابل میں ہمیں پتہ ہی نہ چلا کہ کب آبپارہ آیا اور گزر گیا۔ ہمیں چائینہ چوک کے قریب پہنچ کر یاد آیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ بچوں کے لیے تو کچھ لیا ہی نہیں۔ چنانچہ وہیں سے ہم واپس ہوئے اور میلوڈی مارکیٹ آ گئے۔ بچوں کی پسند کا خیال کرتے ہوئے کچھ مٹھائی خریدی اور لوٹ کے بدھو گھر کو آئے کے مصداق گھر پہنچ گئے۔ چونکہ گھر والوں کو ہمارے آنے کی اطلاع تھی اور وہ ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ہم بچوں سے ملے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

کامیاب دورہ

اگلے دن دوست احباب افسران اور دیگر ساتھیوں کے ساتھ ملاقاتیں ہوئیں اور ہم نے سب کو فخریہ بتایا کہ ہمارا دورۂ ہندوستان بہت کامیاب رہا اور یہ دوروں کی تاریخ میں سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ کسی بڑے سے بڑے سربراہ مملکت نے اپنے بیرونی دوروں میں کب ایسی کامیابیوں کے جھنڈے گاڑے ہوں گے جو ہم گاڑ آئے ہیں۔ مگر افسوس کہ کسی نے بھی ہمارے شایانِ شان استقبال نہ کیا، نہ کوئی پھولوں کے ہار لے کے کھڑا تھا اور نہ ہی کسی کے پاس جھنڈیاں تھیں، نہ کسی نے نعرے مارے اور نہ ہی مبارکبادیں دیں۔ جس قوم کے لیے ہم جہاز پر دہلی گئے، اعلیٰ ہوٹلوں میں قیام کیا اور آگرہ تک کا سفر بھی کیا اسے پتہ ہی نہیں تھا کہ اس کے لیے ہم نے کتنے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں۔ اگر کسی بڑے قرضے کی رقم میں سے چند لاکھ روپے ہمارے استقبال پر خرچ ہو جاتے تو قوم کا کیا جاتا ہمارا تو دل خوش ہو جاتا کہ قوم بڑی قدردان ہے۔ بہرحال قوم کی بے حسی پر ہم نے احتجاج نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اس لیے کسی سے گلہ شکوہ نہ کیا اور یہ تہیہ کر لیا کہ برسراقتدار لیڈروں کی طرح قوم کو اپنے کارناموں سے خود ہی آگاہ کریں گے۔

چنانچہ دوستوں اور ہمارے ساتھیوں نے اشتیاق سے پوچھا کہ چلو زیادہ نہ سہی اپنا ایک آدھ کارنامہ ہی ہمیں بتا دیں تاکہ ہم بھی سنیں کہ مرداں چنیں کنند۔ ہم نے بتایا کہ ہم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہندوستان گئے، سارک سیمی نار میں شمولیت کی، صرف ایک دن میں تاج محل جیسا عظیم الشان عجوبہ دیکھا اور دہلی واپس آ گئے۔ وہ بولے کہ یہ تو کوئی ایسا غیر معمولی کارنامہ نہیں جس پر واہ واہ کی جائے۔ بلکہ ایک دو نے تو اس پر سخت تنقید کی کہ تاج محل جیسے تاریخی اور عظیم الشان عجوبے کو صرف دو چار گھنٹوں میں دیکھ لینا بدذوقی اور فن تعمیر سے بے بہرہ ہونے کی دلیل ہے بجایہ کہ تاج محل کے ساتھ ساتھ لال قلعہ اور موتی مسجد بھی دیکھنے کا دعویٰ کیا جائے۔ ہم نے سوچا کہ لوگ تو ابھی تک انسان کے چاند پر پہنچنے پر بھی شک کر رہے ہیں اس لیے ہمیں کیا پرواہ۔

ہمیں شدید احساس ہوا کہ اصل میں لوگ دوسروں کے عظیم کارناموں اور زبردست کامیابیوں سے جلتے ہیں اور تعریف کے دو بول بولنے کے بجائے بے جا تنقید شروع کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ ایک صاحب نے سردار جی سے پوچھا کہ سردار جی ذرا اس بات پر روشنی ڈالیں کہ ہندوستان میں دوسری قومیں آپ لوگوں کا مذاق کیوں اڑانے کی کوشش کرتی ہیں۔ سردار جی بولے کہ جناب اس وقت میرے پاس کوئی ٹارچ نہیں ہے اس لیے میں روشنی ڈالے بغیر ہی اس کی وجہ بتانے کی کوشش کرتا ہوں۔ سردار جی بتانے لگے کہ یہ لوگ ہماری کامیابیوں سے جلتے ہیں اس لیے ہمارا مذاق اڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہماری کامیابیوں کی صرف تین وجوہات ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ سردار جی کون کون سی؟ تو سردار جی بولے ان میں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم سکھوں کی یادداشت بڑے غضب کی ہے۔ ہم جو بات بھی ایک دفعہ سن لیں یا پڑھ لیں وہ ہمارے ذہنوں میں کمپیوٹر کی طرح فیڈ ہو جاتی ہے اور سکھ اسے کبھی نہیں بھولتے اور یہ ایسے تازہ رہتی ہے جیسے پگڑی کے نیچے ان کے کیس یعنی بال۔ ان صاحب نے سردار جی کی بات کاٹ کر پوچھا کہ جناب اب دوسری اور تیسری وجہ بھی بیان کر دیں۔ تو سردار جی بولے کہ ابھی پہلی وجہ کا ذکر تو مکمل ہو لینے دیں۔ پوچھنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والے نے اصرار کیا کہ وہ ہم مان چکے ہیں۔ اب آپ آگے بتائیے۔ سردار جی نے تین چار بار اپنا سر کھجایا۔ آنکھیں بند کیں اور سر کو آگے پیچھے دو تین جھٹکے دیے اور بالآخر ایک بڑی سی گالی دے کر بولے کہ وہ میں بھول گیا۔ اس واقعہ کو سنانے سے ہمارا کام نہ بنا اور لوگ یہی سمجھتے رہے کہ ہم نے سیاست دانوں کی طرح کوئی کارنامہ سرانجام ہی نہیں دیا۔ بلکہ ہر حکومت کے غربت ختم کرنے کے ٹی وی پراپیگنڈے کی طرح یہ بھی سب جھوٹ کا پلندہ ہے اس لیے مجبوراً ہمیں وہ کارنامہ خود ہی بیان کرنا پڑا جسے ہم تاریخ کے حوالے کرنا چاہتے تھے۔

www.kitabosunnat.com

کارنامہ

ہمارا یہ کارنامہ کوئی چھوٹا موٹا کارنامہ نہیں اور اپنی پوری زندگی کے دوران میں سرزد ہونے والا یہ پہلا کارنامہ ہے جس پر پوری قوم اپنا سر فخر سے بلند کر سکتی ہے۔ یہ نہایت سخت اور اہم معرکہ تھا جو ہم نے تنہا سر کیا۔ دراصل یہ معرکہ اسی وقت شروع ہو گیا تھا جب ہم نے دہلی ائیر پورٹ پر پہلا قدم رکھا تھا اور ہمارے ہندوستان میں آخری دن کے قیام تک جاری رہا۔ ہر وقت ہر جگہ اور ہر فورم پر یہ معرکہ آرائی جاری رہی۔ ہم اکیلے پاکستانی اور مقابلے پر پورا ہندوستان اور ان کے کروڑوں دیوتا مگر ہم نے کسی موقع پر بھی ہمت نہیں ہاری۔ بہت سے مسائل پر بحث و مباحثے ہوئے کسی میں وہ جیتے اور کسی میں ہمارا پلڑا بھاری رہا۔ کسی معاملے میں وہ ہم پر حاوی نظر آتے اور کسی میں ہم انہیں چاروں شانے چت گرا دیتے۔ مگر اصل مسئلے پر ہم نے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنا گوارہ نہ کیا۔

چیمپئن

یہ مسئلہ ایسا غیر معمولی نوعیت کا تھا کہ جس کو جیتنے کے لیے انہوں نے بھی اپنی پوری توانائیاں میدان میں جھونک دیں۔ ہم بھی پہاڑ کی طرح اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ اگر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے ایک دلیل دی تو ہم نے اس کا جواب دو سے دیا۔ کافروں نے اپنی کوئی ایک مثال دی ہم نے اپنی دس مثالیں انہیں سنا دیں۔ انہوں نے ایک قصہ بیان کیا ہم نے دو سنائے۔ نہ ہم نے ہار مانی اور نہ وہ ہار ماننے پر آمادہ نظر آئے۔ ہمارے ہاں کوئی ٹیلنٹ کی کمی تھوڑی ہے۔ ایک سے ایک بڑھ کر بڑا جغادری اور شاطر ہم میں موجود ہے، چالاکی، مکاری، عیاری، شعبدہ بازی اور فریب کاری میں ماہرین کی کوئی کمی نہیں۔ اس میدان میں ہمارے کارنامے پوری دنیا میں دور دور تک مشہور ہیں۔ اس معرکہ آرائی میں ہمیں جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑا وہ ہم ہی جانتے ہیں مگر شاباش ہے ہمیں کہ ہم نے سب کچھ برداشت کیا پھر بھی اپنے موقف پر بہادری، اولوالعزمی اور ثابت قدمی سے ڈٹے رہے۔ یہ عظیم لڑائی جو ہم پورے طور پر جیت سکے نہ ہار مان کر دی وہ ان کا یہ دعویٰ تھا کہ ہندوستان میں سب سے زیادہ بے ایمانی ہوتی ہے۔ لیکن ہم نے ان کا موقف یکسر مسترد کر دیا اور پے در پے دلائل سے ثابت کیا کہ

اس کے چیمپئن ہم ہیں

www.kitabosunnat.com

کیا خیال ہے آپ کا؟؟

المکتبۃ الرحمانیۃ

۹۹۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

25342

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

"تاج محل سے زیرو پوائنٹ" بظاہر ایک ایسے شخص کے قلم کا شاہکار ہے جس کی علم و ادب کی دنیا میں کوئی دھوم یا شہرت نہیں ہے۔ چودھری محمد ابراہیم صاحب جو جامعہ زرعیہ، فیصل آباد کے فارغ التحصیل زرعی سائنسدان ہیں، چودھری صاحب موصوف وفاقی دارالحکومت کے زرعی شعبہ میں زیادہ فصل آور بیجوں کی تصدیق و تحقیق میں مصروف عمل رہے۔ انہیں اپنے فرائض کی ادائیگی کے ضمن میں بعض اوقات دوسرے ممالک کے زرعی ماہرین کی کانفرنسوں اور سیمی نارز میں شرکت کے مواقع ملے۔ ایسا ہی ایک موقع انہیں 1998ء میں سارک ممالک کے ایک زرعی سیمی نار میں شرکت کا میسر آیا اور وہ اس سلسلے میں ایک ہفتے کی ہندیاترا کے لیے دہلی پہنچے۔ اس ایک ہفتے میں انہوں نے بھارت کی تاریخ و ثقافت، تہذیب و تمدن، مذاہب و ادیان، معاشرت و معیشت، زراعت و تجارت، سیاست و حکمت اور آثار و شواہد کے کتنے ہفت خوان طے کیے، اس کا اندازہ اس سفرنامے کے تفصیلی مطالعے سے ہی ممکن ہے۔ بظاہر مصنف نے دہلی اور آگرہ کے دو شہروں کے درمیان جمنا کنارے سیر کی ہے لیکن اس مختصر سیاحت کے دوران قدم قدم پر انہوں نے تاریخی جھروکوں سے ایسے مناظر اور مباحث کو پیش کیا ہے کہ کوئی شخص ہندوستان جائے بغیر محض اس سفرنامے کا مطالعہ کر لے تو اسے تمام ممکنہ موضوعات پر سیر حاصل معلومات میسر آئیں گی۔ بالخصوص ہندوستان کے مذاہب کے تعارف اور ہندو معاشرت اور ذہنیت کا جس مہارت اور چابکدستی سے انہوں نے تجزیہ کیا ہے، وہ نہ صرف لائق داد ہے بلکہ ہندوستان شناسی کے حوالے سے ایک مستند حوالے کا درجہ رکھتا ہے۔

اس سفرنامے میں زبان و بیان کے لحاظ سے ایک خاصی دلکشی محسوس ہوتی ہے۔ مصنف نے اپنے مشاہدات کو جس صداقت، صاف گوئی اور بے باکی سے پیش کیا ہے، اس کے باعث یہ تحریر ایک آئینہ حقیقت بن کر سامنے آتی ہے۔ عبارت میں کسی لغوی اور لسانی تجربے کی بجائے سادگی اور سلاست کے ساتھ روانی اور شگفتگی دکھائی دیتی ہے۔ خالص علمی اور ادبی سطح پر بھی یہ سفرنامہ اردو ادب اور سفرناموں کی تاریخ میں ایک حوالے کا درجہ رکھتا ہے۔

"تاج محل سے زیرو پوائنٹ" اپنے موضوع، تکنیک اور اسلوب کے لحاظ سے ایک کامیاب سفرنامہ ہے اور ہندوستان کے حوالے سے لکھے گئے سفرناموں میں کئی اعتبار سے منفرد اور ممتاز ہے۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر ڈائریکٹر بیت الحکمت، لاہور

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور - پاکستان
فون: 7320318 فیکس: 7239884
ای میل: hikmat100@hotmail.com

فضلی
فضلی بک سپر مارکیٹ
اردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 2212991-2629724

Designed by: Naveed Ahmad 0300-4299692

ISBN 969-8773-41